حسین شناسی

آمریت
اور
ظلم
کے خلاف
حسین کا جہاد

آیت اللہ محمد یزدی

حسین شناسی

آمریت
اور
ظلم
کے خلاف
حسین کا جہاد

آیت اللہ محمد یزدی

0333-2687201

0322-3061272

"حسینؑ شناسی"

آمریت وظلم کے خلاف حسینؑ کا جہاد

تالیف

آیۃ اللہ محمد یزدی

یکے از مطبوعات

دار الثقافۃ الاسلامیۃ پاکستان

۲۰۲ ۔ بے ۔ ۵/۲/۳ ـــ ناظم آباد ـــ نمبر ۲ ـــ کراچی

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

نام کتاب	حسین شناسی
تمہید	آیت اللہ محمد یزدی
ترجمہ	محمد خالد فاروقی
نظر ثانی	سید سعید حیدر زیدی
کتابت	سید جعفر صادق
ناشر	دارالثقافۃ الاسلامیہ پاکستان
تعداد	۲۰۰۰
تاریخ اشاعت	ذی الحج ۱۴۰۸ھ، جولائی ۱۹۸۸ء
طبع دوم	رجب المرجب ۱۴۱۱ھ - جنوری ۱۹۹۱ء
تعداد	۳۰۰۰

اِنتساب

شہدائے کربلا کے نام
کہ جنھوں نے
اپنا مقدس لہو دے کر، آمریت اور ظلم کے مقابل
پرچمِ اسلام کو
سربلند کیا۔

اے لوگو! رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو کوئی ایسی حکومت کو دیکھے جس نے ظلم و جور کو اپنا شعار بنا لیا ہو، قوانین الٰہی میں تجاوز کرتی ہو، خدائے بزرگ و برتر کے ساتھ کیے ہوئے عہد و پیمان کو درہم برہم کر رہی ہو، سنّت رسولؐ کے برخلاف عمل پیرا ہو اور خدا کے بندوں کے ساتھ ظالمانہ اور جابرانہ رویّہ اختیار کیے ہوئے ہو تو اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے گفتار و کردار سے اس کے ظلم و ستم اور گناہ کا سدّباب کرنے کی کوشش کرے۔ جو کوئی یہ فرض پورا نہ کرے تو خداوند قدوس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اس شخص کو اس حکومت کے ارکان کے ساتھ عذاب میں مبتلا کرے۔

(امام حسینؑ کے ایک خطبہ سے اقتباس)

فہرست

● عرض ناشر ―――― ۱۱
● مقدمہ ―――― ۱۳
▷ مجلس کا اہتمام کرنے والے (بانی مجلس) ―――― ۱۷
▷ مجلس میں شرکت کرنے والے (سامعین) ―――― ۲۴
▷ مجلس کا سربراہ (خطیب) ―――― ۲۹
● آؤ حسین ابن علیؑ کو پہچانیں ―――― ۳۷
▷ اسلام میں پہلا ولیعہد ―――― ۳۹
▷ محافظین عدالت ―――― ۴۶
▷ انسانوں کی سرنوشت ―――― ۵۴
▷ ولیعہد کو خلافت مل گئی ―――― ۶۶
▷ حسین علیہ السلام نے کیوں قیام کیا؟ ―――― ۶۷

◁ ایک مسئلے کی تحقیق ——— ۶۹
◁ ایک مسئلہ کا جواب ——— ۷۰
◁ ان سوالوں کا جواب کیا ہے ؟ ——— ۷۴
◁ حسینؑ اور نانا کی گزشتہ گذارشات ——— ۷۶
◁ قیام حسینؑ کی دلیل ——— ۸۲
◁ ایک نکتہ ——— ۸۴
◁ باپ اور بیٹے کی حکومت کا فرق ——— ۸۸
● قیام حسینؑ کا آغاز ہوتا ہے ——— ۱۰۳
◁ حسینؑ عزم کر لیتے ہیں ——— ۱۰۹
◁ حسینؑ مدینے سے روانہ ہوتے ہیں ——— ۱۱۹
◁ حسینؑ مکہ میں داخل ہوتے ہیں ——— ۱۲۰
◁ کوفہ میں آزادی کی لہر ——— ۱۲۲
◁ کوفہ حسینؑ کو دعوت دیتا ہے ——— ۱۲۵
◁ حسینؑ کا مقصد اور دعوت کا جواب ——— ۱۲۷
◁ نمائندہ کا انتخاب، ایک آزمائش ——— ۱۳۳
◁ نمائندۂ حسینؑ کوفہ میں ——— ۱۳۶
◁ کوفے کے خطوط ——— ۱۳۷
◁ نمائندۂ حسینؑ کی رپورٹ کا اثر ——— ۱۳۸
◁ آخر یہ کیسی سیاست ہے ؟ ——— ۱۴۰
◁ بے وقت روانگی ——— ۱۴۲
◁ یزید کے نام کوفے سے خط، گورنر کا انتخاب اور انقلاب کوفہ ——— ۱۴۶

◁ یزید کا نمائندہ کوفہ کی طرف ——— ۱۵۴
◁ گورنر شیطانی منصوبوں کے ساتھ کوفہ پہنچتا ہے ! ——— ۱۵۵
◁ نیا گورنر کوفہ کو حسینؑ سے واپس لیتا ہے۔ ——— ۱۵۹
◁ نظام جاسوسی کی تشکیل ——— ۱۶۰
◁ ظالمانہ سیاست ——— ۱۶۳
◁ ایک جاسوس کی کامیابی ——— ۱۶۶
◁ آزادی کی راہ میں دو قربانیاں ——— ۱۶۹
◁ گورنر شیطان کے روپ میں ——— ۱۷۵
○ انقلاب کوفہ کی آخری موج ——— ۱۸۱
◁ تیر افگنی ——— ۱۹۱
○ استبداد کے خلاف سب سے بڑی جدوجہد ——— ۱۹۴
◁ مختلف جوابات ——— ۱۹۶
◁ ایک منطقی جواب ——— ۲۰۳
◁ بصرہ کے دوستوں کو حسینؑ کی دعوت ——— ۲۰۴
◁ ایک ناگوار خبر ——— ۲۰۶
◁ آخری منزل ——— ۲۱۱
◁ ایک دائمی پڑاؤ ——— ۲۱۸
◁ دوستوں کی وفاداری ——— ۲۱۹
◁ آخری خط اور پیغام رساں کی موت ——— ۲۲۰
◁ آیئے ہم کوفہ چلیں اور واپس آجائیں ——— ۲۲۳
◁ لالچ اور اندھاپن ——— ۲۳۰

- کربلا کی طرف چلیں ـــــــ ۲۳۰
- کربلا کی فضا ـــــــ ۲۳۸
- کیسی روشن رات اور کیسا تاریک دن ـــــــ ۲۴۳
- دخترِ علیؑ، حسینؑ کی تحریک کو آگے بڑھاتی ہیں ـــــــ ۲۴۹
- زینبؑ کے قدم بقدم ـــــــ ۲۵۱
- دختران علیؑ نے کوفہ کو ہلا کر رکھ دیا ـــــــ ۲۵۳
- دوسرا موقع ـــــــ ۲۵۹
- مجرم کا اعتراف ـــــــ ۲۶۶
- خدا چاہے تو دشمن بھی خیر بن جاتا ہے ـــــــ ۲۶۹
- ایک نابینا کی جرأت ـــــــ ۲۷۱
- لو فکر یہ ـــــــ ۲۷۶
- یزید سے ہدایت طلبی ـــــــ ۲۷۸
- شاہانہ مجلس ـــــــ ۲۸۰
- دخترِ علیؑ نے دربار کو تسخیر کر لیا ـــــــ ۲۸۴
- آپ کا فیصلہ ـــــــ ۲۹۲
- سیاست بدل گئی ـــــــ ۲۹۵
- یہ قافلہ مدینہ واپس پہنچتا ہے ـــــــ ۳۰۲
- مدینہ سوگوار ہے ـــــــ ۳۰۵
- قافلہ کربلا کی سوغات ـــــــ ۳۰۹
- روشن خیال حضرات کے حسینؑ پر اعتراض ـــــــ ۳۱۱
- روشن خیالوں کے لیے روشن جواب ـــــــ ۳۱۳

- تقدس مآب لوگ حسینؑ کے لیے شبہات پیدا کرتے ہیں ـــــــ ۳۱۸
- تقدس مآبوں کو حسینؑ کا جواب ـــــــ ۳۲۲
- ایک چھوٹی سی علمی بحث ـــــــ ۳۲۵
- چند اشعار ـــــــ ۳۲۸

• اسلام اور اسلامی اصولوں کو زندہ کرنے
کے لیے میں اس شہر میں آیا ہوں۔
عدل و آزادی کا نظام قائم کرنے کے
لیے میں مارا مارا پھر رہا ہوں۔
میں یہاں اس لیے آیا ہوں ——
کہ ——
ظالموں اور جابروں کے ——
نظام کو ڈھا کر ——
اور ——
ان کے ظلم و ستم کے محلات کو ویران
کر کے انصاف اور ——
آزادی کو زندہ کروں۔
میں یہاں آیا ہوں
صرف ——
اس لیے کہ ——،
لوگوں کو ظلم کے چنگل سے ——
نجات دلا کر ——
اسلام کو ——
سقوط سے بچاؤں ؟

عرضِ ناشر

زیر نظر کتاب آیت اللہ محمد یزدی کی فارسی تصنیف "بیائید حسین بن علیؑ را بشناسیم" کا اردو ترجمہ ہے۔

دار الثقافۃ الاسلامیہ کی آغاز سے ہی یہ کوشش رہی ہے کہ اردو خوان قارئین خصوصاً نوجوانوں کے لیے ایسا لٹریچر تیار کیا جائے جو اسلام کی حقیقی تعلیمات اور مقاصد کا شارح ہو اور نئی نسل کے لیے حقائق و معارف اسلامی کو سلیس زبان میں پیش کیا جائے نیز اسلامی تاریخ کے واقعات اور تاریخ ساز شخصیات کی سیرت و کردار کو اس طرح پیش کیا جائے کہ دورِ حاضر میں مسلمانانِ عالم ان شخصیات کے کردار و افکار سے آگاہی حاصل کر سکیں اور اسی کی روشنی میں روزمرہ پیش آنے والے انفرادی اور اجتماعی مسائل کو حل کریں۔

یہ کتاب بھی اسی ضرورت اور سوچ کے پیش نظر تیار کی گئی ہے فاضل

مصنف نے اس کتاب میں واقعۂ کربلا کے حقیقی عوامل اور اسباب بیان کرتے ہوئے ان حالات میں امام حسینؑ کے لائحۂ عمل پر بحث کی ہے۔

اس دور کی سیاست اور امامؑ کے لائحۂ عمل کو آسان، عام فہم اور جدید اصطلاحات کے ساتھ پیش کیا ہے۔ کہیں بھی یہ احساس نہیں ہوتا کہ ۱۴۰۰ سال قبل کے کسی تاریخی واقعہ کو بیان کیا جا رہا ہے۔

فاضل مصنف نے کتاب کے مقدمہ میں عزاداریِ امام مظلومؑ کی اہمیت اور اس کے مقاصد پر روشنی ڈالی ہے اور اس سلسلہ میں نہایت تلخ حقائق کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کے تدارک اور عزاداری کے حقیقی مقاصد کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امید ہے محترم قارئین کتاب سے متعلق اپنی آراء و تجاویز سے آگاہ فرمائیں گے۔

"ناشر"

مقدّمہ

وہ خالقِ کائنات بے پایاں تعریف کا سزاوار ہے جس نے زندگی کو اسرار و علوم سے بھر دیا اور اس زندگی کے حامل انسان کو اپنی مخلوقات میں سے سب سے زیادہ اسرار آمیز مخلوق بنایا اور آدمؑ کے سب سے بہترین فرزند محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بے انتہا درود کہ آپؐ نے بھٹکی ہوئی انسانیت کو اس عالمِ نور و سعادت کی راہ دکھائی جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے اور سلام آپؐ کے بارہ جانشینوں پر جن میں سے ہر ایک نے اپنے اپنے دور میں انسانیت کو تباہی کے خطرناک راستوں پر جانے سے بچایا اور سلام خصوصاً آپؐ کے ہونہار فرزند حسین ابنِ علیؑ پر کہ جس نے ظالموں کے خلاف جنگ کو اس کی انتہا تک پہنچایا۔ یہ کتابچہ اسی مبارک نام کی وجہ سے وجود میں آیا۔

آپ کو معلوم ہے کہ آج کے اس دور میں علمی اور اجتماعی کام تجربات اور اعداد و شمار کی بنیاد پر شروع کیے جاتے ہیں اور ان کا صحیح نتیجہ مطلوب ہوتا ہے اور یہ عمل نتیجہ جس قدر واضح اور کامل ہوتا ہے اسی قدر انجام پانے والے کام کی اہمیت و افادیت کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

بچپن میں جو اجتماعی کام میں نے دیکھے ان کا تعلق روضہ یا تعزیے کی مجالس سے ہے۔ ان مجالس کے مناظر کی اولین یادیں ابھی تک میرے قلب و دماغ پر مرتسم ہیں۔

میری طرح اس ملک کے اکثر افراد بچپن میں اس طرح کے مناظر دیکھ چکے ہیں۔ ان دنوں اور اس وقت کے حالات میں روضوں اور تعزیوں کو ہم ایک تماشا اور سرگرمی کے سوا اور کچھ نہیں سمجھتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ ہمارے احساسات اور جذبات بیدار ہوتے چلے گئے اور کبھی کبھی رنجیدہ ہو کر ہم بہت روتے تھے۔

بعد میں گریہ وزاری کے بارے میں ہمیں معلوم ہوا کہ اس کا مطلب اور مقصد کیا ہے؟ ہمارے سامنے وہ مخالف و موافق بحثیں بھی آئیں جو اس موضوع پر دین اور صلاح و فلاح کے نقطۂ نظر سے کی گئی تھیں۔

لیکن آج ہم اس اہم اجتماعی مسئلے پر ذرا تفصیل سے غور کرنا چاہتے ہیں اور اس مسئلے سے متعلق ان باتوں کا جائزہ لینا چاہتے ہیں جن سے سال بھر کے دوران اور خصوصاً محرم اور صفر کے مہینوں میں واسطہ پڑتا رہا ہے۔

ہم اصولی طور پر یہ دیکھنا چاہیں گے کہ اس طرح کی مجالس اور ان مجالس

میں بیان کی جانے والی اس نوع کی باتوں کا اصل مقصد اور ہدف کیا ہے؟

کیا ان اجتماعی مظاہروں، تنظیموں، جلسوں اور روضوں کا کوئی ہدف ہے یا یہ محض ایک رواج ہے جس کے لوگ عادی ہو چکے ہیں؟

محرم و صفر کے ان دو مہینوں میں ملک بھر میں جو شور و ہنگامہ برپا ہوتا ہے جس سے اجتماعی کام متاثر ہوتے ہیں تو آخر اس کا کوئی مقصد اور ہدف بھی ہے؟

ان دو مہینوں کے دوران تمام شہروں، ان کی گلیوں اور شاہراہوں خصوصاً دارالحکومت میں جو اجتماعی جلوس اور سرگرمی نظر آتی ہے اس کا تعلق محض ایک سادہ مذہبی معمول اور بے روح عادت و رسم سے ہے یا اس کے پیچھے کوئی مفہوم اور جاندار نظریہ کارفرما ہے؟

اس موقع پر جو جلسے منعقد ہوتے ہیں، جو عزاداری کی جاتی ہیں اور جو روپیہ اور وقت صرف کیا جاتا ہے اس کا اصل مقصد کیا ہے؟

ان مجالس میں جو قابل احترام اشخاص شریک ہو کر تقریریں کرتے ہیں، اور نوحہ سرائی کرتے ہیں اور خود کو خستہ و بے آرام کرتے ہیں تو اس ساری محنت اور تھکاوٹ کی غرض و غایت کیا ہے؟

مرثیہ خوان جو سارے سال جن کا کام مرثیہ خوانی کے سوا اور کچھ نہیں ہے وہ اس بارے میں کیا کہتے ہیں؟ کیا یہ کام ان کے لیے کم زحمت اور زیادہ آمدنی والا ہے یا زیادہ مشقت اور کم آمدنی والا یا اس کام کا کچھ دوسرا حساب بھی ہے؟

آخر میں ہم یہ جاننا چاہیں گے کہ یہ حسین ابن علی علیہ السلام کون ہے جس کی وجہ سے یہ سارا شور اور ہنگامہ برپا ہوتا رہتا ہے اور وہ اپنی زندگی

میں کس ہدف اور مقصد کے لیے جدوجہد کرتا رہا ہے؟

———— ☼ ————

بات جب یہ طے پائی کہ کام کو تجرباتی انداز میں شروع کر کے صحیح نتیجہ حاصل کیا جائے تو یہ مناسب ہوگا کہ ہم ان لوگوں سے فرداً فرداً رابطہ قائم کریں جو بڑی سرگرمی کے ساتھ اس قسم کی مجالس ترتیب دیتے ہیں اور تنظیمیں قائم کرتے ہیں۔ کسی بھی مجلس کے تین اہم رکن ہوتے ہیں:

(۱) ——— مجلس کا اہتمام کرنے والے۔ (بانیٔ مجلس)
(۲) ——— مجلس میں شرکت کرنے والے (سامعین)
(۳) ——— مجلس کا سربراہ (خطیب)

مجلس کا اہتمام کرنیوالے (بانیٔ مجلس)

سب سے پہلے ہم مجالس کے منتظمین سے بات کرتے ہیں جو شہروں میں محلات سے لے کر دیہات کی جھونپڑیوں تک مجلس برپا کرنے کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان کے نظریات وخیالات سے آگاہی حاصل کر کے اعداد و شمار کے ذریعے کسی نتیجہ پر پہنچنا مناسب رہے گا۔

ہم نے صفِ اوّل کی ایک شخصیت سے رابطہ قائم کیا اور ان سے دریافت کیا:

"جناب! آپ یہ جو مرثیہ خوانی کی مجلسیں ترتیب دیتے ہیں تو اس سے آپ کی غرض وغایت کیا ہوتی ہے؟"

تو وہ جواب میں فرماتے ہیں:

"ایران ایک اسلامی مملکت ہے۔ اس ملک میں

تشیع کو غلبہ اور اکثریت حاصل ہے۔ اس سرزمین کا رسمی مذہب مذہبِ جعفری ہے۔ خصوصاً ان ایام میں جبکہ پورے ملک کے لوگ سوگوار ہیں اور جگہ جگہ مرثیہ خوانی کی مجالس منعقد ہو رہی ہیں۔ اس مملکت کے ہر مقام میں واقع اداروں اور انجمنوں کو بھی اس سرگرمی میں حصہ لینا چاہیے۔ ہر ملک کے رہنما اور بااثر لوگ اپنی ملت کی خوشی وغم میں برابر کے شریک ہوتے ہیں اور یہی دستور ہے۔"

بس یہ خلاصہ اور روح ہے اس بات کی جو مجالس کے منتظمین نے ہمارے اس سوال کے جواب میں کہی ہے۔ الفاظ اور عبارت کے کم وبیش اختلاف کے ساتھ مختلف شخصیتوں نے تقریباً یہی جواب دیا ہے۔

آپ اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ اس طرح کی مجالس میں کس طرح کے مضامین بیان کیے جاتے ہیں۔ اگر واعظ رونے رلانے سے بالاتر ہو کر حسینؑ کی سیرت، حسینؑ کے افکار، حسینؑ کے اخلاق اور حسینؑ کے مقدس ہدف کا ذکر کرتا ہے تو ممکن ہے سامعین اکتانے لگیں اور مجلس میں بے چینی پھیلانے کا سبب بنیں ———!

اس ساری بحث کا جو نتیجہ اعداد و شمار کی صورت میں سامنے آتا ہے وہ یہ ہے:

"نوّے فیصد محض رسومات اور تکلفات

اور

حسین ابن علیؑ کے ساتھ تعلق صرف دس فیصد!"

اب ہم ایک دوسرے طبقے کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ یہ معززین اور شرفا ہیں جو صنعت و دول سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم ان کی مجالس کی وضع قطع کو زیر بحث نہیں لائیں گے کیونکہ یہ ہمارا مقصد نہیں ہے۔ آپ خود ان محلات میں منعقد ہونے والی مجلسوں کا تصور اپنے ذہن میں قائم کر سکتے ہیں۔

ہم نے اس طبقے سے تعلق رکھنے والے ایک معزز سے پوچھا:

"آپ مرثیہ خوانی کا اہتمام کیوں کرتے ہیں؟ ان مجالس کی تشکیل سے آپ کا مقصد کیا ہے؟"

اگر معززین کی بڑی عزت کی جائے اور وہ ناراض نہ ہوں تو ہمارے اس سوال کے جواب میں وہ کچھ اس طرح کی باتیں ارشاد فرمائیں گے:

"کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ ہم بھی حسینؑ بن علیؑ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ہم بھی تمام مسلمانوں اور اہل تشیع کی طرح سوگواری کے ان ایام میں مجالس کا اہتمام کرتے ہیں تاکہ اسی طرح سے حسینؑ کی محبت میں دلی جذبات کا اظہار کر سکیں۔"

ان مجالس میں بھی حسینؑ کی تعلیم و تربیت کے عظیم مکتب اور آپ کی پاکیزہ زندگی کے طور طریقوں کا کوئی ذکر نہیں ہونا چاہیے کیونکہ خواتین و مرد تمام سامعین بے مزہ ہوں گے۔ اگر وہ اپنی بدمزگی کا اظہار زبان سے نہیں کریں گے تو دل ہی دل میں ضرور اس کا گلہ کریں گے۔

خطیب اور مرثیہ خوان کو بھی بڑی "استادی" اور مہارت سے کام لینا پڑتا ہے۔ وہ عجیب و غریب مصائب اور رنگارنگ مضامین کو درویشوں اور عارفوں کے ارشادات میں لپیٹ کر، اور خوش لحنی کے ساتھ موقع بہ موقع

اشعار سنا کر پیش کرتا ہے اور حسین بن علیؑ کے مقصد اور بعثت سے تعلق رکھنے والی باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔

اس کا نتیجہ اعداد و شمار کی صورت میں کچھ اس طرح سامنے آتا ہے:

• ستر فیصد ماحول کا دباؤ اور زمانہ سازی
حسین بن علیؑ کے ساتھ تعلق: تیس فی صد

معززین اور شرفا کے طبقے سے نکل کر اب ہم متقدر اور سرمایہ دار افراد سے رابطہ قائم کرتے ہیں اور ان سے پوچھتے ہیں:

"جناب! آپ کی جانب سے مرثیہ خوانی اور محفلوں کے انعقاد کا مقصد کیا ہوتا ہے؟"

ان کی جانب سے کچھ اس طرح کا جواب ملتا ہے:

"شیعیانِ حسینؑ کا یہ فرض ہے کہ امامؑ کی یاد میں جلسے کریں۔ آج ہم حسینؑ کی اسی طرح مدد کر سکتے ہیں اور حسینؑ اور مکتب حسینؑ سے دنیا کو روشناس کرا سکتے ہیں۔ ان ہی مجلسوں کے ذریعہ دین مقدس اسلام کی تبلیغ اور ترویج ہوتی ہے۔"

اس جواب کا مدعا یہ ہے۔ چونکہ ان کے احباب اور ساتھی مرثیہ خوانی کرتے ہیں اس لیے انھیں بھی اس کا اہتمام کرنا ہے۔ احباب، اعزا ٹیلی ویژن رکھتے ہیں، ریڈیو رکھتے ہیں۔ اس لیے یہ چیزیں ان کے پاس بھی ہونی چاہییں۔ وہ گرمی کا موسم گزارنے کے لیے باغ رکھتے ہیں، جدید ماڈل کی کار رکھتے ہیں، اس لیے انھیں بھی رکھنی چاہیے اور مالی حالت کا خیال نہیں کرنا چاہیے۔ اسی طرح احباب و رفقا مرثیہ خوانیاں کرتے ہیں اس لیے ان پر بھی لازم ہے کہ ان کا اہتمام کریں۔

اس جواب کا مدعا یہ ہے کہ ان کے احباب اور ساتھی مرثیہ خوانی کرتے ہیں اس لیے انھیں بھی مرثیہ خوانی کرنی چاہیے!

اسلام ان لوگوں کی مجالس مرثیہ خوانی میں اسلامی زندگی کی راہ و رسم اور اخلاقی ضابطوں کی کوئی بات نہیں ہونی چاہیے۔ خصوصاً تجارت اور لین دین سے متعلق اسلامی احکام زبان پر نہیں لانے چاہئیں! ان کے گھر دفتر اور بازار کے طور طریقوں کے بارے میں زبان نہیں کھولنی چاہیے۔ معاملات سے متعلق اسلامی احکام جیسے سود اور سود خوری۔ اس کا نام بھی نہیں لینا چاہیے کیونکہ ان کے بازار میں ایسی ہی تمام باتوں کا چلن ہے!

اس جائزے کا نتیجہ یہ نکلتا ہے:

"ستر فیصد ماحول، احباب اور خاندان کا لحاظ۔
مرثیہ خوانی کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے۔ اور
حسین ابن علیؑ کے ساتھ تعلق تیس فیصد۔"

اب ہم اپنے معاشرے کے ایک دوسرے طبقے میں پہنچتے ہیں اور سوال کرتے ہیں۔

"جناب آپ مرثیہ خوانی کی مجلس کیوں برپا کرتے ہیں؟ آپ کی مالی حالت تو کچھ زیادہ اچھی نہیں ہے، خدا نے آپ سے اس کا مطالبہ نہیں کیا ہے۔ جو چراغ کسی گھر میں جل رہا ہے مسجد کے لیے حرام ہے۔ مرثیہ خوانی پر آپ جو کچھ صرف کرتے ہیں اسے اپنی ضروریات پر خرچ کریں۔"

اس طبقے کا بالعموم جواب یہ ہوتا ہے:

"آبا و اجداد کی طرف سے ہمیں جو ترکہ ملا ہے، بہتر ہے کہ وہ مرثیہ خوانی پر صرف ہو۔ اس ترکے کے ہم نگران ہیں۔ اس کام کے لیے جو بجٹ مقرر ہے اسی کے ذریعہ ہم اس مجلس کا اہتمام کرتے ہیں۔"

یہ بات ظاہر ہے کہ اس طبقے کے لوگ جو مجالس منعقد کرتے ہیں ان میں ہر قسم کی باتیں منبر سے کہی جاتی ہیں لیکن وقف اور اس کے سلسلے میں اسلام کے احکام کو زبان پر نہیں لایا جاتا اور شریعت کے خلاف وقف میں تصرفات کے موضوع کو نہیں چھیڑا جاتا۔ ترکے میں کی بے ضابطگی اور وقف خوری کے نقصانات کی بات ان کی طبیعت پر ناگوار ہوتی ہے اس لیے یہ کوئی بات نہیں کی جاتی۔ اس کے برعکس تشکر و تحسین کی جاتی ہے کہ یہ لوگ ان حالات میں اس قدر وقف کے تقاضوں کو پورا کر رہے ہیں۔

اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے:

"وقف کے ضابطوں کی محض خانہ پری کے لیے
پابندی: اسی فیصد۔ حسینؑ کے حقیقی مکتب سے
وابستگی حتیٰ کہ شعبۂ اوقاف میں بھی صرف
بیس فیصد۔"

اس طبقے سے ملاکر اب ہم متوسط طبقوں خصوصاً دیہات کے باشندوں میں جاتے ہیں، یہ ہفتہ وار زنانہ و مردانہ مجالس مرثیہ منعقد کرنے والوں سے ملتے ہیں اور ان سے پوچھتے ہیں:

"آپ لوگ یہ مرثیہ خوانی کیوں کرتے ہیں؟"

تو بالعموم ان کا جواب یہ ہوتا ہے:

"ہم اپنی مصیبتوں کے ٹلنے اور بیماروں کی صحتیابی
کے لیے نذر مانتے ہیں۔ مرثیہ خوانی اور مجالس
توسل کا برپا کرنا ہمارے گھر اور ہماری زندگی میں
برکت کا سبب بنے گا۔"

بعض لوگوں کے نزدیک مرثیہ اور مجلس توسل نیک شگون کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ ان مجالس میں بحث و گفتگو نہیں ہوتی۔ صرف چند قطعات شعر یا نثر خوش الحانی کے ساتھ پڑھی جاتی ہے تاکہ سامعین گریہ کریں اور استفادہ کر سکیں۔ خواہ وہ اپنی شکایت در مصیبتوں ہی پر کیوں نہ رو لیں۔ مجلس بیان کرنے والے کو ایسی باتیں کہنی چاہئیں کہ سامعین کو رونا آجائے یا اہلِ فن کی زبان میں:

"مجلس پر چھا جائے۔"

اور بعض کے نزدیک صدائے گریہ ابا عبد اللہؑ کی قبر تک پہنچ جائے۔

اس مجلس میں تربیت کی بات کرنے کا کوئی موقع نہیں۔ احکام و اخلاق اسلامی کے ذکر کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ بحث و گفتگو کی جگہ نہیں ہے آخر ہر کام کا کوئی طریقہ ہوتا ہے۔ اس کام کو اسی طریقہ سے کیا جانا چاہیے تاکہ مطلوبہ نتیجہ حاصل ہو۔ توسلات کے لیے مخصوص مواقع اور حالات ہوتے ہیں۔ ان مواقع پر لیکچروں کی گنجائش نہیں ہوتی۔ یہاں اشعار، اچھی آواز اور "فن کاری" کی ضرورت ہے۔

نتیجہ: اسی فیصد توسلات کے نام پر جلسے
منعقد کرنا، اندھے پن کا اور کبھی بے فائدہ۔ البتہ

بیس فیصد توسلات مشروع ہوتے ہیں لیکن
بنیادی باتوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔"

یہ تھا خلاصہ ان جوابات کا جو عام طبقات سے تعلق رکھنے والے بانیانِ مجالس کی طرف سے دیے جاتے ہیں۔

البتہ ان طبقات میں ہمارا سابقہ ایسے افراد سے بھی پڑتا ہے جو اصل مضامین اور مطالب سے بخوبی واقف ہوتے ہیں اور اصل نتیجہ پر ان کی نظر ہوتی ہے، اور وہ معقول توجیہات اور بنیادی جوابات دیتے ہیں۔

یہ لوگ کہتے ہیں:

"یہ مجالس ہماری تبلیغات کے ذرائع ہیں۔ ان مجلسوں کے ذریعے ہمیں اسلام اور معارفِ اسلام سے شناسائی حاصل کرنی چاہیے۔ حسینؑ کے نام پر جمع ہو کر حسینؑ کی زندگی اور حسینؑ کے باپ دادا کی زندگی کی راہ و رسم سے واقفیت حاصل کی جانی چاہیے۔ ہم حسینؑ کے نام پر ان مجالس کو برپا کرتے ہیں تاکہ حسینؑ کے تعلیمی و تربیتی مکتب سے استفادہ کریں اور اسلام و قرآن کی راہ میں ان کی فداکاری سے سبق سیکھیں اور حق و آزادی کی راہ میں ظالموں کے خلاف جنگ کا درس حاصل کریں اور اس طریقے سے خدا اور اس کی کتابِ مقدس کے قریب ہو جائیں۔"

یہ بات درست ہے کہ اس طرح کا صحیح جواب دینے والے لوگ بھی موجود ہیں لیکن ان کا تعلق ایک ناقابلِ ذکر انتہائی چھوٹی اقلیت سے ہے۔ یہ لوگ ان لوگوں کی نسبت بہت کم ہیں جن کے جوابات ہم نے اوپر نقل کیے ہیں۔

ہم نے مجالس عزا کے بانیان اور منتظمین کا جو جائزہ لیا ہے اُس کی رو سے اوسطاً ستر فی صد اصل ہدف سے منحرف نظر آتے ہیں اور صرف تیس فیصد مقصد سے آشنا ہیں۔

مجلس میں شرکت کرنے والے (سامعین)

اب ذرا سامعین کا بھی جائزہ لیں۔ ان مجالس میں شرکت کرنے والوں سے بھی دریافت کریں جو کچھ وہ دل میں رکھتے ہیں اور بہت کم زبان پر لاتے ہیں، اسے بھی اس بحث میں شامل کریں۔

ہم ان سامعین کے بارے میں گفتگو نہیں کریں گے جو طبقۂ اول اور دوم کی مجالس میں شرکت کرتے ہیں۔ آپ خود بہتر جانتے ہیں کہ یہ سامعین ان محفلوں میں کیوں جاتے ہیں؟ یہی حال ان مجالس کے بانیان کا ہے۔ ستر فیصد پر تو ماحول کا دباؤ ہے جو ان سامعین کو ان کی مجالس میں لے جاتا ہے۔ ان کے جوابات کا خلاصہ بھی یہی ہے۔

زندگی کی سیاست، کام کا ماحول، رفاقت کا ماحول، خاندان کا ماحول، دوستی اور ہمسائیگی کا ماحول اسی طرح کے دوسرے عوامل ہیں جو ان مجالس مرثیہ میں لوگوں کی شرکت کے اصل محرک ہیں۔ ان میں صرف دس فیصد ایسے سامعین ہوں گے جو حسینؑ سے تعلق کی بنا پر تربیتی مرکز سے استفادہ کرنے اور اسلامی معارف سے آشنا ہونے کے لیے ان مجالس میں شرکت کرتے ہوں۔

ان دو طبقوں کی مجالس کے سامعین کے نقطۂ نظر میں نے بعض جوابات جو سُنے ہیں اور بعض مناظر جو میں نے دیکھے ہیں ان سے آنکھیں بند کر کے میں

یہ نہیں کہتا کہ لوگ بچوں کی طرح محض تماشہ بینی کے لیے، وقت گزارنے کے لیے، چائے پینے کے لیے، دوستوں سے گپ مارنے کے لیے اور دوسری وجوہ کی بنا پر مجالس میں شرکت کرتے ہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں وہ حسین ابن علیؑ کے احترام میں، ایام سوگواری کے سبب، ہمسایہ کی وجہ سے یا رفاقت اور عزیزداری کے حق کی بنا پر اور کبھی روحی و معنوی استفادہ کی خاطر ان جلسوں میں شرکت کرتے ہیں۔

اگر آپ ان جلسوں کے سامعین سے دریافت کریں کہ:

"خطیب کون تھا؟

اور ____

اس نے کیا کہا ____؟"

تو سو میں سے نوّے ان سوالات کا جواب نہیں دے سکیں گے۔ اگر ان میں سے کوئی بہت ہی سمجھنے والا ہوا تو وہ صرف یہ کہے گا کہ:

"ہاں جناب بڑی اچھی تقریر تھی۔ خطیب نے بڑے اچھے مضامین بیان کیے۔ میں یہ تو نہیں بتا سکتا کہ خطیب نے کیا کہا لیکن اتنا جانتا ہوں کہ بڑی پُرمغز باتیں تھیں۔"

وہ صرف خطیب کے بیان کردہ کسی قصے اور لطیفے کو دہرائے گا۔

یہ ہے ان سامعین کی حالت جو طبقۂ دوم اور سوم کی تشکیل دادہ مجالس میں شرکت کرتے ہیں۔

اسی طرح ہفتہ وار منعقد ہونے والی مجالس زنانہ و مردانہ کے سامعین کا حال بھی کچھ یوں دلخراش ہے۔ کسی بات کے سننے کی کوئی ضرورت نہیں، وہ

ذکر کی ایسی بحث کی جائے جس سے وہ استفادہ کریں فقط ایسے اشعار اور
فقرے ہی نہیں جو گریہ آور ہوں۔ خطیب پر بھی گریہ طاری ہو اور کبھی دل کی
بیماریوں کی وجہ سے وہ کمزوری اور غشی کا شکار ہو جائے۔

یہ ہے ہمارے سامعین کی حالت!

البتہ ایسے سامعین بھی ہیں جو روشن فکر، بیدار اور پوری طرح متوجہ
رہتے ہیں لیکن ان کی تعداد بہت کم اور ان کا تناسب ناقابلِ ذکر ہے۔

اسّی فیصد سامعین کا تعلق پہلی قسم کے سامعین
سے ہے اور بیس فیصد سامعین اس دوسری
قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس نکتہ کی طرف بھی میں آپ کی توجہ مبذول کرا دوں کہ اگر ہم مجالس
مرثیہ اور ان کے سامعین کے بارے میں اعداد و شمار جمع کریں تو ہمیں یہ معلوم
ہوگا کہ ان میں سے ستر اور اسّی فیصد بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں ہوتی ہیں
اور اکثریت عام آدمیوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ نئی نسل سے تعلق رکھنے والے تعلیم یافتہ
نوجوانوں کی تعداد تیس فیصد سے زیادہ نہیں ہوتی۔

اس کا سبب کیا ہے —— اور —— گناہ کس کی گردن پر
عائد ہوتا ہے؟

اس کتابچہ میں یہ مسئلہ بھی روشن ہوتا چلا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

مجالس کا سربراہ (خطیب)

اب ذرا آئیے بیان کرنے والوں کا پتہ لگائیں۔ یعنی آپ کے اہلِ منبر
اور مرثیہ خوانوں سے پوچھیں۔

"آپ کیوں منبر پر جاتے ہیں اور مجلس پڑھتے ہیں؟
امداد و فریاد بھی کرتے ہیں اور حق کے اصولِ
صحت کے خلاف خود پر بڑا زور اور دباؤ بھی
ڈالتے ہیں؟

بحث کے اس حصے پر ہم بہت ہی مختصر گفتگو کریں گے۔
ہمارے بیان کرنے والوں، اہلِ منبر یا مرثیہ خوانوں کے دو طبقے ہیں
یہ تعبیر ان کے تمام درجات سے تعلق رکھتی ہے، درجہ اوّل کے ایک مقرر
سے لے کر اس مرثیہ خوان تک جو صرف زنانہ مجالس میں شرکت کرتا ہے۔

(آ) —— درجہ اوّل سے تعلق رکھنے والے فرد وہ ہیں جنہوں نے
ابتدا ہی سے اپنی تربیت کی ہے، وہ تقویٰ و پاکدامنی
کی روح کے حامل رہے، دینی شرعی و دینی ذمہ داری
کو محسوس کرتے ہوئے مجالس میں شرکت کرتے
رہے ہیں اور حتی الامکان پورے احساس ذمہ داری
کے ساتھ اپنا فرض ادا کرتے ہیں۔ اس صنف سے تعلق
رکھنے والا خطیب یا اہلِ منبر یا مرثیہ خوان محلات میں
منعقد ہونے والے جلسوں میں شرکت کرے یا شرفا
یا اعیان کہلانے والے معززین کے گھروں میں برپا ہونے
والی مجالس سے خطاب کرے یا وقت کی مجالس اور
زنانہ و مردانہ مفت دار مجالس میں تقریر کرے، وہ ہر جگہ
مجالس کی مناسبت سے شرعی احکام کو بیان کرتا ہے اور
معارفِ اسلامی کی تشریح کرتا ہے۔ وہ اس بات کی پوری

کوشش کرتا ہے کہ حسینؑ کے مقدس ہدف کو بیان کرے اور لوگوں کو امامؑ کے مقصد کی روح سے آشنا کرے، وہ سامعین یا بانیانِ مجلس کی خوشی و ناخوشی کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ صرف اپنے شرعی فریضے کو ادا کرنا چاہتا ہے وہ اپنی دینی ذمہ داری کو محسوس کرتا ہے اور خدا کو رزق رساں سمجھتا ہے۔ اسے اس بات سے کوئی غرض نہیں ہوتی کہ لوگ اس کی تقریر سے خوش ہو رہے ہیں یا نہیں اسے زیادہ رقم دیں گے یا کم۔ اسے بس اپنے فرض کی ادائیگی کا خیال دامن گیر رہتا ہے۔

خطیبوں، اہل منبر اور مرثیہ خوانوں کا یہ طبقہ ہمیشہ ایک حال پر قائم رہتا ہے اور ہر روز ایک نیا رنگ نہیں اختیار کرتا اور کوشش ایک آبرومندانہ زندگی بسر کرتا ہے۔ لوگ اس کے بارے میں چاہے کچھ بھی کہتے رہیں اور اس سے جو بھی توقعات چاہیں باندھیں، وہ خود کو دین کا ترجمان سمجھتا ہے اور اس نے خود کو دینی حقائق بیان کرنے کے لیے پوری طرح تیار کر رکھا ہے۔ اس کی تقریر صحیح دینی مطالب پر مشتمل ہوتی ہے۔ وہ منبر پر کھڑے ہو کر معارف اسلامی بیان کرتا ہے۔ وہ مرثیہ پڑھتا ہے یا اشعار سناتا ہے تو وہ مسلمہ صحیح شرعی موضوعات پر مشتمل ہوتے ہیں وہ کسی جگہ بھی ممنوعہ حدود شرعیہ سے تجاوز نہیں کرتا۔ سیاست، دھمکیاں، ترغیبات، دوستیاں اور تعلقات، بس طبقۂ

اوّل سے تعلق رکھنے والے کسی بھی خطیب کو متاثر کر کے اسے صحیح راستے سے نہیں ہٹا سکتے۔

ایک ایسا مقرر ہمیشہ اپنی نگاہیں رب العالمین کی طرف لگائے رکھتا ہے۔ ہو نق و مخالف ماحول اور محرومیوں کا جرأت کے ساتھ سامنا کرتا ہے اور حقیقتاً خدا کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے اس نے ایک عمر گزار دی ہے۔ وہ دوسروں کو روشنی فراہم کرنے اور راستہ دکھانے کے لیے ایک شمع کی طرح جلتا رہتا ہے۔

جو کچھ ہم نے کہا وہ دعویٰ نہیں ہے بلکہ صد فی صد تجربے کی بنا پر کہا گیا ہے ہم ایک ایک شخص پر نظر رکھ کر ان کی زندگی کی تاریخ آپ کو بتا سکتے ہیں اور ان کی مادی و مالی حالت ایک ایک میں بیان کر سکتے ہیں۔

(۲) —— دوسرے طبقے سے تعلق رکھنے والے مقررین، اہل منبر اور مرثیہ خوان وہ ہیں جنہوں نے پہلے سے اپنی تربیت نہیں کی ہے۔ تقویٰ اور فضیلت کی رو سے بہت کم بہرہ مند ہیں۔ ہم انہیں خود رو خطیب سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کا حال بھی مختصراً بتائیں گے۔

یہ خود رو خطیب، بے باس، وضع قطع و رسموں کی بنا پر ایک حد کے اندر رہنے کی کوشش کرتے ہیں ورنہ مجلس و منبر تو ان کے لیے صرف دکان ہے اور دوکان داری کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ اس طبقے سے تعلق رکھنے والے

نوّے فی صد افراد ان پڑھ، جاہل، خود پسند، اخلاقی زوال کا شکار ہیں اور کبھی تو یہ ہر چیز سے بے پرواہ زندگی گزارتے ہیں!

میں نے خود ایسے لوگوں کو دیکھا ہے اور انھیں جانتا ہوں کہ ان کا پیشہ روئی دھنکنا، کپڑے سینا یا کسی سنار کی شاگردی کرنا ہے لیکن یہی لوگ محرم و صفر کے دنوں میں لباس بدل کر ایک خطیب اور اپنی دانست میں باقاعدہ اہلِ منبر بن جاتے ہیں۔!

البتہ ان میں سے دس فیصد ایسے لوگوں کی نشاندہی کی جا سکتی ہے جو اپنی ناخواندگی و جہالت و ردِ حسی آمدنی کے باوجود خطرناک مطالب بیان کرنے اور بڑے کام انجام دینے سے احتراز کرتے ہیں اور اس ذریعہ سے صرف اس قدر حاصل کر لیتے ہیں جو زندہ رہنے کے لیے کافی ہو۔

یہ ہے وہ مختصر جائزہ جو ہم نے خطباء، اہلِ منبر اور مرثیہ خوانوں کا لیا ہے، تعداد کے اعتبار سے نہیں بلکہ اکثریت کی رو سے، اس کا نتیجہ جو سامنے آتا ہے وہ یہ ہے:

"مجالسِ عزا کے اسّی فیصد مقررین اصل ہدف سے آشنا ہیں اور بیس فیصد ناآشنا۔"

جو کچھ ہم نے ٹھیک ٹھیک حساب لگا کر کہا ہے اس کی بنیاد پر منتظمین کے اعتبار سے بانیانِ مجالس ۷۰ فیصد، سامعین ۷۵ فیصد، ذاکرین بیس فیصد اصل ہدف سے منحرف ہیں اور حقیقی نصب العین اور

مقصد سے آشنا نہیں ہیں۔

لوگ کہتے ہیں ان باتوں سے تمھارا مقصد کیا ہے۔ تم نے منحرف کا لفظ استعمال کر کے مجالس کے بانیان کی اہانت کی ہے اور خطباء و سامعین کی شان میں گستاخی کی ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ اگر مجالس اپنی اس گئی گزری حالت کے ساتھ بھی موجود نہ ہوتیں تو کیا کچھ ہو جاتا اور لوگوں کی دینی شعور کی حالت کس زوال تک پہنچ جاتی؟

کیا تمھیں معلوم نہیں کہ آج لوگ جو کچھ دینی شعور رکھتے ہیں وہ مرثیہ خوانی کی ان ہی مجالس اور اسی تعزیہ داری اور ان ہی تنظیموں کی وجہ سے ہے۔

کیا تم ان اثرات سے ناواقف ہو جو یہ مذہبی جلوس لوگوں کی روح اور ذہن پر مرتب کرتے ہیں، اور یہی مجالس دین کی تشریح، تبلیغ و ترویج کا سبب بنتی ہیں۔

جی ہاں آپ نے بالکل درست ارشاد فرمایا ـــــ ہم بھی اس بات کے منکر نہیں ہیں، ہم نے مجالس کے بانیان، خطیبوں اور سامعین کی شان میں کوئی گستاخی نہیں کی ہے۔

ہمارا کہنا صرف یہ ہے کہ اس اہم دینی و اجتماعی کام کے اثرات و نتائج زیادہ ہونے چاہئیں جس معاملہ کا تعلق لوگوں سے ہے۔ بقول آپ کے وہ دین کی تشریح و تبلیغ کا ذریعہ ہے تو پھر اس میں کم سے کم انحراف بھی برداشت نہیں کیا جانا چاہیے کجا کہ بہت زیادہ انحراف کو روا رکھا جائے۔ جو بتدریج اصل ہدف کو نظروں سے اوجھل کر دے اور اس کے نتیجے میں محض سادہ و بے روح رسومات باقی رہ جائیں۔ استکبار اور استعمار کے آلۂ کار اپنے خفیہ ہاتھوں کے ذریعے ایسی صورت حال پیدا کرنا

چاہتے ہیں کہ کچھ باقی ہی نہ رہے۔

ہم کہتے ہیں کہ ان جلسوں کا اصل مقصد اور ہدف نام و نمود اور شہرت نہیں ہے۔

حسین بن علیؑ کی شہادت کا فلسفہ کسی جگہ جمع ہو جانا، کہنا اور سننا نہیں ہے ——— اور ——— پھر اپنی اسی راہ و رسم پر قائم رہنا نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں:

"حسین ابن علیؑ کی شہادت، گریہ و زاری کے لیے، چیخنے اور چلانے کے لیے اور کبھی غش کھا جانے اور ضعف کے لیے نہیں ہے ——"

ہم گریہ کے منکر نہیں ہیں، ممکن ہے گریہ و ثواب پر بھی ہم آگے چل کر گفتگو کریں لیکن ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ اصل ہدف اور شہادت اور اسیری کا فلسفہ گریہ نہیں ہے۔

ہم کہتے ہیں:

"اگر محلوں میں رہنے والوں کی یہ بات درست ہے کہ یہ اسلامی مملکت ہے اور یہاں کے رہنے والے مسلمان ہیں، اس لیے انھیں مرثیہ خوانی کرنی چاہیے تو پھر ہم یہ پوچھیں گے کہ یہ ملک صرف مرثیہ خوانی ہی کے لیے کیوں اسلامی ہے؟ اور اس ملک کے باشندے

صرف مرثیہ پڑھنے اور مجلس میں آنے کے لیے ہی کیوں مسلمان ہیں؟

اس مملکت کے شرفا اور معززین کا یہ ارشاد ہے کہ وہ مسلمان ہیں اس لیے تمام مسلمانوں کی طرح ان کا بھی یہ فرض ہے کہ سوگواری کے جلسوں کا اہتمام کریں۔ ہم پوچھتے ہیں کہ وہ صرف سوگواری اور ماتم کے اس معاملے ہی میں کیوں مسلمان بن جاتے ہیں؟

یہ الحاج و شرفا حسین بن علیؑ سے تعلق کے دعویدار ہیں اور بقول ان کے خدا کے دین کو حسینؑ کے نام پر زندہ رہنا چاہیے تو پھر وہ کیوں کوچہ و بازار میں لین دین کے وقت خدا کے دین کو زندہ نہیں کرتے اور صرف یاری حسینؑ کا شور کیوں مچاتے رہتے ہیں؟

ہم کہتے ہیں کہ:

"حسینؑ سے تعلق رکھنے والے جو لوگ اپنے باپ دادا کے وقت سے مرثیہ خوانی کا اہتمام کرتے ہیں وہ اوقاف کے وسائل میں اس قدر بے رحمی سے خورد برد کیوں کرتے ہیں؟"

ہمارا کہنا ہے کہ زنانہ و مردانہ ہفتہ وار مجالس اگر توسل کی خاطر اور حسینؑ اور خاندان پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تعلق ظاہر کرنے کے لیے ہیں تو پھر موقع بے موقع ادھر ادھر یہ جو مناظر دیکھنے اور سننے میں آتے ہیں ——— کیا ہیں؟

بالآخر ہم پوری شدت کے ساتھ یہ کہتے ہیں کہ عزاداری و مرثیہ خوانی کا اصل مقصد خود کو مسلمان اور حسینؑ سے وابستہ ظاہر کرنا ہی نہیں

بلکہ اسلام اور حسین سے تعلق کا اظہار تو زندگی کے تمام شعبوں میں ہونا چاہیے۔

ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ شہادت حسینؑ کا فلسفہ خود کو مجلس کا بانی ظاہر کرنا اور مقرر کا چرب زبانی کرنا اور سامعین کو خوش کرنا نہیں ہے۔ حسین ابن علیؑ گریہ کے لیے شہید نہیں ہوئے تھے اور ان کے اہل وعیال اس لیے اسیر نہیں ہوئے کہ عورتیں نالہ و فریاد کریں اور غش کھائیں۔

مجلس کوئی کافی ہاؤس اور قہوہ خانہ نہیں ہے۔ محفل مرثیہ تفریح اور وقت گزارنے کی مجلس نہیں ہے۔ مجلس شب نشینی کا نام نہیں ہے۔

میں پھر صاف صاف کہتا ہوں کہ حسین بن علیؑ چند افراد کی زندگی کے لیے قتل نہیں ہوئے۔

حسین ابن علیؑ کا ہدف ایک بلند اور مقدس ہدف تھا اور یہ موضوع اس سے بہت بلند ہے جیسا کہ ہم عام طور پر خیال کرتے ہیں۔ حسینؑ کی مقدس شخصیت اس سے بدرجہا بلند ہے جیسا کہ عام طور پر لوگ اس کے بارے میں فکر کرتے ہیں اور تذکرہ کرتے ہیں اور بلاشبہ ان کی جانبازی اور فداکاری اور اس کے اصل ہدف کا موضوع اس سے بہت بلند تر ہے جیسا کہ ہم خیال کرتے ہیں۔

یہ بات ایسی نہیں ہے کہ حسین ابن علیؑ ایک ضعیف اور ناتواں سردار تھا۔ اس کا محاصرہ کر لیا گیا اور تشنہ لبی کے عالم میں اس کا سر تن سے جدا کر دیا گیا اور اس کے اہل وعیال کو قیدی بنا لیا گیا

اور اب ہمیں بس ان مظالم پر روتے رہنا چاہیے جو حسین کے اہل وعیال پر ظالموں کی طرف سے روا رکھے گئے۔

آلِ عصمت کے قیدی صرف ضعیف اور بے بس عورتیں اور بچے نہیں تھے کہ انھیں فرنگی اور رومی قیدیوں کی طرح ذلت سے گھسیٹا گیا ہو اور آج ہماری عورتیں کوفہ کی عورتوں کی طرح ان کے لیے روئیں۔

ہمارا کہنا یہ ہے کہ خطبا اور مرثیہ خوان حسین ابن علیؑ کو زیادہ سے زیادہ اور بہتر طریقے سے متعارف کرائیں اور ان کے اصل ہدف کی لوگوں کے سامنے بہتر تشریح کریں۔

مجالس کے سامعین کو صرف آنسو کے چند قطروں کا فائدہ اٹھانے پر قناعت نہیں کرنی چاہیے بلکہ وہ تربیتی مسائل پر بھی توجہ دیں اور روحانی اور اخلاقی تکمیل کے لیے بھی کوشش کریں۔

مختصر یہ کہ مجالس کے بانیان مقررین اور سامعین سب حسین ابن علیؑ کا بہتر سے بہتر تعارف حاصل کریں۔ ان کے اصل ہدف سے نزدیک تر ہوں اور عملاً حضرتؑ کے معاون و مددگار بنیں اور غریب الوطنی میں بلند ہونے والی ان کی پکار کا جواب صرف مجالس میں نہ دیں بلکہ گھروں میں، کوچہ و بازار میں، دفاتر میں اور زندگی کے تمام شعبوں میں دیں۔

حسینؑ اپنے رقیب اور طرفداروں کو خوب پہچانتا ہے سنہ ۶۱ھ کی دسویں محرم کو صبح سے ظہر تک وہ انھیں پوری طرح آزما چکا ہے اگر وہ رفاقت و نصرت طلب کرتا ہے اور کہتا ہے۔

"ھل من ناصر ینصرنی وھل

من معین یعیننی وھل من

ذاب یذب عن حرم رسول اللہ ؐ

تو اس نے یہ کہہ کر یزید کے طرفداروں کو نہیں پکارا کہ وہ حرم کا دفاع کریں۔ حسینؑ کی یہ پکار اس وقت سے لے کر آج تک خود اس کے اپنے طرف داروں کے لیے ہے کہ وہ اٹھیں، خدا کے حرم، ناموس الٰہی اور اسلام کے احکام اور مقدسات کا دفاع کریں۔

آؤ حسینؑ ابن علیؑ کو پہچانیں

ہم نے جو کچھ لکھا ہے اس کا مقصد حسینؑ کی شخصیت کو بہتر طریقہ پر متعارف کرنا ہے اور حسینؑ کے مقدس ہدف کو زیادہ سے زیادہ روشن کر کے سامنے لانا ہے۔ امید ہے ہماری یہ ناچیز خدمت بارگاہِ حسینؑ میں مقبول ہوگی۔

کسی بھی شخصیت یا قوم اور معاشرہ کو پہچاننے کے لیے اس کے افکار، اخلاق و اعمال کا پتہ لگانا ضروری ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اس شخصیت یا معاشرہ کے گفتار، کردار اور اس کی زندگی کے مختلف شعبوں کا جائزہ لے کر ہی یہ معلوم کیا جا سکتا ہے کہ وہ فرد یا معاشرہ کس قدر و قیمت کا حامل ہے۔ کیونکہ افکار، گفتار، کردار، رفتار اور عقائد کے اعتبار سے ایک انسان کی شخصیت اور ایک ملت کی شخصیت دونوں مساوی

ہوتی ہیں۔

بس مسلّم قاعدۂ کلیہ کے اعتبار سے شخصیت حسینؑ کو پہچاننے کے لیے حسینؑ کے افکار اور روحانیت اور کارناموں سے واقفیت حاصل کی جانی چاہیے۔ اسی طرح ان کے مرتبہ و مقام سے قربت حاصل کی جاسکتی ہے۔

یہاں ہمارا مقصد حسینؑ کی سیرت و سوانح لکھنا نہیں ہے کیونکہ اس موضوع پر بہت سی کتابیں پہلے ہی لکھی جاچکی ہیں اور یہ کہا جاسکتا ہے کہ حسینؑ کی زندگی کا کوئی گوشہ تاریکی میں نہیں ہے۔ ہمارا مقصد حادثۂ کربلا اور اس کے مقدس ہدف اور اس حادثے کے نتائج کی روشنی میں شخصیت حسینؑ سے آشنائی پیدا کرنا ہے۔

آیئے دیکھیں حسین ابن علیؑ کا اصل ہدف کیا تھا ——؟ اور ان کی یہ جانبازی و فداکاری کس عظیم مقصد کے لیے تھی؟

ابوبکر خلیفۂ اول نے یزید بن ابی سفیان کو شام کا گورنر مقرر کیا پھر خلیفۂ دوم نے اس کی جگہ خود اسی کے بھائی معاویہ کو مقرر کیا۔ عمر کی خلافت کے ابتدائی دور ہی سے معاویہ شام کے گورنر کی حیثیت سے معروف ہوگیا تھا۔

معاویہ بحیثیت گورنر کے ۲۲ سال سے کچھ زیادہ عرصے تک شام پر حکومت کرتا رہا۔ آخری برسوں میں کمزور خلافتِ عثمانی کی صورت حال سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے امارتِ اسلامی کو رسمی سلطنت کی حیثیت دے دی تھی۔

امیرالمومنین علیؑ نے جب حکومت اپنے ہاتھ میں لی تو ان سے

خلافت جنگوں اور شرانگیزیوں کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ پھر علیؑ کی شہادت کے بعد اس نے اپنی حکومت کو ایسی خلافت میں تبدیل کردیا جس میں کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں تھا۔

اس طرح معاویہ نے تقریباً پچاس سال گورنری یا خلافت کی صورت میں شام پر حکومت کی۔

شام کی یہ حکومت جو چالیس سے کچھ زیادہ برسوں تک قائم رہی اپنی بیشتر دوانیوں کے سیاہ ادوار کے ساتھ اس نے اپنے آخری برسوں میں ایک اور بڑا قدم اٹھانے کا ارادہ کیا۔

اسلام میں پہلا ولیعہد

خلافت شام کے دربار میں ایک تازہ بحث چھڑ گئی۔ یہ بحث گزشتہ خلفاء کی سنت کے صریحاً خلاف تھی۔ اسلامی حکومت کے دوران چھڑنے والی یہ بالکل نئی بحث تھی اور ایک ایسی بحث تھی جو ولایت و خلافت کے اصولوں سے کوئی مطابقت نہیں رکھتی تھی۔

یہ نیا موضوع تنہا معاویہ کے شخصی رجحانات کا نتیجہ تھا اور یہ بحث معاویہ کے یگانہ اور خوش چشم فرزند یزید کی خاطر چھیڑی گئی تھی۔ ایک گورنر نے اپنے اقتدار کو متزلزل دیکھ کر اور اپنی حکومت کو مستحکم بنانے کے لیے یہ نیا مسئلہ کھڑا کیا تھا۔ ؎

؎ ایک کوفی گورنر نے جب اپنے اقتدار کو متزلزل ہوتے دیکھا تو وہ شام آیا اور سب سے پہلے اس نے یزید کی ولیعہدی کی تجویز پیش کی اور کہا [illegible]

اس تازہ بحث کا تعلق ولی عہدی کے مسئلے سے تھا کہ معاویہ کے بعد خلافت کے عہدہ پر کون فائز ہو؟ معاویہ نے اپنی ذاتی رائے کی بنا پر اور اپنے بیٹے سے محبت کی بنا پر ایک قطعی بات کو روبعمل لانے کا عزم ظاہر کیا۔

مغیرہ بن شعبہ نے جو کوفے کا حاکم اور ہوشیار ترین لوگوں میں شمار ہوتا تھا، اس نے معاویہ کو کہا کہ اگر زیاد آپ کے اختیار میں ہے اور بصرہ زیاد کا علاقہ ہے اور کوفہ میرے، ان تینوں شہروں کے علاوہ ملک کے دوسرے علاقے بھی اطاعت میں رہیں گے، آپ یہ بات تسلیم کرا لیں گے۔ معاویہ کو مغیرہ کی یہ تجویز بھی معقول معلوم ہوئی، وہ اپنے بیٹے یزید کو بہت چاہتا تھا اس لیے اس نے مطمئن ہو کر اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے اور روبعمل لانے کے لیے مستعد ہو گیا۔

مغیرہ کی گورنری مستحکم ہو گئی تاکہ وہ اپنی اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کے لیے کام کرے لیکن امام حسنؑ کا وجود اس راہ کا کانٹا تھا۔ معاویہ نے مسلمانوں کے درمیان اس جانب سے بے فکری حاصل کی۔ اب رہ گئے سعد بن ابی وقاص جو عمر بن خطاب کی مقرر کردہ چھ رکنی شوریٰ کے زندہ رہنے والے آخری رکن تھے اور بقیہ ہم لوگ قتل یا ہلاکت کے ذریعہ راستے سے ہٹا دیے گئے۔

بصرہ اور آزمائش کے لیے یہ تجویز شام کے باشندوں کے سامنے پیش کی گئی۔ حضرت نے عبدالرحمن بن خالد کو ترجیح دی۔ معاویہ کو یہ بات پسند نہ آئی لیکن اس نے اپنے اصل مقصد کو اس وقت تک پوشیدہ رکھا کہ عبدالرحمن ایک مختصر علالت میں مبتلا ہو گئے۔ ایک عیسائی طبیب کو ان کے علاج کے لیے بھیجا گیا اور اسے ان کا کام تمام کرنے پر آمادہ کیا گیا۔

اس طرح راستہ ہموار ہو گیا۔ کوفہ اور بصرہ میں مغیرہ اور زیاد اپنے ہم

حکومت اسلامی کے قوانین کی رو سے ولی عہدی کا کوئی جواز نہیں تھا لیکن صرف اس دلیل کی بنیاد پر کہ معاویہ اپنے فرزند سے بہت محبت کرتا ہے خلافتِ حکومت اسلامی کا بلند منصب یزید کے حوالے کرنے کا فیصلہ کر لیا گیا۔

(اتفاق) حاشیہ نشینوں کے ذریعے اس تجویز کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ لوگوں سے بیعت لی گئی لیکن بعض مقامات پر مشکلات پیش آئیں اور سب سے زیادہ مخالفت کا تعلق حسین بن علیؑ، ابن زبیر، ابن ابی بکر اور ابن عمر سے تھا کیونکہ حجاز اور عراق کے لوگ انہی کی اتباع کرتے تھے۔ گورنروں نے حکم کی مخالفت کر رہے تھے خصوصاً مدینہ میں جو صحابہ کا مرکز تھا سخت مخالفت کی گئی۔

گورنر مدینہ مروان نے مرکز کو لکھا کہ ان بزرگ شخصیتوں کی موجودگی کی حالت میں یہ کام یہاں اس آسانی کے ساتھ انجام نہیں دیا جا سکتا۔ معاویہ نے سعد بن عاص کو مدینہ بھیجا وہ بھی اس کام کو انجام نہ دے سکا۔

آخر مروان نے اس شرمناک کام کو انجام دینے کی دوبارہ کوشش کی اور معاویہ خود مدینہ آیا۔

معاویہ نے حسین بن علیؑ سے ملاقات کر کے تفصیلی گفتگو کی لیکن لاحاصل رہی اور اس کے بعد اس نے دوسرے صحابیوں سے ملاقات کی مگر اس کا بھی کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ وہ کسی کو روپوں سے خرید سکا اور کسی کو دھمکی سے۔ کسی نے اسے رسمی طور پر بھی قبول نہیں کیا۔ پھر وہ حضرت عائشہ کے پاس آیا اور مخالفین کی شکایت کرتے ہوئے کہا اگر لوگوں نے میری بات نہ مانی تو میں انہیں قتل کر دوں گا۔ عائشہ نے نصیحت کی اور ثابت کیا کہ قتل کرنا کسی صورت میں بھی تمہارے مفاد میں نہیں۔ آخرکار حیلہ و تدبیر سے جس کا ذکر تاریخ میں درج ہے کہ وہ مدینہ کے عام لوگوں کو بے خبر رکھ کر (ان صفحہ ۴۲ پر)

معاویہ نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ایک ایسے نوجوان کو ولی عہد بنانے اور مسلمانوں پر مسلط کرنے کا فیصلہ کیا جو شرابی اور عیاش تھا۔ وہ بے مہار گھوڑے کی طرح عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتا تھا اور اپنی زندگی کے اکثر اوقات شام کے پُرفضا کوہستانی مقامات پر کتوں اور خوبصورت گلوکاروں کے ساتھ گزارتا تھا۔ ایک ایسے نوجوان کو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانشین بنانا، اجتماعی قیادت و حکومت اس کے سپرد کرنا نہ صرف اسلامی اصولوں کے خلاف تھا بلکہ حکمرانی کی سیاست اور حکومت و امارت کے سلسلے کی حفاظت کے بھی منافی تھا۔

لیکن معاویہ کی خواہش تھی کہ اس کا بیٹا یزید حکومت کرے۔ اس کے لیے صرف ایک ہی دلیل تھی کہ معاویہ اپنے بیٹے کو بہت چاہتا تھا یہاں لیاقت و قابلیت کا کوئی سوال نہیں تھا۔ حکومت کرنے کی صلاحیت اور لوگوں کی مرضی و حمایت شرط نہیں تھی صرف معاویہ کی خواہش تھی۔ اس خواہش کو پورا کرنے کے لیے ایک ایسے خطرناک کام کا ارادہ کر لیا گیا تھا جو مسلمانوں کے لیے بڑا سنگین اور گراں تھا۔

معاویہ نے خود یہ اندیشہ ظاہر کیا تھا کہ یزید کی ولی عہدی لوگوں کے لیے بڑی سنگین ثابت ہوگی اور ممکن ہے خود خاندان بنو امیہ پر گراں ہو اور اسلام اور مسلمانوں کے لیے باعث ننگ ثابت ہو لیکن یزید کی محبت نے اسے ایک ایسے کام کو انجام دینے پر آمادہ کر دیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ گزشتہ صفحہ سے) لیکن حسینؑ ابن علیؑ مخالفین میں سرفہرست تھے جو یزید کے مقابل میں کھڑے ہوئے۔ حقائق عالمین ص ۳۳۳، الکامل ابن اثیر جلد ۳ صفحہ ۲۵۰، الامامۃ والسیاسۃ، الامام الحسین بانشنہ کی امامت سے متعلق صفحہ ۲۴۱ تا ۲۴۳۔

معاویہ خود اپنے بیٹے سے کہتا تھا:

"مجھے ڈر ہے تیری خاطر میں اپنی آخرت سے
ہاتھ دھو بیٹھوں گا۔"

وہ خود جانتا تھا اور اس کے مقربین بھی اس سے کہہ چکے تھے کہ یزید کی ولی عہدی ممکن ہے کہ بنی امیہ کی حکومت کے خاتمے کے اسباب فراہم کر دے۔[1]

---

[1] بصرہ کے گورنر زیاد نے معاویہ کے خط کے جواب میں جو یزید کی ولی عہدی کے متعلق تھا ایک شخص کو بھیج کر کہا کہ ایک ایسی امانت ہے جو کاندھوں پر نہیں رکھی جا سکتی۔ میں اسے امانت کے طور پر تمہارے حوالے کرتا ہوں وہ یہ کہ میں تمہارے وسیلہ سے تمہیں تمہاری سرداری کے ساتھ پیغام دینا ہے۔ تم جاؤ اور معاویہ کو میرا سلام پہنچاؤ کہ اگر تم لوگوں کو یزید کی ولی عہدی قبول کرنے کے لیے آمادہ کرو تو ان سے یزید کے بارے میں کیا کہیں! یزید تو کتوں سے کھیلتا ہے، شراب خوری اور جنگ بازی میں مصروف رہتا ہے، موسیقی اور رقص و چنگ کی محفلوں میں وقت گزارتا ہے جبکہ حسین بن علیؑ، عبداللہ بن عباس، اور عبداللہ بن زبیر لوگوں کے درمیان زندگی بسر کرتے ہیں اور لوگ ان کا بڑا احترام کرتے ہیں۔ تم یزید سے کہو کہ اپنے اخلاق میں تبدیلی لائے اور ہر بھی صلاحیت پیدا کرے اس کے لیے کچھ وقت باقی ہے۔

معاویہ اس پیغام پر جو حقیقت کو بے نقاب کرنے والا تھا، خوش نہ ہوا اور اس نے کہا زیاد پر افسوس، میرے بعد وہ حکومت کرنے کا خیال اپنے دماغ میں پرورش کر رہا ہے میں اسے اس کی ماں سمیہ اور اس کے باپ عبید کے پاس پہنچا دوں گا (یعنی قتل کرا دوں گا)

[2] حضرت حسینؑ جن کے ماں باپ کا نام لیا گیا تھا یزید پر سب سے گراں تھا، مروج الذہب صفحہ ۴۳ پر

ان تمام باتوں کے باوجود محض معاویہ کی خواہش اس بات کے لیے کافی تھی کہ رسمی طور پر یزید کو ولی عہد سمجھا جائے۔ یزید شعر و شراب کے سوا کچھ نہیں جانتا تھا۔ اسے صرف مے و معشوق سے دل چسپی تھی، اس کی شراب خوری، عشق بازی اور عیاشی کے پورے شام میں چرچے تھے اس کے باوجود اسے ولی عہد کے منصب پر فائز کیا جارہا تھا۔

یزید کی ولی عہدی کی بحث دربار شام میں چھڑی تھی، وہ اس تجویز کو محض معاویہ کی مرضی اور پسند کی بنا پر منظور کرلیا گیا تھا اور تمام حکام اور گورنروں کو ہدایت کی گئی کہ وہ لوگوں سے بیعت لیں اور مسلمانوں کو بلا چون وچرا معاویہ کے اس فیصلے کے سامنے گردن جھکانے پر آمادہ کریں۔ حکام اور گورنروں نے اس فیصلہ کو نافذ کردیا اور ہر قیمت پر لوگوں سے بیعت حاصل کی (لوگوں نے خود اپنی مرضی سے بیعت نہیں کی۔)

البتہ مملکت کے مختلف علاقوں میں مشکلات اور مخالفتوں کا سامنا ہوا لیکن اس سیاست سے جسے شیطنت ہی کہا جاسکتا ہے کام لے کر اس فیصلے کو صدفی صد نافذ کرنے کی کوشش کی گئی۔

ملک کے بعض علاقوں میں بہت زیادہ مشکلات درپیش تھیں، اس لیے

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ، اور وہ معاویہ سے اتفاق کرنے پر مجبور ہوگیا (آ۔ یہ جملہ بقول جلد ۲ صفحہ ۲۹۱۔۲۹۲۔ معاویہ ام المومنین عائشہ کی کتاب سے نقل صفحہ ۲۹۲)

یہ ہے دنیا کا دستور، دل کو جتنا زیادہ کا شوق ہوتا ہے اس میں ہوتا تھا اور اس کا نام احترام کے ساتھ لیا جاتا تھا وہ بھی اس نے معاویہ کی پسند کے خلاف حقیقت کا اظہار کیا تو اسے یہ بات سستی پڑی۔ (مندرجہ بالا کتاب سے داستان، ملاقی لب ص ۲۵۵)

معاویہ نے مختلف بہانوں سے خود ان علاقوں کا سفر کیا اور وہاں پہنچ کر بڑی مہارت کے ساتھ مشکلات کو دور کیا اور ہر قیمت پر اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرلی۔

ایسے علاقوں میں مدینہ کا مقدس شہر بھی شامل تھا۔ یہ صدفی صد ایک مذہبی شہر تھا۔ بہت سے صحابہ اور تابعینؑ اسی مبارک شہر میں زندگی بسر کر رہے تھے اور وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے روضۂ مقدس کے پاس ہی رہ رہے تھے اس شہر میں سخت مشکلات اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا اور حاکم مدینہ نے صاف طور پر اپنی ناتوانی اور بے بسی کا اظہار کردیا۔ اس نے اس راہ کی بنیادی مشکلات کی اطلاع دیتے ہوئے کہا کہ:

"اس شہر میں درجہ اول کی مذہبی شخصیتیں موجود ہیں اور میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ معاویہ کے بعد ایک ایسے شخص کو خلیفہ اور جانشین پیغمبر بنانے کے لیے لوگوں سے بیعت لوں جو شرابی، مسخرہ، لہو ولعب اور خلاف شریعت کاموں میں مشغول ہے۔"

یہ بات صحیح ہے کہ معاویہ نے اپنی مخصوص سیاست کے ذریعے تمام مشکلات کو دور کردیا حتیٰ کہ مدینہ میں بھی لوگوں سے بیعت لے لی گئی، اس کے باوجود ایسے آزادی پسند اور شجاع لوگ موجود تھے کہ وہ کسی قیمت پر معاویہ کے ہاتھوں بکنے کے لیے تیار نہیں ہوئے۔ اور انھوں نے ہر جگہ

؎ جن لوگوں کو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا زمانہ ملا انھیں صحابہ اور بعد کی نسل کو تابعین کہتے ہیں۔

درے موقع پر اپنی رضا آزادی کو زندہ و باقی رکھا۔

یہ ایسے لوگ تھے کہ دربار شام اور اس کی مادی طاقت انھیں کبھی خوفزدہ نہ کر سکی اور انھوں نے حکومتِ شام کی جانب سے کیے جانے والے پروپیگنڈہ کی کبھی پرواہ نہیں کی۔ حق کی حمایت کرنے پر جو مصیبتیں نازل ہو سکتی تھیں ان سے وہ کبھی ہراساں نہیں ہوئے اور انھوں نے کبھی حق کو نہیں چھپایا خواہ اس کے لیے انھیں اپنی جان کی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔[1]

محافظینِ عدالت

لوگوں کے درمیان ہمیشہ ایسے افراد موجود رہے ہیں کہ شاہی محلات کی شان و شوکت ان کے سامنے کچھ بھی نہیں رہی اور وہ کبھی فرعونوں اور ان کے ہتھیاروں سے نہیں ڈرے۔ اور حق و حقیقت کو زندہ رکھنے کے لیے انھوں نے ہمیشہ اپنے ہاتھوں میں آزادی کا پرچم بلند رکھا اور آزادی اور حق کی محبت میں دیوانہ وار جنگ کے خونیں میدانوں میں دوڑ کر پہنچتے رہے اور بڑھ بڑھ کر دار و رسن کو چومتے رہے۔

یہی وہ شجاع افراد ستمگروں کے دربار میں گئے اور فرعونوں کے محلات کو زمین بوس کر دیے۔ جابروں اور ظالموں کو خاک میں ملانے کے لیے کمربستہ ہوتے رہے ہیں اور ان کے خلاف خم ٹھونک کر میدان میں اترتے رہے ہیں۔ انھوں نے کسی بھی جبر کی پرواہ نہیں کی اور کسی قیمت پر وہ سپر انداز نہ ہوئے کیونکہ ان کے نزدیک آزادی کی قدر و قیمت، ان کی

---

[1] جب امام حسین بن علی اور ان کے ہم فکر اصحاب حضور نے یزید کی ولیعہدی کی مخالفت کی۔

جان، مال اور آبرو سے بھی زیادہ تھی۔

حق و آزادی کی راہ کے یہ مجاہد، حکومتِ حق اور عدالت کے یہ طرفدار، انسانیت کے مقدس اصولوں کے یہ محافظ جو ہمیشہ جبار فرمانرواؤں اور خونخوار ظالموں سے جنگ اور پنجہ آزمائی کرتے رہے ہیں، کبھی ان کے مقابل نہیں جھکے اور حق و عدالت کا پرچم بلند رکھنے کے لیے انھوں نے اپنی اور اپنے عزیزوں کی جانیں قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا

عدالت کے ان محافظوں اور حق کے ان طرفداروں کو بہت زیادہ مشکلات کا سامنا کرنا اور بے حد محنت و مشقت سے کام لینا پڑا لیکن وہ استقامت و ثابت قدمی سے کام لیتے ہوئے اس وقت تک میدان میں ڈٹے رہے جب تک کہ انھوں نے ستمگروں کے تخت و تاج کو نہ الٹ دیا اور انھیں خاک و خون میں نہ ملا دیا۔ ان مردانِ شجاع کی جد و جہد کا نتیجہ ہے کہ وہ ظالم دوبارہ اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی ہمت نہ کر سکے۔

آزادی کے ان متوالوں اور عدالت کے ان چاہنے والوں نے اس وقت کے خطرناک حالات اور سراسیمہ کر دینے والے ماحول اور حکومتِ شام کے اس شکنجے کے باوجود جس نے لوگوں کی گردنوں کو اپنی گرفت میں لے لیا تھا، معاویہ کی ہاں میں ہاں ملانے سے سپر انداز ہونے اور ایک غلط نظریے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور معاویہ کے تمام ماہرانہ منصوبوں کو خاک میں ملاتے ہوئے، یزید کی ولیعہدی کو تسلیم کرنے اور بیعت کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

البتہ ماحول کے دباؤ، مصائب اور پریشانیوں میں اضافے کی وجہ سے حریت و آزادی کے علمبرداروں کی تعداد میں کمی آ گئی اور صرف

چند لوگ میدان میں رہ گئے، جو ظلم و جبر کی تاریکی کے خلاف قدم جمائے حق و آزادی کے پرچم کو بلند کرتے رہے۔

ظلم و جبر کے ان مخالفین میں سرفہرست اور سب سے آگے حسین ابن علیؑ تھے، جو تقویٰ و فضیلت کے سراپا اور آزادی کی اس عظیم تحریک کے رہنما تھے۔

انھوں نے علی الاعلان یقین محکم کے ساتھ، حکومتِ شام کی غلط کاریوں اور اس کے گمراہ کن پروپیگنڈے کی پرواہ کیے بغیر اس پر واضح کر دیا کہ وہ معاویہ کے نظریے اور فیصلے کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس طرح امامؑ نے بیعت کرنے سے قطعی طور پر انکار کر دیا۔

معاویہ کو یہ بات معلوم تھی کہ حسین ابن علیؑ میں شجاعت اور فداکاری کی کیسی زبردست روح موجود ہے۔ اس نے اپنے ملک و مملکت کی فلاح اسی میں دیکھی کہ وہ حسینؑ کا تعاقب نہ کرے کیونکہ معاویہ حسینؑ کی شخصیت کو ہر شخص سے بہتر سمجھتا تھا۔

اس نے اپنی حکومت اور خلافت کے دوران حسینؑ کی اس قوت و صلاحیت کو دیکھا تھا جو انھیں وراثت میں ملی تھی اور جو حق اور آزادی کی حمایت میں روبکار آتی رہی تھی۔

معاویہ کو بخوبی احساس تھا کہ تعاقب اور دباؤ کے آگے نہ صرف یہ کہ حسینؑ سر تسلیم خم نہیں کریں گے بلکہ مخالفین کے لیے میدان کھول دیں گے اور انتہائی سنگین خون خرابے کے حالات پیدا ہو جائیں گے۔

معاویہ نے بچشم خود دیکھا تھا کہ گزشتہ جنگوں میں حسین علیہ السلام ایک ماہر اور لائق کمانڈر کی حیثیت سے داد شجاعت دیتے رہے تھے ——— اور ——— میدان جنگ میں ان جیسا کوئی شجاع

نظر نہیں آتا تھا۔

معاویہ کو یہ معلوم تھا کہ حسین ابن علیؑ نے شام اور اس کی فوجوں کی پرواہ کیے بغیر یہ عزم کر لیا تھا کہ میں کوفہ کی جامع مسجد میں دوا سے منبر سے کھینچ کر لوگوں کے سامنے اس کے سر کو کچل دیں گے۔۲؎

معاویہ ہر شخص سے بہتر طریقے پر یہ بات جانتا تھا کہ حسینؑ کی پرورش آزادی کے گہوارے میں ہوئی ہے اور زہراؑ جیسی ماں کی گود میں اور علیؑ جیسے باپ کے سایۂ عاطفت میں وہ پروان چڑھے ہیں اور انھیں جو ہر دل عزیزی و مقبولیت حاصل ہے اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

معاویہ بخوبی جانتا تھا ———

——— کہ کس راہ سے حسینؑ کے لیے ماحول و معاشرہ کو تیرہ و تار رکھے۔

اور ———

کس راستے سے حسینؑ کو خاموش رکھے۔

معاویہ یہ بھی جانتا تھا کہ حسینؑ نے بیعت نہیں کی ہے اور اس کے ساتھ تعاون نہیں کیا ہے لیکن حسینؑ کی خاموشی اس کے لیے بڑی قدر و قیمت کی حامل ہے۔

۱؎ خیر لوگوں میں حسن علیؑ اور معاویہ کے درمیان جو صلح ہوئی اس میں بیعت حسن بن علیؑ کے ہاتھ پر ہوئی تھی۔

۲؎ اس عزم کا اظہار حسین ابن علیؑ نے اس وقت کیا تھا جب معاویہ پہلی صلح کے بعد کوفہ پہنچا اور مسجد میں منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کے سامنے اور علیؑ کے بیٹوں کے سامنے آپ [illegible] کی شان میں گستاخانہ کلمات کہنے شروع کر [illegible]۔

یزید کے ولی عہد بننے کا مسئلہ صد فی صد قطعی تھا۔ یہ بات لوگوں کو معلوم ہو چکی تھی اور پورے ملک میں بظاہر تین افراد کے سوا کوئی مخالف نظر نہیں آتا تھا اور ان میں سب سے زیادہ اہم حسین ابن علیؑ تھے۔

ان مخالفین کے وجود کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی کیونکہ ان کے بال و پر کاٹ دیے گئے تھے اور کوئی ان کا ساتھ دینے کے لیے آمادہ نہیں تھا۔ حالات اس قدر وحشت، تحیر اور سراسیمگی پیدا کرنے والے تھے کہ جنگ کرنے اور مقابل میں آکر کھڑے ہونے کا خیال تک کسی کے ذہن میں نہیں گزرتا تھا، کجا کہ اس خیال پر عمل درآمد ہو۔

یہ صحیح ہے کہ حسینؑ معاویہ کے اس فیصلے کے مخالف تھے لیکن حکومت شام نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ حسینؑ نے خاموش رہ کر کسی مناسب موقع کے منتظر رہنے ہی کو بہتر سمجھا اور اپنی شخصی زندگی کے دائرے میں سرگرم رہتے ہوئے اپنے ساتھیوں کی تربیت پر توجہ مرکوز کر دی۔

معاویہ نے اپنے فرزند یزید سے کہا:

"بیٹے! میں نے خلافت کے مست و سرکش اونٹ کو رام کر کے اس کی مہار تیرے ہاتھ میں تھما دی ہے۔ پوری طرح بیدار رہ کہ کہیں یہ مہار تیرے ہاتھ سے نہ چھوٹ جائے!"

معاویہ نے اپنی زندگی کے تجربات کا ذکر کرتے ہوئے کہا:

"عزیز فرزند! کسی قوم پر حکومت کرنا کوئی معمولی کام نہیں ہے خصوصاً عربوں جیسی سخت کوش اور عصبیت و غیرت رکھنے والی قوم پر۔ تیرے

لیے اس قوم کی نفسیات کو اچھی طرح سمجھنا ضروری ہے تاکہ ہر شخص کو تو اس کی حیثیت و نوعیت کے اعتبار سے رام کر سکے۔"

"میں نے اپنی عمر کے دوران طرح طرح کی سیاست کے ذریعے (بقول امام صادق علیہ السلام شیطنت کے ذریعے) اس مملکت کو حاصل کیا ہے اور آج میں ایک خلیفہ کی حیثیت سے زندگی گزار رہا ہوں۔"

"میں اپنی پچاس سالہ زندگی اور سیاست کے ذریعے اس مقام اور مرتبہ پر پہنچا ہوں۔"

"آج پورے ملک میں بظاہر کوئی مخالفت نہیں ہے، ان دو تین آدمیوں کی مخالفت کوئی اہمیت نہیں رکھتی، سب سے زیادہ جس مخالف پر توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ حسین ابن علیؑ کی مقدس شخصیت ہے۔"

"حسین بن علیؑ کی تربیت جس طرح ہوئی ہے، اسے میں ہر شخص سے بہتر طور پر جانتا ہوں،

وہ ایک ایسا انسان نہیں ہے جسے دنیا اور دنیا کی رنگینیوں سے رجھایا جا سکے۔ وہ علیؑ کے گھر میں اور ابوتراب جیسے باپ کے سایہ میں پل کر جوان ہوا ہے۔ ابوتراب کی حکومت کا دستور اس کے لیے تربیت کا مکتب ثابت ہوا ہے۔ حق کے مقابل وہ کسی چیز کو خاطر میں نہیں لاتا۔ عدالت اور دینِ اسلام کو زندہ کرنے کے لیے وہ بڑی سے بڑی قربانی دے سکتا ہے۔ وہ اپنی جان کی بازی لگاتے ہوئے جنگ کے خونیں میدانوں میں اترنے سے بھی دریغ نہیں کرے گا۔"

"یزید! حسینؑ کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ اس کے ساتھ پنجہ آزمائی کی جائے۔ اگر تو نے اس کے مقابل آنے کی کوشش کی تو آہستہ آہستہ وہ عام حمایت حاصل کرے گا، اور زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا کہ تیری حکومت و ریاست کے لیے ایک بڑے خطرے کی حیثیت سے سامنے آ جائے گا۔"

"میرے بیٹے! تو حسینؑ کے ساتھ ٹال مٹول کی پالیسی اختیار کر، ہرگز ان پر الزام نہ دھر،

اگر حسینؑ نے سکوت اور خاموشی کو طول دیتے ہیں تو یہ بات تیرے لیے بڑی قدر و قیمت کی حامل ہوگی۔ حسینؑ کے سکوت کے بدلے تجھے یک دستی ساری مملکت پر حکومت میسر آ سکے گی۔ یہ سودا تیرے لیے نفع بخش ہوگا۔"

"یزید! تو حسینؑ کا احترام کیا کر اور ہمیشہ حالات کو اس طرح برقرار رکھ کہ حسینؑ کو تیرے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کا عذر نہ مل سکے اور تیرے خلاف کا خیال ان کے دل میں نہ آ سکے۔"

"میرے بیٹے یزید! حسینؑ کے ساتھ مقابلہ ایک خطرے کو دعوت دینا ہے۔ حسینؑ کا سکوت بڑا قیمتی ہے۔ ان کا احترام کر اور حالات کو پرسکون رکھ۔ حسینؑ کا تعاقب کبھی نہ کرنا، حسینؑ کا تعاقب تیری حکومت کے لیے سراسر نقصان دہ ہوگا۔"

"حسینؑ میدان میں آ گئے تو ہر صورت میں شکست تیرا مقدر ہوگی خواہ تو فتح پائے یا شکست کھائے۔[1]"

---

[1] [illegible] حسینؑ [illegible] شکست [illegible]

یہ تھا اس نصیحت کا خلاصہ جو معاویہ نے ولی عہد بنانے کے بعد اپنے بیٹے یزید کو کی۔

معاویہ نے اپنی حکومت اور خلافت کے دوران اس آخری نصیحت کو بھی جب عملی کر دیا یعنی یزید رسمی طور پر اسلامی مملکت کا ولی عہد بنا دیا گیا اور زمین و آسمان ایک خوفناک حادثے تک پہنچے اور تاریخ اسلام کے ایک حساس ترین صفحے کو الٹنے کے لیے اس حادثہ کی جانب تیزی سے گھومنے لگے۔

انسانوں کی سرنوشت

انسان کامل یعنی انبیاء زمین پر رہنے والے ملکوتی صفت یعنی پیغمبر اور ان کے معصوم جانشین، اسی طرح دانشمند فلاسفہ جلیل شخصیتیں آسمان مکتب کے تربیت یافتہ رہنما ان سب نے ہمیشہ انسانی معاشروں کے درمیان زندگی بسر کرتے ہوئے اور لوگوں کے عام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور اس ہدف کو سامنے رکھتے

[illegible]

ہوئے جو انسانی زندگی کی منزل اور منتہا ثابت ہو سکتا ہے، اجتماعی مسائل کا مطالعہ و مشاہدہ کیا ہے۔

یہ پاک ہستیاں ہمیشہ زمین پر بسنے والے باشندوں کی زندگی کو نظروں میں رکھتے ہوئے یہ معلوم کرتے رہتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے اور کس سمت جا رہے ہیں؟ انھوں نے زندگی کی راہ پر رواں دواں انسانی معاشروں کے قافلوں کی رہنمائی کی ہے اور حالات کے مطابق گزرنے والوں کا جائزہ لے کر انہیں کامیابی اور سعادت کی منزل تک پہنچانے کی کوشش کی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی معاشرہ انسانیت کے راستے سے منحرف ہو جاتا ہے اور حیوانات و شہوات کے راستوں پر چل پڑتا ہے اور وحشی جانوروں کی خصلتیں اختیار کرنے لگتا ہے اور خونریزی اور ستم گری پر اتر آتا ہے تو یہ ملکوتی صفات انسان سخت بے چین اور فکرمند ہو جاتے ہیں اور جہاں تک انہیں طاقت اجازت دیتی ہے وہ پند و نصیحت کے ذریعے معاشرہ کی مدد اور رہنمائی کرتے ہیں اور معاشرہ کو اور اس کے رہنماؤں کو وعظ و نصیحت کے ذریعے صحیح راستے پر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب کبھی بھی کوئی معاشرہ تباہی کے گڑھے میں گرنے کے قریب ہو جاتا ہے اور انسانیت موت کی دہلیز پر پہنچ چکی ہے تو یہ ملکوتی صفات انسان میدان میں اتر آتے ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ اور جاں نثاری کے ساتھ اپنا خون بہا کر انسانی معاشرہ کو بچانے اور نجات دلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

خدا تعالیٰ کے فرستادے اور انبیاء ہمیشہ انسانیت کی رہنمائی کرتے رہے ہیں اور وہ بار بار ایسے حساس اور خطرناک موقع پر جبکہ انسانیت بھی درندوں کی طرح تیزی سے جا رہی ہو، خود رہبر ہو کر جبار حکمرانوں اور ان کی منحوس حکومتوں سے جنگ کرتے رہے ہیں اور ان کے تخت اقتدار کو الٹ کر غلامی کے طوق سے

حکیم افلاطون، ایتھنز کے شہر میں کھلے میدانوں میں کھڑے ہو کر لوگوں کو نصیحت کرتا تھا اور وہ معاشرۂ انسانیت کو مدینۂ فاضلہ کی طرف دعوت دیتا رہا۔

بزرگ حکیم یونانی سقراط نے قانون کی تعظیم کے لیے زہر کا پیالہ خود اپنے ہاتھوں سے پی لیا اور اپنی اس قربانی کے ذریعے اس نے پیغام دیا:

"اے انسان قانون کا احترام کر تاکہ تو ایک آزاد زندگی گزار سکے۔ قانون شکنی ایک بڑا ناقابلِ معافی گناہ ہے!"

سقراط اور ارسطو نے اپنی عزت و باوقار زندگی کے دوران اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ ہمیشہ انسان کو نصیحت کی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر تباہی سے بچانے کی کوشش کی اور اسے زوال کے خطرے سے آگاہ کیا۔

عظیم دانشمندوں نے قرونِ وسطیٰ کے مفاد اور استبداد کا سخت مقابلہ کیا۔ یہاں تک کہ بعض دنیاپرست اور صحیح راہ سے منحرف ہونے والے کلیسا کی [illegible] سے مقابلہ کرتے ہوئے وہ قید ہوئے اور مارے گئے۔[۱]

۱۔ [illegible]

سے انسان ساختہ دیوی دیوتاؤں کو آزاد کرتے رہتے تھے۔ [illegible] اور [illegible] ان کے ذہنوں کو تہذیب یافتہ کر دیا تھا۔

اسی طرح [illegible] خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اس وقت ظاہر ہوئے جب انسان بت پرستی، مادیت اور جہالت [illegible] کے آگ کے گڑھے میں گر رہا تھا۔ آپ نے اسے اس تباہی سے بچایا اور ملکوتی و آسمانی تعلیمات کے ذریعہ اسے زندگی اور کرامت کا راستہ دکھایا۔

انبیاء کے بعد ان کے جانشینوں نے ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے پسماندہ انسانیت کی رہنمائی [illegible] ان کی ترقی کے لیے تکالیف برداشت کیں اور ان کو [illegible] سے بہرہ مند کرنے کے لیے کوششیں کیں اور وہ ظالموں اور جابروں کے خلاف نبرد آزما ہوئے۔

ان کے بعد بزرگ شخصیتوں، فلاسفہ اور دانشمندوں نے انسان کی مدد کی اور اس کی رہنمائی کا فرض انجام دیا۔[۱]

۱۔ [illegible]

انبیاء، پیغمبر، اولیاء اور ان کے جانشین فلاسفہ اور دانشمند کہ سخت اور خطرناک حالات سے دوچار ہوتے اور گہرے جائزے کے بعد بھی کوششوں اور مقاصد کو بے نتیجہ دیکھتے تو ایک گوشہ میں بیٹھ کر معاشرہ کی حالت پہ دل ہی دل میں کڑھتے اور کسی مناسب وقت کی انتظار میں گھڑیاں گنتے رہتے۔ اور بڑی عاجزی سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کرتے:

"اے پروردگار! آخر یہ انسان گروہ در گروہ کیوں جہنم اور بدبختی کی راہ پر چل پڑتے ہیں؟"

"خداوندا! بے گناہ جوانوں اور ان معصوم دوشیزاؤں نے آخر کون سا قصور کیا ہے کہ وہ اس جابرانہ ماحول میں جکڑے گئے ہیں اور یہ ماحول انہیں گروہ در گروہ فساد اخلاق اور شہوات و منکرات کی طرف کھینچے لیے جا رہا ہے؟"

"بارالہا! یہ کیسے حالات ہیں، ستمگر اور خونخوار لوگ ملت کے کندھوں پر سوار اور معاشرہ کو اپنی گاڑی میں جوت کر اسے ٹھوکریں مار رہے ہیں۔"

"رب العالمین! کیا کبھی ایسا دن بھی آئے گا جب بے چارہ انسان ان ظالموں کے چنگل سے رہائی

حاصل کرے گا؟"

یہ سب مخلص انسانوں کی تڑپ اور ان کا ردعمل جسے وہ موقع و مناسب حالات میں روبہ عمل لانے کی کوشش کرتے ہیں:

(۱) — پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب دور جاہلیت کی زندگی کے وحشیانہ مناظر کا مشاہدہ فرماتے تھے اور ان پہ رنجیدہ ہو کر بڑا دکھ اٹھاتے تھے۔ جب آپ ریگستانوں میں تنہا ہوتے تھے تو آسمان کی طرف منہ کر کے انسانیت کی گمراہی کا شکوہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے:

"اے پروردگار! یہ گمراہ انسانیت کدھر جا رہی ہے، کب یہ گمراہی و انحراف کی راہ سے پلٹے گی؟"

"اے رب العالمین! وہ دن کب آئے گا کہ انسان جھوٹے معبودوں کی بندگی سے منہ موڑ کر تیری بندگی اور اطاعت کی راہ اختیار کرکے سعادت و کامرانی حاصل کرے گا؟"

محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے برسوں تکلیفیں اٹھائیں اور مدتوں خون دل پیتے رہے یہاں تک کہ جب حالات بہتر ہوئے، آپ کو ہدایت و رہنمائی کے عظیم منصب، منصب نبوت پر فائز کیا گیا اور انسانیت کی نجات کے سامان بہم پہنچائے گئے۔

(۲) — پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد امیر المومنین علی علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ایک کام انجام دے...

کے اوپر مسلط ہو کر اپنے دلستان کو بہ تحت رسالت

کے بجبر اسلام اور مسلمانوں کے امور پر مسلط کر دیا ہے

دروغوں کے تمام حقوق کو اسلام کے نام پر پامال

کر دیا ہے اور ان کی تکالیف اور شکایات کا ذرہ

برابر بھی لحاظ نہیں کیا جاتا ہے۔*

علی تو نیس سال اسی منحرف حکومت کا مشاہدہ نہایت

دل تنگی اور مہربانی سے کرتے رہے اور نصیحت اور تجاویز

دیتے رہے۔ اسلام کے منع نہیں کام کرتے رہے یہاں تک

کہ برسر مسند خلافت بیٹھے اور اسلامی احکامات اور روایات

کا اجرا فرمایا۔ اور آسمانی رہبری اور ظلم و استبداد کی دہشت بھی

بہم فرق واضح ہو گیا۔ آخر کار ایک شقی نے آپ کو

شہید کر دیا۔

② —— امام مجتبیٰ حسن بن علیؑ نے اپنے والد علیؑ کے بعد رہنمائی کا

منصب سنبھالا۔ کوفہ کے لوگوں نے ان کی طرف دست

موافقت بڑھایا۔ ان واقعات کے مطابق جو تاریخ میں

درج ہیں، امام حسنؑ معاویہ کے مقابل تھے لیکن حضرت

کو مجبور کر دیا گیا کہ وہ خاموشی اختیار کریں اور گوشہ نشین

ہو رہیں۔

---

* یہاں عثمان بن عفان کی حکومت کے حالات کی طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کے

معاملات کی طرف سے بے اعتنائی کی گئی۔

بات تو اسلام کی حالت زار وہیں نظر رکھتے ہوئے اپنے

حق کے بارے میں خاموشی اختیار کی جب بھی آپ کو حکومت

کے تخریب کی خبریں ملتیں آپ بہت رنجیدہ ہوتے اور اکثر

اسلام اور مسلمانوں کی حالت دیکھ کر آپ کی آنکھوں سے آنسو

نکل آتے اور آپ بارگاہ خداوندی میں عرض کرتے:

"اے پروردگار! یہ کیسا معاملہ ہے کہ نادان افراد نے

جو عدالت اسلامی کے سادہ ترین مسائل بھی نہیں جانتے

مسند حکومت پر بیٹھ کر اسلام اور مسلمانوں کے امور کو

اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔"

"یہ کیسا زمانہ ہے کہ اسلامی حکومت سے وابستگان

رہزن اور بدکاروں کے جان و مال کو خاک و خون میں

ملا رہے ہیں اور ہوا و ہوس اسلامی پر دست درازی کر

رہے ہیں اور حکومت کے ذمہ دار ان امور سے کام

لے رہے ہیں اور احکام اسلامی کو معطل کیے رکھے ہیں۔"

"خداوندا! یہ کیسی دنیا ہے کہ کچھ لوگوں نے معاشرہ

معاویہ ... اسلامی ... امور کو ... کے ... اور ... اسلامی ...

... ہیں سے

... حکومت ... میں ...

... کی ... موجود ہے۔

(قصص و ...)

آپ زندہ نہیں تو ہو گئے لیکن مسلمانوں کی حالت دیکھ کر
نہایت رنجیدہ اور صورت حال سے بہت متاثر رہتے اور
دل ہی دل میں فریاد کرتے تھے۔

"اے پروردگار! یہ کیسی دنیا ہے کہ لوگوں نے معاویہ
کی جابرانہ حکومت کو قبول کر لیا اور اسلام کے اصولوں
سے ہٹنے کے باوجود اسے خلیفۃ المسلمین تسلیم کر لیا۔"

"خداوندا! یہ کیسے حالات ہیں کہ معاویہ تو پیغمبر اسلامؐ
کا جانشین قرار پائے اور آپ کے بہترین صحابی علی
ابن ابی طالبؑ کو سبّ و شتم کا نشانہ بنایا جائے اور
منبر رسولؐ پر آپ کا برائی کے ساتھ ذکر کیا جائے۔"

"بارالہا! کیا کوئی ایسا دن بھی آئے گا کہ جب لوگ
بیدار ہو جائیں گے اور ظالموں کا ہاتھ کوتاہ ہو
جائے گا اور عادلانہ اسلامی حکومت کا دور
دورہ ہو سکے گا؟"

(۴) — حسین بن علی علیہ السلام اپنے جد بزرگوار رسول خدا

لے معاویہ نے حسن بن علیؑ کے ساتھ صلح کے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور سبّ علی
کے عنوان سے قانون وضع کر کے اسے نافذ کیا اور تمام اسلامی اصولوں کے خلاف بیٹے
یزید کو ولی عہد قرار دے کر اسے مسلمانوں کے سروں پر مسلط کر دیا۔

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے سے لے کر اس وقت تک
تمام حالات و واقعات کو نزدیک سے دیکھتے آئے تھے۔
اور گہری نظر سے مشاہدہ کر کے انھیں پرکھتے رہے تھے۔ اس
کے ساتھ ساتھ حکومتوں کے مقابل لوگوں کے ردعمل اور
پروپیگنڈہ کی نوعیت کا خاص طریقے پر مطالعہ کرتے رہے
تھے۔ مردم شناسی کے لیے اپنے باپ علیؑ، ماں اور بھائی
کی زندگی ان کے لیے نمونہ کی حیثیت رکھتی تھی۔

وہ ہر شخص سے بہتر جانتے تھے کہ سیاست نے لوگوں کے
روشن اور پاک افکار کو کس طرح آلودہ کر دیا ہے اور عوام
کی فکری سطح کو کس قدر پست کر دیا ہے اور ان سے آزادی
اور حق کے مطابق فیصلہ کرنے کی طاقت چھین کر ایک گروہ
نے کس طرح اپنے مقاصد پورے کیے ہیں۔

انھیں ہر شخص سے بہتر یہ بات معلوم تھی کہ معاویہ نے
اپنی ساٹھ سالہ زندگی میں کس طرح کی سیاست لڑا کر
حکومت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تاکہ اپنے غاصبانہ
اقتدار کے منصوبوں کو روبعمل لا سکے۔

حسینؑ اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ ان حالات میں
اگر وہ کھڑے ہو گئے اور جدوجہد شروع کر دی تو کوئی
فائدہ حاصل نہ ہوگا بلکہ الٹا ہی نتیجہ برآمد ہوگا۔

معاویہ کے طرفدار عمرو بن العاص جیسے لوگ تھے جنھوں نے
کاغذ اور جلد قرآن اٹھا کر لوگوں کو فریب دیا اور علیؑ کو

پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔
حکومت معاویہ کی پروپیگنڈہ مشنری نے اس قدر لوگوں کے ذہن و صدق کو بگاڑ دیا کہ مسلمانوں نے پیغمبر کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بزرگ صحابہ کو علی الاعلان برے ناموں سے یاد کرنا شروع کر دیا اور اسے عبادت سمجھنے لگے معاویہ کی ظالمانہ حکومت نے عوام کو انتہائے جہالت اور نادانی میں رکھا تھا کہ شہادت کے معاملے میں اونٹ اور اونٹنی کا فرق معلوم نہ تھا۔*
ایک ایسا جاہل اور نادان معاشرہ جس کے حکمران معاویہ

---

* ایک آدمی کوفے سے شام پہنچا ہی تھا کہ ایک شامی نے اس کے اونٹ کی مہار پکڑلی اور کہا یہ اونٹنی میری ہے جو تم نے چرالی ہے۔ بحث و تکرار بڑھی اور ایک معاویہ کے مقرر کردہ شخص تک بات پہنچی یہاں شامیوں نے اپنے شامی دوست کے حق میں شہادت دی کہ یہ اونٹنی شامی کی ہے۔ فیصلہ شامی کے حق میں ہوا اونٹ اس کو دے دیا گیا۔ کوفی مرد نے کہا کہ یہ اونٹ ہے اونٹنی نہیں ہے اور اونٹ کو اونٹنی کی چوری کے بدلے نہیں لیا جا سکتا ہے تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ حق کوفی کا ہے اور اونٹ اس کا ہے لیکن معاویہ نے کہا کہ گزشتہ فیصلہ واپس نہیں لیا جا سکتا۔ بعد میں کوفی کو اکیلے میں بلا کر اس کو اونٹ کی قیمت سے دوگنی قیمت ادا کی اور کہا کہ جب تو واپس جائے تو علیؑ سے کہنا کہ معاویہ کہتا ہے کہ ایک لاکھ ایسے افراد کی فوج سے لڑنے کے لیے تیار رہیں جن کو اونٹ اور اونٹنی کی پہچان نہیں ہے۔

اور ان کے طرفدار عمرو بن العاص جیسے لوگ ہوں اور جن کی حکومت کا طریقہ عوام کو فریب دینا ہو تو کس طرح ایک ایسی حکومت کے خلاف جنگ چھیڑی جا سکتی تھی۔

اگر حسینؑ اس حکومت سے جنگ کرنا چاہتے تو مقدس شخصیتیں بھی آپ کا ساتھ نہ دیتیں، اس کے باوجود حسینؑ اس وقت کسی بڑی مہم کا آغاز کرتے تو یہی معزز لوگ کہتے کیوں ملک کے امن و سکون کو خراب کرتے ہو۔ لوگ آرام کے ساتھ ایک سرگرم زندگی گزار رہے ہیں اب دوبارہ خون خرابے کا سلسلہ نہ ہونا چاہیے۔
حسینؑ اگر لوگوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتے کہ دربار معاویہ کے طور طریق اسلامی معاشرہ کو انحطاط اور ہلاکت کی طرف لے جا رہے ہیں اور اسلام و اسلامیت کو ایک سنگین خطرہ لاحق ہوتا جا رہا ہے تو نادان عوام امام حسنؑ اور علی مرتضیٰؑ کی طرح ان پر بھی دباؤ ڈالنے میں کوئی دریغ نہ کرتے اور اس کا نتیجہ بالکل الٹا نکلتا۔
حسین ابن علیؑ خوب جانتے تھے کہ ان حالات میں اور اس طریقے سے مہم شروع کی گئی تو معاویہ کی سیاست اور اس کی حکومت کی پُرفریب ماحول کو بالکل خاموش اور ساکن کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ ہر شخص کو کسی نہ کسی طرح رام کر لیا جائے گا۔ زور سے یا زر سے،

کیونکہ یہی وہ حیرپیں دنیا دار لوگوں کی مشکل کشا ہیں اور اس طرح ان لوگوں کا کام بنا رہے گا۔

حسین ابن علیؑ نے ریاضی کے انداز میں حساب لگا کر حالات کے دقیق تجزیے کے بعد معاویہ کے دور حکومت میں خاموشی اور کنارہ کشی کو بہتر سمجھا اور اپنے بھائی کے بعد معاویہ کا دور حکومت ختم ہونے تک مدینہ میں خاموشی کے ساتھ دن گزار دیے۔

امام مجتبیٰ حسن بن علیؑ اور معاویہ کے درمیان ہوئے والا صلح کا معاہدہ آپؑ کے انتقال کے بعد غیر موثر ہو گیا بھر کوئی بات باقی نہیں رہا تھا کہ حسینؑ اس کے احترام میں سکوت اختیار کرتے۔ دور معاویہ میں ان کی خاموشی بجز اس کے اور کچھ نہیں تھی کہ انھوں نے مصالح عمومی کو قبول کرتے ہوئے ان حالات میں کسی بھی مہم کو لا حاصل سمجھا تھا۔

ولیعہد کو خلافت مل گئی

معاویہ دنیا سے رخصت ہوا اور یزید نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی۔ یزید لہو و لعب اور عیش و عشرت کا دلدادہ ایک جوان تھا۔ اسے پہلے ہی ولیعہدی مل چکی تھی۔ اب وہ باپ کی جگہ پر بیٹھ کر خود کو خلیفۃ المسلمین کہنے لگا۔

اب حسینؑ کی مہم کا آغاز ہوا۔ یزید کی سلطنت کے پہلے دن کو ہم حسینؑ کی تحریک کا پہلا دن کہہ سکتے ہیں۔

یزید کے برسر اقتدار آنے اور اس کی حکومت کے لائحہ عمل کے اعلان سے

سب تھ ہی تمام حالات و شرائط بدل گئے حسینی مخالفت کے گہرے اور عاقلانہ اقدامات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

حسینؑ کی تحریک کی کیفیت و نوعیت پر گفتگو سے پہلے مناسب ہو گا کہ خود حسینؑ کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کریں۔

حسین علیہ السلام نے کیوں قیام کیا؟

جب کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو انسانی ذہن سب سے پہلے یہ سوچتا ہے کہ یہ واقعہ کیوں پیش آیا؟ اگر واقعہ کے اصل اسباب اور عوامل معلوم ہو جائیں تو پھر وہ مطمئن ہو کر واقعہ کی اصل تفصیلات معلوم کرنے کی فکر کرتا ہے۔ اگر واقعہ کا اصل سبب واضح نہ ہو تو اس کی جستجو کا محور یہی سوال بنا رہتا ہے۔

اسی دلیل کی بنا پر واقعہ طف دکو ذہن کے نزدیک یک مقام، اور حادثہ کربلا کے اسباب و وجوہات کی بحث تمام دوسری بحثوں پر فوقیت رکھتی ہے حسینؑ نے یزید کے مقابل کیوں قیام کیا؟

کیا حسینؑ نے حکومت وقت کے خلاف اپنی خاطر اور اپنے اقتدار کے لیے جنگ چھیڑی تھی؟

حسینؑ نے اپنا آرام و چین ختم کر کے اور ظاہری اسباب کی طرف سے آنکھیں بند کر کے کیوں اقتدار وقت کے خلاف یک بڑی مہم کا آغاز کیا۔

ان کی اس تحریک کا اصل محرک اور عامل کیا تھا؟

اس سوال کے جواب میں مختلف باتیں کہی جاتی ہیں۔ ہر شخص اپنی فکر کے مطابق اس واقعہ کی تشریح اور اپنے افکار و عقائد کے مطابق ڈھالنے کی

کوشش کرتا ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک صرف ایک موضوع تحقیق کا متقاضی ہے تاکہ نوجوان طبقے کی فکر روشن ہو، اس لیے ہم اسی موضوع پر کچھ عرض کریں گے۔

ایک مسئلے کی تحقیق

کہا جاتا ہے کہ زبیر کے بیٹے کی طرح حسین ابن علیؓ کے سر میں بھی ریاست و حکومت کا سودا سمایا ہوا تھا۔ انھوں نے منصب حکومت و امارت تک پہنچنے کے لیے قیام کیا اور اس وقت کے حالات اور تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے بعض اقدامات کیے۔ چنانچہ چار ماہ کے عرصے میں ان کے اطراف ان کے کچھ حامی جمع ہو گئے۔ حکومت وقت بھی کچھ خطرہ محسوس کر کے اس کے سدباب پر آمادہ ہو گئی اور اس وقت کے حالات اور تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے حسینؑ کا محاصرہ کر لیا اور حسینؑ کی مقاومت کی وجہ سے مجبوراً انھیں شہید کر دیا اور ان کے حامیوں کو ہلاک کر دیا یا قید کر لیا۔

حکومت وقت کا اپنے ایک مخالف کو کچل دینا ایک فطری بات ہے۔ اس طرح کے مواقع پر فریقین میں سے ایک غالب آجاتا ہے اور دوسرا مغلوب ہو جاتا ہے۔

یہ بات واضح ہے اس حادثے میں حکومت وقت کی سیاست زیادہ طاقتور تھی، اسی لیے وہ حسین پر غالب آگئی اور حالات پر اس نے تسلط حاصل کر لیا۔

یہ بات بھی روشن ہے کہ اس طرح کی کشمکش کے دوران ایسے اقدامات عمل میں لائے جاتے ہیں جنکو حکومت کا مخالف فریق ظلم و ستم سے تعبیر کرتا ہے

اور اقتدار وقت اپنے موقف کے دفاع اور حکومت کی حفاظت کے لیے اپنے اقدامات کو عین عدل و انصاف قرار دیتا ہے۔

یزید کو جس وقت یہ معلوم ہوا کہ حسینؑ اس کی حکومت کی مخالفت پر تُل آئے ہیں اور انھوں نے تدریجاً بعض اقدامات کر کے اپنی اور اپنے ساتھی مخالفین کی قوت میں اضافہ کر لیا ہے اور ممکن ہے کہ وہ کسی وقت اس کے لیے درد سر بن جائیں تو یزید نے ایک لائق گورنر کا انتخاب کر کے متعلقہ علاقے میں مامور کیا اور اپنے مخالف کا راستہ روکنے اور اس کی سرکوبی کرنے کی سختی سے تاکید کی۔

ابن زیاد کو اقدامات حسین کا سدباب کرنے اور اس شورش کو ختم کرنے کا حکم ملا ہوا تھا۔ اس لیے اس نے اپنے وقت کی سیاست کے مطابق حسینؑ کا راستہ روکا۔ ان پر پانی بند کر دیا۔ پھر انھیں قتل کر دیا۔ ان کے بیوی بچوں کو گرفتار کر کے انھیں مرکز روانہ کر دیا تاکہ ان قیدیوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جا سکے۔

اس تفصیل کے مطابق حسینؑ کا قتل ہونا ایک عام قسم کا واقعہ تھا اور ان کے بچے کچے ساتھیوں کا گرفتار ہونا ایک فطری بات تھی۔ اس قسم کے جنگ و جدل کی انسانی تاریخ میں بہت سی مثالیں ہیں۔ اور تاریخ اسلام بھی اس طرح کے واقعات سے خالی نہیں ہے۔

واقعہ کی اس تفسیر پر یہ اضافہ بھی کیا جاتا ہے کہ سیاست نے اس واقعہ کو بڑھا چڑھا کر دکھایا اور اس مقصد کے لیے مرثیہ و تعزیہ اور داد و فریاد کا سلسلہ شروع کیا گیا ہے۔

کیا یہ صحیح ہے کہ حسین ابن علیؑ حکومت اور خلافت کے لیے کھڑے ہوئے تھے؟ ——— کیا انھیں امارت و خلافت کا لالچ تھا اور اسے حاصل کرنے کے لیے انھوں نے جنگ کی تھی؟

کیا حسین ابن علیؑ اور یزید بن معاویہ کے درمیان وجۂ نزاع صرف ایک مادی مسئلہ تھا اور ان کے درمیان اقتدار کے لیے ہی جنگ ہوئی تھی یا بات اس کے علاوہ کچھ اور ہے؟

یہ ایک ایسا سوال ہے جو واقعہ کربلا کے بارے میں اس قسم کی توضیحات سن کر لازماً پیدا ہوتا ہے۔ سب سے پہلے اس سوال کا کوئی اطمینان بخش جواب ملنا چاہیے۔

کیا یہ بات درست ہے کہ سیاست نے اس واقعہ کو بڑھا چڑھا کر دکھایا، اور اسے آج یہ آب و تاب حاصل ہو گئی اور خود سیاست نے بھی اس کے ذریعہ رنگ و روغن حاصل کر لیا۔ یہ بات ناقابلِ تسلیم ہے۔

کیا سیاست کسی واقعہ کو اس قدر بڑھا چڑھا کر دکھا سکتی ہے کہ لوگ اسے اتنی اہمیت دینے لگیں؟

یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا کامل اور اطمینان بخش جواب ضروری ہے۔

کیا حسینؑ کا حادثہ اور کربلا کا واقعہ فی الواقع ان جیسے واقعات میں سے ایک ہے جو انسانی تاریخ اور اسلامی تاریخ میں بکثرت ملتے ہیں اور وہ ان سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے؟ یا یہ کہ اس واقعہ کو صرف ایک فرد کی وجہ سے امتیاز حاصل ہوا ہے اور اسی کی وجہ سے اس واقعہ کو اس قدر اہمیت حاصل ہوئی ہے؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب دیا جانا چاہیے

ایک مسئلہ کا جواب

ان سوالات کا جواب بلا حرفِ تردید نفی میں ہے۔ اگر ہم حسین بن علیؑ

کی زندگی اور اس تحریک میں آپ کے کردار کا مطالعہ کریں اور اس کا حکومت و اقتدار کے لالچی دنیا پرستوں کے کردار سے موازنہ کریں تو آپ کو دونوں کے درمیان کوئی شباہت نظر نہیں آئے گی اور آپ کسی طرح ان میں یکسانیت پیدا نہیں کر سکیں گے۔

اگر فی الواقع حسین ابن علیؑ نے حکومت کے لیے مہم شروع کی تھی تو کیا انھوں نے یہ کلیتہً غلط کیا تھا؟

جو لوگ معاشرہ میں اجتماعی نقطۂ نظر سے کسی بلند مقام اور مرتبہ کے حامل ہوں اور وہ حکومت کی خواہش رکھتے ہوئے کسی حساس و اہم منصب کو حاصل کرنا چاہیں تو ان کے لیے صرف ایک راستہ ہوتا ہے کہ وہ اقتدارِ وقت سے قربت حاصل کریں اور حکومت کی لغزشوں اور اس کی حرب کاری سے چشم پوشی کریں۔ جب تک کوئی شخص حکومت و اقتدار کے خوشامدیوں میں شامل نہیں ہوتا تو وہ اس کی مشنری میں کوئی جگہ حاصل نہیں کر سکتا ہے اور کسی اعلیٰ منصب پر پہنچ سکتا ہے اور نہ حکومت پر کبھی قابض ہو جانے کی اس کی خواہش پوری ہو سکتی ہے

اب جو لوگ خروج اور بغاوت کی راہ اختیار کرنا چاہتے ہیں وہ بھی اس بات کے لیے مجبور ہیں کہ پہلے نرم رویہ اختیار کریں تاکہ حساس قسم کے عہدوں پر پہنچ جائیں۔ اور پھر ایک خاص تکنیک کے ذریعہ اپنا مقصد حاصل کریں۔

حسین ابن علیؑ کی شخصیت تاریخ کی شہادت کے مطابق ایسی تھی کہ اگر ابتدائی ایام میں وہ حکومت کی اس مشنری سے موافقت کرتے تو صرف یہ کہ وہ انھیں قتل نہ کرتے بلکہ ان کی خاموشی کے صلے میں انھیں کوئی بڑا مقام اور منصب بھی دے دیتے۔

حسین بن علی علیہ السلام خواہ حصول منصب کی راہ اختیار کرتے یا بغاوت کا راستہ۔ اگر انھیں حکومت و ریاست مطلوب ہوتی تو ان کے لیے ہر دو صورت میں حکومت کی قربت حاصل کرنی اور اس کے ساتھ موافقت کرنی پڑتی۔ لیکن حسینؑ کا حال یہ تھا کہ ان کے چہرے سے ایک دن بھی کسی خوش روئی کا اظہار نہ ہوا۔ نہ صرف یہ کہ خوش روئی کا اظہار نہ کیا بلکہ امیر معاویہ جیسے آمر حکمران کے دور میں انھوں نے حکومت کی کوئی قربت حاصل نہ کی۔ اور نہایت حساس مسائل کے بارے میں بھی اس کی تجویزوں کو مسترد کرتے رہے۔

بلاشبہ حسین ابن علیؑ نے معاویہ کے دور میں خاموشی اختیار کی تھی تاہم اگر کسی شخص کے بارے میں یہ فرض کر لیا جائے کہ وہ اقتدار کا طالب تھا تو اس کے لیے یہ ضروری تھا کہ وہ حکومت کے قریب ہوتا۔ اور اس وقت کی ممکنہ تدابیر سے فائدہ اٹھاتا نہ یہ کہ وہ حکومت کی مخالفت کرتا اور حکومت کے عزائم اور مصلوبوں کو تنقید کا نشانہ بناتا۔

جو لوگ ریاست کے خواہاں ہوتے ہیں اور دنیا کی چند روزہ حکومت کے لیے میدان میں اترتے ہیں اور انھیں کسی قطعی خطرہ کا احساس ہوتا ہے اور وہ اپنے قوی دشمن کو مسلط ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ اپنے ارادہ و فکر کو تبدیل کر کے الٹے پاؤں واپس ہو جاتے ہیں تاکہ موافق حالات پیدا ہونے پر بعد میں کسی اور راستے سے میدان مقابلہ میں اتر سکیں۔

لیکن حسین ابن علیؑ جس قدر خطرے کو محسوس کرتے جاتے تھے اسی قدر ان کے قدموں کو ثبات حاصل ہوتا جاتا تھا۔ اور ان کا ارادہ پختہ سے پختہ تر ہوتا جاتا تھا۔ ان کے رفقاء خطرے کی اطلاع دیتے اور ان کے حامی و طرفدار صورت حال سے آگاہ کرتے۔ لیکن حسینؑ ان باتوں کا کوئی اثر لیے

بغیر اپنے ہدف کی طرف بڑھتے چلے جاتے تھے۔

کوفہ کی حالت دگرگوں ہونے سے پہلے تک تو ظاہری اندازوں کے مطابق کامیابی کی امید تھی لیکن مسلمؑ کی شہادت کی اطلاع ملنے کے بعد کامیابی کی کوئی بنیاد باقی نہیں رہی تھی اور کوفہ کی راہ پر جانا اقتدار طلبی کے مقصد سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ حسینؑ دوستوں کے مسلسل اصرار کو نظر انداز کرتے ہوئے اس ہدف کے لیے آگے بڑھتے جا رہے تھے جس کی تفصیل ہم آگے بیان کریں گے۔

اگر حسین ابن علیؑ اقتدار طلبی، حکومت مادی اور دنیوی مقاصد کے لیے پیش قدمی کر رہے ہوتے تو کوفہ میں تازہ تبدیلی کے خطرے کو دیکھتے ہوئے اور مسلم کی شہادت کے بعد رونما ہونے والے غیر موافق حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان کا آٹھویں اور نویں محرم کو تمام خطرات کی پروا کیے بغیر یزید کی طاقت کے مقابل آنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔

اگر حسین ابن علیؑ کا مقصد حکومت ہوتا تو ان کا کربلا میں پہنچنا اور مختلف پیش کشوں کے باوجود سختی سے اپنے موقف پر جمے رہنا اور یہی اور اپنے ساتھیوں کی شہادت کی خوشخبری دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

اگر حسینؑ کے ساتھی دنیا کی بہتر زندگی اور حکومت حاصل کرنے کے لیے آئے تھے تو عاشورہ کی رات انھوں نے نہ حسینؑ کو تنہا چھوڑا اور نہ خود گئے بلکہ ثابت قدم رہے۔ وہ موت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے اور ان فرار کی راہ میں کوئی مشکل درپیش نہیں تھی۔ اس کے باوجود وہ کیوں میدان میں ڈٹے رہے؟

ان تمام باتوں کے علاوہ حسینؑ کی تربیت جس انداز سے ہوئی تھی اور آپ جس خاندان سے تعلق رکھتے تھے وہ واقعہ کربلا کی ان توضیحات سے

کوئی مطابقت نہیں رکھتا جو لوگ پیش کرتے ہیں۔

وہ حسینؑ کہ جس نے علیؑ کے پہلو میں اور زہراؑ کی گود میں تربیت پائی اور جس نے اپنے نانا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کچھ دور بھی دیکھا اور درسگاہِ نبوت کے سائے میں رہے اور ان کا خاندان ایسے انسانوں کا خاندان تھا جو مادی حکومت و ریاست طلبی کا سخت مخالف رہتے ہوئے انسانوں کی ہدایت کے لیے جدوجہد کرتا رہا تھا تو پھر کس طرح حسینؑ دنیوی حکومت کے لیے جنگ کرتے ——؟

مختصر یہ کہ حسینؑ کا خاندان، ان کی سیرت —— اور —— واقعۂ کربلا میں ان کا کردار —— ان میں سے کوئی چیز واقعۂ کربلا کی اس تفسیر سے مطابقت نہیں رکھتی اور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ —— حسینؑ نے خلافت و سلطنت کے لیے جنگ کی ہے —— اور —— بلا خوفِ تردید یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ:

> حسینؑ کی تحریک کا بنیادی عامل اور اصل محرک خلافت و حکومت کی محبت اور اس کا حصول نہیں تھا۔ ان پر جو کچھ کربلا میں گزرا اور انھوں نے جس فداکاری کا مظاہرہ کیا اس کی اتنی سادہ مادی تفسیر نہیں کی جا سکتی۔

ان سوالوں کا جواب کیا ہے؟

اوپر ہم نے جو سوالات اٹھائے ہیں ان کا جواب کیا ہے؟ حسینؑ کو جب معلوم تھا کہ حالات بہت ہی نازک اور خطرناک ہیں تو پھر انھوں نے کیوں اس مہم کا آغاز کیا؟ انھوں نے دوستوں کے مشوروں اور تجاویز کو کیوں قبول

نہیں کیا ——؟

ہر شخص نے حسینؑ پر یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی کہ:

> اس تحریک کا انجام اچھا نہیں ہو گا۔ انھیں اور ان کے ساتھیوں کو شدید خطرات لاحق ہوں گے

لیکن وہ کون سا بڑا مقصد تھا کہ حسینؑ نے تمام مشوروں کو نظر انداز کر کے اسے پورا کرنے کی ٹھان لی تھی اور جس سے کوئی دوسرا واقف نہیں تھا۔

حسینؑ نے خود اس سوال کا صاف صاف جواب کیوں نہیں دیا ——؟

اور جو لوگ ان کے اس سفر کے بارے میں خطرات ظاہر کر رہے تھے اور سوالات کر رہے تھے حسینؑ کیوں ان کے جواب میں کوئی تشفی جواب دیتے تھے ——؟

مختلف روایتوں کے مطابق کسی سے آپ نے کہا:

> "میں ابھی غور کر رہا ہوں۔ بعد میں تمھیں کوئی بات بتا سکوں گا۔"

کسی دوسرے شخص سے آپ نے کہا:

> "میں نے خواب دیکھا ہے، میرے نانا نے مجھے فرمایا ہے کہ تم عراق جاؤ۔ خدا تمھیں شہید اور تمھارے بیوی بچوں کو اسیر دیکھنا چاہتا ہے۔"

یہ بڑی عجیب بات ہے اسلام میں خواب کی اس قدر اہمیت نہیں ہے اور وہ بھی ایک ایسے معاملہ میں جس سے ایک پوری جماعت کی زندگیاں وابستہ ہیں۔ کیا ایک ایسے اہم معاملہ میں حسین ابن علیؑ کسی خواب پر تکیہ کر سکتے تھے ——؟

یہ کتنی حیرت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نہیں چاہتا کہ کسی پر معمولی سا بھی ظلم کیا جائے، وہ کس طرح یہ چاہ سکتا ہے کہ حسینؑ جیسی شخصیت اور اس کے ساتھی ہلاک ہوجائیں اور بیوی بچے قید ہو جائیں۔

حسینؑ کی طرف سے مختلف قسم کے تشنہ جواب اگر دیے گئے تھے تو اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ سوالات کا اصل جواب سوال کرنے والوں کے لیے قابل فہم نہیں تھا اور صورت حال کو اچھی طرح سمجھنا ان لوگوں کے لیے مشکل تھا، اس لیے حسینؑ نے ہر ایک کی فہم کے مطابق جوابات دیے۔

اصل جواب حسینؑ کے ان کلمات کے درمیان نظر آتا ہے جو انھوں نے لوگوں سے ملاقات اور سوالات کے دوران ادا کیے تھے۔

قبل اس کے کہ ہم حسینؑ کے مختلف کلمات سے اس تحریک کے بنیادی عامل اور اصل محرک کا پتہ چلائیں، ایک دوسرے جواب کا مطالعہ کرتے ہیں۔ اسی جواب کو اولین نقطہ کے مساوی حیثیت حاصل ہے۔

حسینؑ اور نانا کی گنہگار امت

اصل مقصد کے بارے میں مختلف باتیں کہی گئی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ:

• حسینؑ ابن علیؑ اپنے نانا کی گنہگار امت کے لیے قتل ہوئے۔ انھوں نے اس لیے جام شہادت نوش کیا اور اپنے بیوی بچوں کو قید کرایا کہ آپ کے نانا کے پیروکار بخشے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے قصوروں اور گناہوں کو معاف فرما دے، وہ اس لیے قتل ہوئے کہ گنہگار امت محمدیہ جنت میں داخل ہو سکے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حسین ابن علیؑ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں یہ کلمات فرمائے تھے:

"اے اللہ! میں نے اپنا عہد پورا کر دیا۔ اب تو بھی اپنا وعدہ پورا کر۔ میں نے عہد کیا تھا اپنے ساتھیوں کو تیری راہ میں دے دوں۔ میں نے انھیں قربان کر دیا۔ میں نے عہد کیا تھا اپنے بیٹے اور بھائی کی جانوں کی نذر پیش کر دوں۔ وہ بھی میں نے پیش کر دی۔ بیوی بچوں کو بھی میں نے تیری راہ میں دے دیا۔ تو نے بھی میرے نانا کی گنہگار امت کو بخشش دینے کا جو قول دیا تھا اسے پورا فرما دے۔"

کہتے ہیں حسین بن علیؑ اس لیے قتل ہوئے کہ ان کے دوست ایک قطرۂ اشک ہی بہا لیں اور دوزخ سے نجات کا فرمان حاصل کر کے جنت میں داخل ہو جائیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اگر کوئی شخص حسینؑ کے غم میں گریہ کرے اور مکھی کے پر کے برابر بھی اس کی آنکھیں نم ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہوں کو بخش دے گا خواہ وہ صحرا کی ریت کے یا درختوں کے پتوں کے برابر ہوں۔

لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حسین ابن علیؑ روز قیامت شفیع بن کر کھڑے ہوں گے ان کی شہادت گناہوں کی بخشش اور نجات کا سبب ہے۔

یہ بھی کہا گیا ہے :

"اے شیعہ! تو گناہ کے طوفان کا غم کیوں کرتا ہے
جب کہ حسینؑ تیرے لیے سفینۂ نجات ہیں۔" [1]

تو سنسنی خیزی سے ان بے بنیاد باتوں کا جواب پوری طرح واضح ہے اس لیے کسی تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔

اگر یہ درست ہے کہ حسین بن علیؑ گنہگاروں کے لیے ہلاک ہوئے اور وہ بھی اس وسعت کے ساتھ کہ مکھی کے پَر برابر بھی آنکھیں نم ہو جائیں تو سارے گناہ بخشے جائیں تو کیا نعوذ باللہ حسینؑ گناہ گاروں کی حوصلہ افزائی کا ذریعہ ہیں؟ اور کیا وہ گناہ و معصیت کے فروغ کا سبب بنے ہیں؟ گناہ خواہ کتنے بھی زیادہ ہوں ایک قطرہ اشک پر بخش دیے جائیں، تو پھر گناہوں کا ارتکاب بڑا آسان ہو جاتا ہے۔

میرا خیال یہ ہے کہ اس طرح کی باتیں سیاست کے ہاتھوں نے اپنے

---

[1] یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان باتوں کا اس سوال سے تعلق نہیں ہے جو حسینؑ کی تحریک کے اصل محرک کے بارے میں کیا گیا ہے۔ بحث کربلا کے اصل اسباب کے بارے میں شروع ہوئی تھی نہ کہ اس سے حاصل ہونے والے نتائج و فوائد کے بارے میں۔ لیکن یہ واضح ہے کہ ہر کام کا اصل محرک اس کے آخری نتائج ہی ہوتے ہیں اور انسان ان ہی نتائج کے حصول کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔ تو کیا اس بنا پر حسینؑ کی جد و جہد کا نتیجہ صرف یہ مطلب ہے کہ گریہ و زاری اور اس کے ذریعہ نجات حاصل کرتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کیا تحریک حسینیؑ کا محرک بس یہی چیزیں رہی ہیں جب حالانکہ ہماری نظر میں یہ نتائج جس قدر بھی ہیں قدرتی ہیں نہ کہ تحریک کے محرک اور عامل۔

مقاصد پورے کرنے کے لیے گھڑی ہیں تاکہ لوگ حسینؑ کے اصل ہدف کو بھول جائیں اور ان کے دماغ میں حسینؑ کے انکار کو کوئی جگہ نہ مل سکے اور اس طرح وہ ظالموں کے لیے نرم چارہ بنے رہیں۔

حسینؑ کے آخری لمحات میں ان کے پاس شمر کے سوا اور کون تھا کہ وہ ان کے اور خدا کے درمیان ہونے والے عہد کی بات سن سکتا۔

کیا شمر نے حسین کے یہ کلمات ہمارے لیے نقل کیے تھے یا یہ ان لوگوں کے پھیلائے ہوئے ہیں جنھوں نے ایسے کئی شمر تیار کر رکھے تھے۔

یہ کیسی عجیب بات ہے کہ حسینؑ پر کچھ رو لیا، دوزخ سے آزادی کا پروانہ حاصل کر لیا ——— اور ——— بغیر حساب کے جنت میں داخل ہو گئے۔

یہ دنیا سراسر حساب ہی ہے اور ایسا دقیق حساب کہ وہ ایک ذرہ برابر گناہ یا نیکی کو نہیں چھوڑتا۔ تو پھر کس طرح ایک پہاڑ ایک تنکے کے بدلے بخش دیا جائے گا۔ اور لوگ بغیر حساب جنت میں چلے جائیں گے [1]

ایک عمر تو گزر دی بغاوت میں ——— مردم آزاری میں ——— لوگوں کا حق غصب کرنے میں ——— مال لوٹنے میں ——— اور ہر طرح کے گناہوں اور معصیتوں میں ——— اس کے بعد بس ایک آنسو بہایا اور سب کچھ دھل گیا ——— کیا یہ بات کسی اعتبار سے بھی قابل قبول ہے؟

---

[1] قیامت کے دن حساب کا مسئلہ بڑا مفصل ہے، اس کی حقیقت اور مطلب واضح طرح بیان کیا گیا ہے۔ اگرچہ بعض متفرق روایات میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو بغیر حساب کے جنت یا دوزخ میں داخل ہوں گے تو اس سے حساب کے ہونے کا ثبوت ملتا ہے نہ کہ نہ ہونے کا۔

کیا اسلام مسیحیت ہے کہ لوگوں کو بپتسمہ دیں اور پھر بے بنیاد باتوں اور خرافات کا سہارا لے کر ان کی تمام لغزشوں اور اعمالِ بد کو بخش دیں۔؟

کیا اسلام کا مقدس آئین آج مسیحیت کی طرح اسی طرح کے حالات میں زندہ ہے کہ بد اعمال افراد کے سخت ترین گناہوں کو لوگ بخش دیتے ہیں اور تھوڑے سے فائدہ کی خاطر بڑے سے بڑے مجرم کو بہشت میں بھیج دیتے ہیں۔

اسلام میں بہشت و سعادت کی راہ بالکل واضح اور روشن ہے گریہ وزاری اور داد و فریاد سے سعادت اور بہشتِ جاوداں حاصل نہیں کی جا سکتی۔

اسلام میں ہر گناہ کی توبہ استغفر اللہ کہنا نہیں ہے۔ ان معاملات استغفر اللہ کہنے سے درست نہیں ہوتے۔ وقف کا مال کھانے، لوگوں کا حق مارنے، دوسروں کے خلاف سازشیں تیار کرنے کے یہ سارے بدترین گناہ صرف کلمہ استغفار پڑھ دینے سے نہیں بخشے جاتے۔

بندگی کے معاملات بھی استغفر اللہ سے درست نہیں ہوتے نمازوں کی قضا پڑھنی چاہیے، روزے رکھنے چاہئیں۔ حج کا فریضہ انجام دینا چاہیے، واجبات الٰہی ادا کرنے چاہئیں تاکہ حسینؑ اور حسینؑ پر گریہ کوئی نتیجہ دے سکے۔

آخر یہ کیسے مسخرہ پن کی بات ہے، لوگوں کو خوش کرنے کے لیے کہا جاتا ہے:

"گریہ سے تمام گناہ بخشے جاتے ہیں اور حسینؑ گریہ کے لیے ہی قتل ہوئے۔"

حسینؑ پر اور ان کے ساتھیوں پر گریہ کے ثواب کے بارے میں جو کچھ

معتبر روایت میں آیا ہے وہ لوگوں کی توبہ اور بپتسمہ کے لیے نہیں ہے بلکہ مجالس حسینی میں شرکت کا شوق دلانے کے لیے ہے کہ لوگ اس غم انگیز واقعہ کو فراموش نہ کریں، حسینؑ کے مقدس اور بلند ہدف سے آشنا ہوں، اسلام کی روح کو سمجھیں اور اس کے فروغ کے لیے کام کریں۔

یہی روایات جو اسلام کے معتقدات، اصولوں اور عقل کے مطابق نہ ہوں قبول نہیں کی جا سکتیں۔ اگر ایسی روایت بعض مواقع پر معتبر بھی شمار کی گئی ہوں تو یقیناً ان کی توجیہ و تفسیر کی جانی چاہیے۔

یہ جواب خام ناقابل قبول ہے کہ حسینؑ گریہ کرنے والوں کے جنتی بن جانے کے لیے قتل ہوئے۔ یعنی ان کی تحریک اور قیام کا بس محرک مصیبت برپا کروانا تھا جس میں بجز گریہ وزاری اور اس کے ذریعہ جنتی بن جانے کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔

یہ صحیح ہے کہ حسینؑ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لیے شہید ہوئے۔ یہ بھی درست ہے کہ حسین بن علیؑ نے لوگوں کو جنتی بنانے کے لیے قیام کیا تھا۔ لیکن گریہ وزاری کے راستے سے نہیں۔

یہ صحیح ہے کہ حسین ابن علی علیہ السلام شفیع ہیں لیکن ان لوگوں کے لیے نہیں جنھوں نے صرف گریہ کیا ہے یا فقط مجالس عزا کا اہتمام کیا یا صرف نذر و نیاز کی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ حسین ابن علیؑ سفینۂ نجات ہیں۔ صرف حسینؑ ہی نہیں

۔ شفاعت کی بحث خاص اور عام نظر سے بہت ضروری و مفصل ہے اس کے لیے تفسیر المیزان سے رجوع کریں۔

بلکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان "کشتی نجات" سب کے لیے ہے لیکن ان لوگوں کے لیے نہیں جنہوں نے دنیا میں ایک عمر گزار دی اور صرف شہید حسین اور پیرو ہونے کی بنا پر نجات کے منتظر ہیں۔

حسین بن علیؑ شہید ہوئے تاکہ لوگوں کو جنت کا راستہ دکھائیں اور راہ سعادت کی جانب ان کی راہنمائی کریں۔ حسین ابن علیؑ نے یزید اور یزیدیوں سے اس لیے جنگ کی اور قتل ہوئے تاکہ شراب خوری، قمار بازی، جنسی بے راہ روی، مردم آزاری، ظلم، بیت المال میں بے حساب خرد برد اور لوگوں کا مال کھانے کا اور ایسے تمام جہنمی اعمال کا سدباب ہو سکے۔

قیام حسینؑ کی دلیل

گزشتہ سوالات کا جواب دیتے ہوئے ایسے مضامین بھی بیان کیے گئے جو قابل ذکر و بحث نہیں تھے۔ اب اصل اور بنیادی جواب کی جانب توجہ دیتے ہوئے امام حسینؑ کے قیام اور تحریک کے اصل محرک کی تشریح کرتے ہیں۔

مردان حق اور کامل انسانوں کے نقطۂ نظر سے اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے عام حالات سخت پریشان کن تھے۔ اسلامی حکومت نے بدترین طرز عمل اختیار کر رکھا تھا۔ اور وہ نہایت نازک انحراف کا اظہار دے رہی تھی۔

؂ ایک مشہور حدیث نبویؐ کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "میرے اہل بیت سفینۂ نوحؑ کی مانند ہیں جو اس میں سوار ہو گیا نجات پا گیا اور جس نے اس سے منہ پھیرا وہ غرق ہو گیا۔"

ایک ایسا شخص خلیفۂ وقت بن بیٹھا تھا جو لوگوں میں سب سے زیادہ بدخو، قمار باز، عیاش اور شرابی تھا۔ اخلاقی و اسلامی پابندیوں سے آزاد، دنیا پرست، عیاش اور خلاف شریعت اعمال و افعال میں ملوث تھا۔ خود کو خلیفۃ المسلمین کہتا تھا، اسلام اور اسلامی مقدسات سے اسے کوئی وابستگی نہیں تھی۔ اسلام اور خلافت اسلامی کو ایک مادی حکومت اور دنیوی سلطنت سمجھ کر وہ امور مملکت انجام دے رہا تھا۔

وہ باغی، شرابی و عیاش شخص کہتا تھا:

لعبت هاشم بالملك فلا
خبر جاء ولا وحي نزل ؂

ایک ایسا شخص اقتدار پر قابض ہو گیا تھا جس نے پیغمبر اسلام کو تو قبول نہیں کیا تھا البتہ آپ کی نیابت کی مسند پر بیٹھ گیا تھا اور اپنے باپ کی حکومت کے عوام فریب طریقوں پر چل رہا تھا۔

انسانی زندگی پستی میں گر رہی تھی۔ فکر و دانش کمزور ہو چکی تھی۔ فرد اپنی شخصیت اور استقلال سے محروم ہو چکے تھے۔ جو شخص جہاں بھی تھا سخت کچلا ہوا اور دبا ہوا تھا اور وہ اپنا سر نہیں ہلا سکتا تھا۔ ہر طرف خوف و سراسیمگی اور وحشت و دہشت کا ماحول تھا۔

خطرناک اور ڈھیٹ قسم کے لوگ مرکز کے ساتھ ساتھ تمام صوبوں اور شہروں میں مسلمانوں پر مسلط ہو گئے تھے۔

؂ بنی ہاشم نے سلطنت کا کھیل رچایا ہے ورنہ نہ کوئی پیغمبر مبعوث ہوا اور نہ کوئی وحی نازل ہوئی۔

حکومت سے وابستہ افراد عام طور پر یزید کے سے اطوار رکھنے والے اس کے ہم فکر اور ہم مسلک تھے۔

کیا ان حالات میں حسینؑ، حسینؑ جیسے لوگ خاموش بیٹھے رہ سکتے تھے؟!

کیا یہ ممکن تھا کہ وہ بیٹھے رہیں اور دیکھتے رہیں کہ اسلام جو اس قدر تکالیف اور محنت کے ساتھ اور اتنی قربانیوں کے ساتھ پھیلا تھا اور نافذ ہوا تھا، وہ اسلام کے اصولوں سے انحراف کرنے والے ایک شخص کے ہاتھوں پامال ہو جائے اور اس کی وجہ سے موجودہ اور آئندہ نسل کے ہزاروں انسان گمراہ ہو جائیں، اس عالم میں سکوت اختیار کرنا ممکن تھا؟ حسینؑ اور حسینؑ کی راہ پر چلنے والوں کے لیے ان حالات میں خاموشی ایک بڑا گناہ تھی ؎

اگر دیدی کہ نابینا و چاہ است
اگر خاموش بنشینی گناہ است

"اگر تو دیکھے کہ کسی نابینا کی راہ میں کنواں ہے اور خاموش بیٹھا رہے تو یہ گناہ ہے۔"

ایک نکتہ

یہ بات درست ہے کہ یزید برسر اقتدار آنے سے پہلے ہی بے راہ رویوں کا شکار تھا۔ شراب نوشی کو اس نے ترک نہیں کیا تھا اور شعر و شراب اس کے منہ سے نہیں چھوٹے تھے لیکن یہاں ایک بڑا حساس نکتہ ہے جس پر غور ہونا چاہیے کیونکہ ساری چیخ و پکار اسی نکتے سے وابستہ رہی ہے۔ حسین بن علیؑ کا اصل محرک بھی یہی موضوع تھا۔ حسینؑ کے قیام اور ان کی لڑائی کا بنیادی محرک یہی تھا

"واقعہ کربلا کے پیش آنے کی اصل وجہ اسی ایک نکتہ میں پوشیدہ ہے اور وہ اسلامی قانون کی اہمیت، اسلام کے اصول و ضوابط کی حفاظت کا نکتہ ہے۔

دو قسم کے گنہگاروں کے درمیان بڑا فرق ہے۔ ایک گنہگار وہ ہے جو اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے اور کہتا ہے:

"نفسانیت مجھ پر غالب آگئی اور حالات نے میری مدد کی اور اب میں گرفتار ہو گیا ہوں۔"

اس کے برعکس دوسرا گنہگار ہٹ دھرمی کا رویہ اختیار کرتا ہے اور بڑی ڈھٹائی کے ساتھ کہتا ہے:

"یہ گناہ کیا چیز ہے، اس کے معنی کیا ہیں؟"

وہ بے کئے کو جائز اور درست کہتا ہے اور اس قانون کو جس کی رو سے وہ گناہ گار قرار پاتا ہے پرانا اور قدیم کہہ کر رد کر دیتا ہے۔ وہ اپنے عمل کو باعث ثواب بلکہ سعادت اور خوش بختی تک پہنچنے کا ضروری اور قریبی راستہ سمجھتا ہے۔

یزید گری خلافت سے پہلے شراب پیتا تھا، جو معصیت تھا، عملی بے راہ روی کا شکار تھا، درحقیقت اعمال کے وسائل میں خورد برد کرتا تھا تو اس کا یہ کام ایک ایسے عام مسلمان کی حیثیت سے تھا جو معاویہ کی حکومت سے تعلق رکھتا تھا اور وہ معاویہ کا بیٹا تھا جو باپ کے دربار سے ناجائز استفادہ کرتا تھا اور عام لوگوں کی نظر میں اس کی یہ خلاف ورزیاں معمولی نوعیت کی شمار ہوتی تھیں اور قانونی نقطہ نظر سے قانون کا احترام پوری طرح محفوظ سمجھا جاتا تھا۔" (حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

لیکن جب خلیفہ کی حیثیت سے پیغمبرؐ کے جانشین اور مسلمانوں کے رہبر کی حیثیت سے بھی وہ ان تمام غلط کاموں کو جاری رکھنا چاہتا تھا اور وہ بھی دربارِ خلافت میں۔

اگر مملکتِ اسلامی کا سربراہ خلیفہ اور مسلمانوں کا رہبر علی الاعلان اسلامی مقدسات کو پس پشت ڈال دے تو اس صورت میں دوسرے لوگوں کا کیا حال ہو جاتا ہے یہ بالکل ظاہر ہے۔ اگر یزید اپنے دربار میں اسلام کے اصولوں کو پامال کرے تو حکام و گورنروں کی کیا حالت ہوگی ——— ؟ یہ بھی واضح ہے۔

اگر مملکت کے سربراہ خلافِ اسلام اعمال کے مرتکب ہوں تو عوام کا کیا عالم ہوگا؟

بالخصوص غلط کام اسی صورت میں انجام پاتے رہیں اور پھر ایک مدت گزر جائے اور کوئی مخالفت نہ ہو تو پھر ان کاموں کو قانونی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے اور حکومت کے سربراہوں کی خواہشات کی تکمیل کی خاطر تمام اسلامی مقدسات کا احترام یکے بعد دیگرے ختم ہونے لگتا ہے۔ اور اسلام اور قوانینِ اسلامی کی جگہ ان کا کردار اور ان کا طرزِ عمل لے لیتا ہے۔

حسینؑ کے ارشاد کے مطابق:

"فعلی الاسلام السلام"

"اگر ایسا ہے تو پھر اسلام کا خدا حافظ"

---

۱) [illegible] شخصیتوں اور گورنروں [illegible]
[illegible] یزید کی ولی عہدی کے بارے میں معاویہ سے ہو رہی تھی

اس دور میں مسیحیت میں یہ کوشش تھی کہ سربراہانِ مملکت کے مقاصد پورے کرنے اور ان کی رضا حاصل کرنے کے لیے آسمانی کتابوں میں تحریف کر کے ان کو ہی تبدیل کر دیا جائے۔

یہ مسیحیت اور اس کے مذہبی پیشوا تھے جو چند روزہ دنیوی مفادات کے حصول اور درباروں کی خوشنودی کی خاطر نہایت بے شرمی کے ساتھ شراب خواری، عشق بازی اور ایسے اعمال فاسدہ کو اپنایا اور پھر ان عادات صواب کرتے تھے تاکہ اپنے وقت کے سلاطین اور بادشاہوں کی بداعمالیوں کو درست قرار دے سکیں اور ان کے بد کاموں کو مذہب کے مطابق بتا سکیں۔

خلیفہ اور نظامِ خلافت سے وابستہ افراد کے عمل کو آپ ایک صحیح اسلامی عمل سمجھتے ہیں جب لوگ مملکت کے بڑے سرداروں کی جانب سے یہ دیکھیں گے کہ وہ یزید کی پیروی کرتے ہوئے اس طرح کی خلاف ورزیوں کے مرتکب ہوں گے اور وہ مسلّمہ اسلامی اصولوں اور احکامِ اسلام کے ساتھ کھلم کھلا تمسخر کر رہے ہوں گے تو پھر اسلام اور اسلامی ضوابط کا کیا حشر ہوگا؟

کیا اس کے بعد تماشے کے سوا اور کوئی رستہ باقی رہے گا؟ نیست و نابود ہو جانے کے سوا کوئی راہ باقی رہے گی۔

ان حالات میں کیا حسینؑ اور حسینؑ جیسے لوگ خاموش بیٹھ سکتے ہیں؟ کیا ان کے لیے ممکن ہے کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے مفقود کو بیٹھے دیکھتے رہیں ——— نعوذ باللہ۔ ان حالات میں قیام کے سوا کوئی چارہ نہ تھا اور اس کے سوا کوئی راہ باقی نہیں رہ گئی۔

یہ تھا قیامِ حسینؑ کا راز اور اصل سبب۔ حسین ابن علیؑ نے قیام کیا تاکہ اسلام اور مسلمانوں کو سقوط سے بچایا جا سکے۔ انھوں نے [illegible] اسلامی

قوانین محفوظ رہ سکیں۔ حسین ابن علیؑ اٹھے تاکہ لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ شراب خوری اور قمار بازی اسلام میں جائز ہے۔ وہ صنفی بے راہ روی کو جائز نہ سمجھنے لگیں اور یہ نہ کہنے لگیں کہ اس سے اسلام تک کوئی خلل واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ ان کے حکمران خود ان چیزوں کو روا رکھتے ہیں۔

حسین ابن علیؑ نے قیام کیا تاکہ ہر روز ایک نیا رہبر اٹھ کر اپنی خواہش کے مطابق اسلامی اصولوں کے ساتھ کھیلنا شروع نہ کر دے اور دین خدا کو زیر و زبر کرنے کی کوشش نہ کرنے لگے۔

حسین ابن علیؑ میدان میں آئے تاکہ دنیا یہ کہہ سکے کہ جو لوگ اسلامی قوانین کے پابند نہیں ہیں، انہیں اسلامی معاشرہ پر حکومت کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں ——!

حسین ابن علیؑ نے قیام کیا تاکہ دنیا یہ کہہ سکے کہ مسلمانوں کا رہبر اور خلیفہ اور پیشوا ایک ایسا شخص ہونا چاہیے جو صدق دل سے اسلامی احکام اور مقدسات کی پابندی کرے

باپ اور بیٹے کی حکومت کا فرق

یہاں ایک بنیادی سوال پیدا ہوتا ہے۔ یہ انحرافات معاویہ کے زمانے ہی سے اسلام اور مسلمانوں پر مسلط ہوتے چلے گئے تھے اور علی ابن ابی طالبؑ کی شہادت کے بعد سقوط کا خطرہ پوری طرح ظاہر ہو گیا تھا۔ اور اس حد تک ظاہر ہو گیا تھا کہ تمام لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے خصوصاً اس وقت جب یزید کی ولی عہدی کی تجویز سامنے آئی اور معاویہ کا اسلامی اصولوں سے انحراف اور اس کے سخت اقدامات ایک ڈکٹیٹری کی صورت میں انجام پانے لگے۔

معاویہ کے آخری دس سالوں میں احکام اسلامی کے سقوط کا خطرہ پوری طرح واضح ہو کر سامنے آ گیا تھا تو حسین ابن علیؑ نے ان دنوں کیوں سکوت اختیار کیا اور اپنے بھائی حسن ابن علیؑ کی شہادت کے بعد کیوں ذرا سی بھی مخالفت ظاہر نہ کی۔

آخر معاویہ کے زمانے میں بھی حسین ابن علیؑ کے قیام کا محرک موجود تھا اور ان دنوں بھی اسلام اور مسلمانوں کے عمومی حالات یزید کے زمانے سے بہت بہتر نہ تھے اور دونوں کا مقصود ایک ہی تھا۔ بنیادی طور پر باپ کا مذہب، ابوسفیان کے بیٹے ایک مرکزی نقطے سے انحراف کر کے اسلام اور مسلمانوں سے کھیل رہے تھے۔

تو پھر حسین ابن علیؑ نے معاویہ سے کیوں جنگ نہ کی اور اس کی حکومت کے دوران نہ چاہتے ہوئے بھی کیوں غیر جانبدارانہ رویہ اختیار کیے رکھا۔

ہم نے اس سے پہلے انسانوں کی سرنوشت کے عنوان کے تحت جو کچھ لکھا ہے اس میں اس سوال کا جواب موجود ہے یہاں اس کے اعادے کی ضرورت نہیں ہم صرف ان باتوں کا ذکر کرنے پر اکتفا کریں گے جن سے ان دونوں حکومتوں کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔

معاویہ کی حکومت مرکزی اعتبار سے بھی اور اس کے کارپردازوں اور حاشیہ نشینوں کے اعتبار سے بھی یزید کی حکومت سے مکمل طور پر فرق رکھتی ہے۔

معاویہ ایک تجربہ کار دھوکے باز سیاستدان تھا اور سیاست کے حدود سے واقف تھا اور کاروبار سلطنت کا اسے بڑا گہرا تجربہ تھا اور لوگوں کو مختلف طریقوں سے بنا سلیقہ منانے میں وہ بڑی مہارت رکھتا تھا لیکن یزید ایک ناتجربہ کار جوان خام تھا جو عیش و عشرت کا دلدادہ تھا اور وہ ریاست و حکومت کا بھی یہی جو اپنے ہمدردی زمانے کے معشوق و شعر و شراب کے

مشغلوں کو بلا روک ٹوک جاری رکھ سکے۔

معاویہ کے درباری و مقربین عمرو بن العاص جیسے لوگ تھے جو سیاست کے سرد و گرم چشیدہ و تجربہ کار تھے ان میں بہت سی صلاحیتیں تھیں کچھ تو معاویہ کے دین میں بھی نہ تھیں، یہ لوگ اپنی دنیا سنوارنے کے لیے ہر طریقے اور منصوبے سے کام لیتے تھے۔

لیکن یزید کے حاشیہ نشینوں میں سے ایسا ایک شخص بھی موجود نہیں تھا جو حکومت کے کاروبار خود یزید سے کچھ زیادہ جانتا اور سمجھتا ہو۔ وہ سب کے سب مادی حکومت کے آرزومند، خوشامدی، چاپلوس اور ابن الوقت تھے۔

کثیر مالی وسائل جو معاویہ اپنی حکومت کی حمایت اور اسے قائم رکھنے کے لیے فراہم کرتا تھا اور اہم ذرائع و وسائل سے استفادہ کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ یزید یہ سب کچھ نہیں کر سکتا تھا اور بیشتر لوگوں کو راضی کرنا اس کے لیے ممکن نہیں تھا جو معاویہ کے ماتحت کام کرتے رہے تھے وہ بوڑھے ہو گئے تھے لیکن یزید کے ساتھ چلنے کے لیے تیار نہیں تھے۔

سب سے زیادہ اہم بات ملک میں پائی جانے والی ایک عام بیزاری اور انتشار کی کیفیت تھی جو معاویہ کے آخری سالوں کی ڈکٹیٹرشپ کی وجہ سے لوگوں میں پیدا ہو گئی تھی، معاشرہ آہستہ آہستہ بیزار ہو گیا تھا اور تھک گیا تھا اور لوگ دل ہی دل میں کہنے لگے تھے:

> "خدایا! یہ حکومت کب ہمارے سروں پر سے
> ہٹے گی کہ ہم معاویہ کی خود سرانہ حکومت اور
> ڈکٹیٹرشپ سے نجات پا کر آرام و سکون حاصل کر
> سکیں۔ یہ صحیح ہے کہ جب سے معاویہ کی زندگی کے

دور میں یزید کی ولی عہدی سے اتفاق کیا تھا لیکن
خوف اور نیزوں کے دباؤ کے تحت ایسا کیا تھا۔"

لوگوں کی ایک بڑی تعداد نے حسینؑ کے نمائندہ مسلمؑ کے ہاتھ پر کوفہ میں جو بیعت کی تھی اور یزید کے حکومتی اداروں کی لوگ جو پیروی نہیں کرتے تھے تو یہ ان کی طرف سے عام ناپسندیدگی کا ایک ثبوت تھا۔

مدینہ اور کوفہ کے گورنروں کی سہل انگاری، مکہ میں حسینؑ کی آمد کا لوگوں کی طرف سے حتیٰ کہ گورنر کی طرف سے خیر مقدم، معاویہ کی حکومت کے خلاف عام ناپسندیدگی کی علامت تھا۔

ابن زیاد کے نام مدینہ کے گورنر کا خط بھی جو آپ آگے پڑھیں گے اسی ناپسندیدگی کی دلیل ہے۔

یہ اور ایسی ہی دوسری سینکڑوں باتوں نے حالات کو بدل کر رکھ دیا تھا اور معاویہ کے دور حکومت میں حسینؑ نے جو سکوت اختیار کیا تھا اسے یزید کے ساتھ مبارزہ اور جنگ میں تبدیل کر دیا تھا۔

اس بحث کے آخر میں ہم سید کے ارشادات اور مرحوم مجلسی کے نظریے کا خلاصہ پیش کریں گے۔

کتاب تنزیہ الانبیاء کے مصنف سید بزرگوار فرماتے ہیں:

> "اگر کوئی کہے حسین بن علیؑ اپنے بیوی بچوں کے
> ساتھ مکہ سے کوفہ کے لیے کیوں روانہ ہوئے
> حالانکہ یزید کی جابرانہ حکومت حالات پر مسلط
> تھی اور امام حسینؑ کوفہ کے لوگوں کی اس روش
> کو دیکھ چکے تھے جو انہوں نے آپ کے والد

اور بھائی کے بارے میں اختیار کی تھی۔"

"حسین ابن علیؑ اپنے تمام دوستوں اور رفیقوں سے مختلف انداز میں کیوں سوچ رہے تھے؟ اور کوفہ جانے کے لیے کیوں آمادہ تھے جبکہ سب اس سفر کو سود مند نہ سمجھ کر انھیں روکنے کی کوشش کر رہے تھے اور نصیحت کر رہے تھے۔ ابن عباس اور ابن عمر نے تو صراحتاً شہادت کا خطرہ ظاہر کر دیا تھا۔"

"حسین ابن علیؑ کیوں کوفہ کی راہ پر بڑھنا چاہتے تھے جبکہ انھیں مسلمؑ کی شہادت کی خبر مل چکی تھی، اور کوفہ میں رونما ہونے والی آخری بڑی تبدیلی سے وہ واقف ہو چکے تھے؟"

"حسینؑ نے اس بڑے لشکر کا جسے مسلسل مدد مل رہی تھی اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیوں کیا؟"

حسینؑ نے کیوں دشمن کی اس پیش کش اور یزید کے ہاتھ پر بیعت کرنے کی تجویز کو قبول

نہیں کیا جو کربلا میں پیش کی گئی تھی۔ تاکہ وہ اپنے ساتھیوں کی جانیں محفوظ کر لیتے اور خود کو اپنے ہی ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالتے جبکہ ان کے بھائی امام حسنؑ نے حالات کو مخدوش دیکھ کر ٹکراؤ سے بچتے ہوئے صلح کر لی اور معاویہ کے ساتھ معاہدہ کر لیا تھا۔ امام حسینؑ نے اس کے برخلاف راستہ کیوں اختیار کیا؟"

ان سوالات کے جواب میں کلی طور پر کہا جا سکتا ہے:

"امام جب بھی یہ یقین حاصل کرے کہ قیام اور مبارزہ اس کے حق میں جا سکتا ہے تو وہ ان ذمہ داریوں کو پورا کرے جو اس پر عائد کی گئی ہیں اسے یقیناً قیام کرنا چاہیے خواہ کتنی ہی سنگین مشکلات کا سامنا کیوں نہ کرنا پڑے۔"

"حسین بن علیؑ نے نہ ابتداءً خود کوفہ کا راستہ اختیار کیا تھا، اور نہ کوفیوں کو خط لکھے تھے بلکہ کوفہ کے شرفا و قرا نے معاویہ کے زمانے ہی میں امام حسینؑ کو خطوط لکھے تھے خصوصاً امام حسنؑ کی صلح کے بعد وہ ایک دوسری منطق کے ساتھ بحث کرتے تھے اور امام حسینؑ ان کی بحث کا

ضروری جواب دے دیا کرتے تھے۔ امام حسنؑ
کی شہادت کے بعد ان ہی شخصیتوں نے امام حسینؑ
کو زیادہ خطوط لکھے اور امام آئندہ کسی مناسب وقت
کا وعدہ فرما کر امید دلاتے رہے کیونکہ معاویہ کا زمانہ
سخت اور عجیب گھٹن لیے ہوئے تھا۔"

معاویہ کی موت کے بعد کوفہ سے آنے والے خطوط
بھی زیادہ ہو گئے اور ان کے لکھنے والوں کی تعداد
بھی بڑھ گئی ان کی عبارتیں بھی زیادہ شدید ہو گئیں ان
لوگوں نے اس قدر اصرار اور تکرار کی کہ امام حسینؑ کو ایک
طرح کا اطمینان ہو گیا اور ان کی دعوت کو قبول کرنا آپ
کے نزدیک فرض ہی قرار پایا۔

"خطوط کا مدار اور عام حالات اس طرح کے تھے کہ
امام حسینؑ کو یہ احتمال نہیں ہوا کہ کوفیوں کے درمیان
ان کا خلاف رونما ہوگا اور معاملہ اس حد تک
پہنچ جائے گا۔ کیا یہ صحیح نہیں ہے کہ جب مسلمؑ کوفہ
پہنچے تو اکثریت نے باقاعدہ بیعت کر لی تھی۔"

"کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جس وقت ابن زیاد کوفہ آیا
اور اس نے ضروری اقدامات شروع کیے تو شریک ابن اعور

کی عیادت کے لیے اس کی آمد کے موقع پر اس کو
ہلاک کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا۔

"اگر مسلم وہاں ابن زیاد کو ہلاک کرنے کی کوشش میں
کامیاب ہو جاتے تو بلا تردید حضرت حسینؑ کے
لیے سودمند ہوتی اور عوام بغیر کسی جھجک کے کوفہ
آتے اور وہ تمام لوگ آپ کے گرد جمع ہو جاتے جو
آپ سے قلبی تعلق رکھتے تھے۔ اور سب مددگار
بنے ہوئے تھے۔ اور وہ لوگ بھی جو بظاہر آپ کے
دشمن بنے ہوئے تھے آپ سے آملتے۔"

"لیکن مسلم نے اس منصوبے سے اتفاق نہ کیا اور
جواب میں انھوں نے کہا:
ذلك فتك وان النبي صلى الله عليه
واله وسلم قال الايمان قيد الفتك۔
"یہ دھوکا ہے اور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم
نے فرمایا ہے کہ ایمان دھوکے کے دروازے بند
کر دیتا ہے۔"

"مسلم کو یہ بات معلوم ہو گئی تھی کہ ہانی ابن زیاد کی
قید میں چلا گیا ہے اور ایک عام ردعمل کے تحت

خود پر قیاس نہ کرو:

"کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ پیغمبر خدا کی طرف سے مامور ہوتے ہیں اور تن تنہا لاکھوں افراد سے جنگ کرتے ہیں اور بت پرستوں کے معبودوں پر تنقید کرتے ہوئے ان کی راہ و رسم کی مخالفت کرتے ہیں، وہ اس راستے میں پیش آنے والی تمام زحمتوں اور مشکلات کے مقابل صبر اختیار کرتے ہیں، اس کے بعد خطرہ ایسا کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔"

"اگر آپ حسین ابن علیؑ کے اس سارے طرز عمل پر غور کریں تو بخوبی آپ پر یہ ظاہر ہوگا کہ آپؑ نے خود کو اپنے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین پر فدا کر دیا اور اپنی شہادت کے ذریعہ دولت بنی امیہ کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا اور ظالموں کے کاموں اور منافقانہ رویے کو دنیائے اسلام کے سامنے بے نقاب کر دیا۔"

"اگر حسینؑ موافقت یا سکوت کا رویہ اختیار کرتے تو ان لوگوں کی سلطنت زیادہ مضبوط ہو جاتی اور بتدریج تمام ارکان دین برباد اور ہدایت کے آثار پامال ہو جاتے دراصل مسند لوگوں رشتہ ہو جاتا

اور وہ بنی امیہ اور یزید کی جابرانہ حکومت کو عین اسلام کے مطابق سمجھنے لگتے۔"

مرحوم مجلسی اپنے ارشادات کو اس طرح بڑھاتے ہیں:

"آپ جانتے ہیں کہ حسین ابن علیؑ مدینہ سے باہر نکل گئے تاکہ وہاں شہید نہ کیے جائیں۔ مکہ بھی باہر چلے گئے۔ جب آپؑ سے لوگوں نے کہا: عمر ابن سعد بن عاص امیر الحاج کے طور پر مکہ آ رہا ہے اور اپنے ساتھ یزید کی خفیہ ہدایت رکھتا ہے کہ اس جمعیت کے ذریعہ جو اس کے ماتحت دی گئی ہے ہر قیمت پر آپ کو گرفتار کرے یا قتل کر دے۔"

"کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ امام حسینؑ نے اپنے بھائی محمد بن حنفیہ کو جو انھیں سفر کوفہ پر روانہ ہونے سے روک رہے تھے کیا فرمایا:
بھائی میں ایک ایسی صورت حال سے دوچار ہوں کہ میں جہاں بھی پوشیدہ ہونے کی کوشش کروں گا وہ مجھے باہر کھینچ کر لے آئیں گے اور جب تک میرا خون نہ بہا لیں انھیں چین نہیں آئے گا۔"

"یہ بات بھی بہت واضح ہے کہ اگر حسینؑ ان سے

امن کا معاہدہ کرتے یا بیعت کر لیتے تب بھی وہ آپ کو آزاد نہ رہنے دیتے۔ مروان مدینہ کے گورنر سے کہتا ہے:

حسین کو قتل کرنا ضروری ہے۔

حالانکہ ابھی آپ کے سامنے بیعت کی پیشکش نہیں کی گئی تھی۔ اسی طرح ابن زیاد ہدایت دیتا ہے کہ حسینؑ کو پیشکش کرو کہ وہ خود کو ہمارے حوالے کر دیں تاکہ ہم ان کے بارے میں کوئی فیصلہ کر سکیں۔ ابن زیاد اور اس کے کارندوں نے مسلم بن عقیل کو پہلے امان دی۔ اور بعد میں انھیں قتل کر دیا۔ اس صورت میں حسینؑ کا خود کو حوالے کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔"

اس کے برعکس معاویہ ان تمام خرابیوں کے باوجود ایک زیرک، چالاک اور دنیا ساز آدمی تھا اور جانتا تھا کہ اس فرد کو قتل کرنا عوام کے غضب کا سبب بن سکتا ہے اور اس صورت میں لوگ بغاوت کر کے اس کی حکومت اور ریاست کو ختم کر سکتے ہیں۔"

اسی لیے معاویہ بظاہر صلح کا رویہ اختیار کرتا تھا۔ اور امام حسنؑ کے ساتھ اس نے صلح کی — اور

حسین ابن علیؑ پر الزام تراشی سے احتراز کیا۔"

"وہ اپنے بیٹے یزید سے کہتا تھا
کہیں ایسا نہ ہو کہ تو حسینؑ کے مقابل آئے اور تیری سلطنت برباد ہو جائے۔"

سید اور مجلسیؒ کی تقریریں یہاں ختم ہوتی ہیں۔

معزز قارئین! اب آپ خود فیصلہ کریں اور دیکھیں کہ حسین ابن علیؑ نے کس مقصد کے لیے قیام کیا تھا؟ اور وہ کس لیے شہید ہوئے؟

انھوں نے خدا کے دین کی حفاظت کے سبب قیام کیا تھا اور اسی راہ میں شہید ہو گئے تھے۔

وہ اس لیے قتل ہوئے کہ یزید اور یزید جیسے لوگوں کی بدعات اور انحرافات کا راستہ روکا جائے۔ انھوں نے جد کے دین کو جب اسی خطرہ میں دیکھا اور اسلام اور مسلمانوں کو سقوط سے نجات کے لیے جدوجہد کی۔ انھوں نے بڑی دلچسپی کے ساتھ حالات کا جائزہ لینے کے بعد ایسا اقدام کیا جو ہر صورت میں نتیجہ بخش ثابت ہو سکے۔

اب جبکہ قیام امام حسینؑ کی اصل علت اور مبادی دلیل کی روشنی میں واضح ہو کر سامنے آ گئی ہے۔ ہم اس عظیم مقصد کے لیے حسینؑ کے مکتب عمل پر نعرہ لگاتے ہیں۔

٭ایک بار پھر
دو مخالف سمتوں کے قطب،
ایک دوسرے کے قریب ہو رہے
ہیں ——
یہ دو متضاد قوتیں ——
ایک نقطہ کی جانب بڑھ رہی ہیں۔
ایک بار پھر ——
حق و باطل —— میدانِ جنگ
میں اترنے والے ہیں۔
استعمار کے علمبرداروں ——
اور ——
حریت و ایمان کے مجاہدوں کے
درمیان دوبارہ ——
رزم آرائی کے لیے میدان تیار ہو
رہا ہے،
تاکہ کئی ہزارویں بار ——
—— پھر یہ ثابت ہو جائے کہ حق و آزادی
فتح مند ہیں اور باطل و استعمار ——
—— شکست خوردہ ہیں۔

قیامِ حسینؑ کا آغاز ہوتا ہے

جیسا کہ ہم نے بتایا، حکومتِ معاویہ کا آخری حکم جو ردعمل ہوا اور جس کے بعد معاویہ اس دنیا سے رخصت ہوا وہ اس کے بیٹے یزید کا ولی عہدی کی بنا پر زمامِ حکومت سنبھالنا تھا۔

ایک ایسا جوان جسے حکومت و ریاست کے منصب پر پہنچنے کے لیے معمولی زحمت بھی نہیں اٹھانی پڑی تھی آج وہ برسرِ اقتدار آ گیا تھا اور خود کو ایک بلند مقام پر فائز اور کچھ لوگوں کو اپنے اطراف غلاموں کی طرح حلقہ بگوش دیکھ رہا تھا۔

ایک تیار لشکر، کثیر وسائل سمیت مال، اور وسیع و عریض ملک ایک ناتجربہ کار و ناپختہ جوان کے زیرِ اختیار آ گیا تھا۔

پہلا فرمان جو یزید کے برسرِ حکومت آنے کے بعد جاری ہوا وہ ایک خط تھا

یہ جو ماہ رجب ۶۰ھ ہجری کو مدینہ کے نائب کو لکھا گیا تھا۔ اس خط میں معاویہ کی موت اور یزید کے برسر اقتدار آنے کا ذکر کرنے کے بعد یہ حکم دیا گیا تھا کہ لوگوں سے دوسری بار بیعت لی جائے اور خاص طور پر حسین ابن علیؓ سے موافقت میں رائے حاصل کی جائے۔

مدینہ کے گورنر ولید بن عتبہ نے بڑے احترام کے ساتھ امام حسینؓ کو اپنے پاس بلایا اور معاویہ کی موت کی خبر دی۔ پھر بیعت حاصل کرنے کے لیے اپنی ذمہ داری کا ذکر کرتے ہوئے اس بارے میں آپ کی رائے دریافت کی۔

حسین ابن علیؓ نے معاویہ کی موت کی خبر سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور بیعت کے بارے میں آپ کا ارشاد یہ تھا:

"عام طور پر اس طرح کی بیعت لوگوں کے سامنے
اور عام مجمعوں میں لی جاتی ہے نہ کہ خصوصی مجلس
میں۔"

آپ یہ فرما کر اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔
مروان بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے ایک جملہ کہا جس کا مفہوم یہ تھا:

"ولید اسی وقت حسینؓ سے بیعت لینا چاہیے
ورنہ ...."

حسین ابن علیؓ نے اس پر برہم ہو کر فوراً کہا:

"تو اور تیرا امیر اس معاملہ میں بہت چھوٹے ہیں کہ
میرے قتل کا فیصلہ کر سکیں البتہ تو اپنے اصل
اور بدطینتی کا اظہار کر سکتا ہے۔"

یہ جواب دینے کے بعد آپ گورنر ہاؤس سے باہر نکل آئے — تاریخ طبری۔

دارالامارہ سے باہر نکلتے ہی آپ کی زندگی کا پرسکون اور خاموش باب ختم منقطع ہو گیا۔ فکر و پریشانی کی ایک دنیا آپ پر کھل گئی۔ اب حسینؓ ان حالات میں جو حکومت کی تبدیلی کے ساتھ رونما ہو گئے تھے نئی ذمہ داریوں کے بارے میں سوچنے لگے۔

حسین ابن علیؓ گھر واپس آ گئے لیکن آپ کے چہرہ سے ہی یہ عیاں تھا کہ آپ سخت مضطرب ہیں اور کسی دوسری دنیا کے بارے میں فکر فرما رہے ہیں۔ آپ گھر سے باہر تشریف لاتے اور جو بھی آپ کے پاس حاضر ہوتا ایک نگاہ میں جان لیتا کہ یہ چہرہ پہلے والا چہرہ نہیں ہے۔ کسی خاص موضوع نے حسینؓ کو اپنی جانب متوجہ کر رکھا ہے۔

حسینؓ اپنے نانا پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حرم میں داخل ہوتے لوگ آپ کو وہاں تشریف فرما دیکھتے اس معلوم ہوتا جیسے آپ اپنے نانا سے کچھ کہہ رہے ہوں —— حسینؓ کی حالت دگرگوں ہے۔ یہ حسینؓ وہ حسینؓ نہیں ہے جو ہمیشہ اپنے نانا کی قبر کے پاس نظر آتا تھا۔ جسے جس حسینؓ کو لوگ دیکھتے تھے وہ ہمیشہ حسینؓ مخلص اور پرسکون تھا لیکن آج وہ غم و اندوہ میں ڈوبا ہوا نظر آ رہا ہے۔ ہر آدمی کا تاثر ان کے چہرے مہرے سے عیاں ہے۔ صاف ظاہر ہے ان کا مدار فکر کسی اور دنیا میں پہنچا ہوا ہے۔

جو بھی اس عالم میں حسینؓ کو دیکھتا، متاثر ہوتا اور آپ کے کلام نے پر رقت طاری کر دیا۔

جیسا کہ پہلے گزر چکا، ہر تاریخ میں اس واقعہ کی تاریخ کے بارے میں لکھا ہے۔
۶۰ھ کے رجب کے آخر میں یہ واقعہ رونما ہوا ہے۔

لوگ کہتے:

"اے فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! آپ کا کیا حال ہے؟"

فرماتے:

"الحمدللہ ——————!"

لیکن آپ کے رنگ سے پتہ چلتا کہ بہت رنجیدہ ہیں۔

"حسین عزیز! آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا کوئی نئی بات پیش آگئی۔؟"

جواب دیتے:

"کوئی نئی بات نہیں۔"

لیکن ہر شخص حیران رہتا تھا کہ کوئی نہ کوئی نئی بات پیش آگئی ہے۔ حسین بن علیؑ کیوں بے آرام ہو رہے۔ وہ ان لوگوں سے یہ بات نہیں بیان کر سکتے تھے۔ ذمہ داری کا دردناک احساس انہیں بے چین کیے ہوئے تھا۔ انتہائی رنج قلب و دل پر بادل چھائے ہوئے ہیں۔ اہم و حساس موضوعات نے ان کے ذہن و فکر کو مصروف کر رکھا تھا۔

حسینؑ دل ہی دل میں سوچتے ہیں۔ معاویہ کے رخصت ہونے اور یزید کے برسرِ اقتدار آنے سے مسلمانوں کی حالت کیا ہو جائے گی۔

کیا یزید کی جدید حکومت کا لائحہ عمل وہی سیاسی لائحہ عمل ہوگا جو معاویہ کی حکومت کا تھا؟

کیا یزید اسی قابلِ شرم اور رسوا امر کو برقرار رکھنا چاہے گا؟

کیا یزید منصبِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد بھی انہیں خرابیوں کی سرپرستی

کرے گا جو اس کے باپ کے زمانے میں موجود تھیں؟

کیا امورِ خلافتِ اسلامی کو اپنے ہاتھ میں لینے کے بعد بھی یزید قمار بازی، شراب خوری، جنسی آوارگی اور خلافِ شریعت مشاغل کو ترک نہیں کرے گا؟

یا یزید ایک اصول پسند، سمجھدار، عقلمند اور تجربہ کار انسان کی طرح کام کرے گا جو اپنے باپ کی حکومت کے بحرانات کی تلافی کرے اور اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کے لیے آمریت کو ترک کر کے عام لوگوں کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کرے اور اس مقصد کے لیے اقدامات کا ایک سلسلہ شروع کرے۔

اس کے برعکس اگر یزید صرف اپنی دنیا کے لیے کام کرنا چاہتا ہے تو وہ بڑا دنیادار بن کر ماضی کی خرابیوں کا کچھ ازالہ کرتے ہوئے اور اسلام اور مقدساتِ اسلامی کے ساتھ تعلق ظاہر کرتے ہوئے عوام کو اپنے مخلص ہونے کا تاثر دے گا اور اپنے باپ کی سیاست کو اپنائے گا۔

جس قدر میں جانتا ہوں بلکہ اس مملکت کے بہت سے لوگ جانتے ہیں۔ یزید ایک ناتجربہ کار اور ناپختہ جوان ہے۔ ایک ایسا جوان جس نے اپنے اوقات شام کے محلوں اور پرفریب مقامات پر خوبصورت گلوکاروں اور رقاصوں کے ساتھ گزارے ہوں وہ کس طرح ذہین اور سمجھدار سیاستدان بن سکتا ہے۔

یزید کی دمشق کے ساتھ اس کی دلچسپی اس حد تک شدید ہے کہ وہ اس سے دامن نہیں چھڑا سکتا۔ وہ اپنے باپ کے زمانے میں اس قدر اپنی دلچسپیوں میں منہمک رہتا تھا کہ کسی کی نصیحتوں پر کان نہیں دھرتا تھا اور معاویہ کے اصرار کے باوجود دربار میں اور سیاسی مجالس میں آمد و رفت نہیں رکھتا تھا۔

اگر ایسا نہیں تو بہت زیادہ بعید نظر آتا ہے کہ یزید ایک عاقل مرد کی طرح ماضی کی خرابیوں اور انحرافات کی تلافی کرے گا۔

بنی امیہ کے زمانے کی حالت شروع سے لے کر آج تک بخوبی معلوم ہے
یہ ایسے لوگ نہیں ہیں جو اسلام کے علمبردار ہوں اور اس کی ترقی کی فکر کریں۔
درحقیقت یہ کہ ان لوگوں نے اسلام کی ترقی کی کوئی فکر نہیں کی۔ ماضی کے تجربات
کے مطابق ان لوگوں نے دشمنوں اور مخالفوں کی طرح اسلام کو نقصان پہنچایا یہاں
تک کہ معاویہ اور مروان کو قرار دے کر ان کے خلاف اٹھ کھڑا ہوا۔ مختصر یہ کہ اسلام
اور اسلامی مناصب انھیں اپنی حکومت کے لیے چاہیے تھے وہ خود اسلام کی خدمت
کے لیے نہیں تھے۔

اس حالت میں اسلامی مقدسات کا کیا حال ہوگا؟ اسلام اور مسلمان
کہاں جائیں گے ـــــ، اسلام کس دن کا انتظار کرے گا ـــــ؟
میرے نانا ـــــ میرے باپ ـــــ میری ماں ـــــ اور
میرے بھائی کی محنتوں اور صعوبتوں کے اس ثمر کا مستقبل کیا ہوگا؟
کتنے پاکیزہ لوگ تھے جنھوں نے اپنا خون احکام الٰہی کے لیے بہایا۔ اب
وہ بنی امیہ کے ہاتھوں پامال ہو رہا ہے
سب سے زیادہ فکر کی بات میرے لیے یہ ہے کہ دین کی بنیاد و
اساس کی حفاظت کے لیے میری ذمہ داری کس حد تک پہنچتی ہے؟

اے خدا! کیا میں بیٹھا رہوں اور دیکھتا
رہوں، اسلام اور مسلمان سقوط و زوال کی
راہ پر جا رہے ہیں کیا کل تیری عدالت میں
مجھے جواب دینا ہوگا۔
اے پروردگار کیا میں قیام کروں ـــــ؟
کیا میں کوئی قدم اٹھاؤں ـــــ! کیا

مسلمان میرا ساتھ دیں گے ـــــ یا مجھے
تنہا چھوڑ کر غفلت میں غوطہ دے دیں گے ـــــ؟
غفلت کا نتیجہ تو میرے لیے کوئی اہمیت نہیں
رکھتا۔ سوال یہ ہے کہ کیا میں اپنا مقصد حاصل
کر سکوں گا ـــــ؟ کیا اسلام اور مقدسات
اسلامی کی طرف بڑھنے والے گناہگاروں کے
ہاتھ کوتاہ ہو سکیں گے ـــــ؟

یہ تھے وہ افکار و خیالات جن میں حسینؑ کے دل و دماغ ڈوبے ہوئے
تھے اور جن کی وجہ سے آپ کا چین رخصت ہو چکا تھا۔

حسینؑ عزم کر لیتے ہیں

آخری فکر جس نے حسینؑ کے عزم و ارادے کو یکسو کر دیا وہ یہ
بحث تھی۔ حسینؑ اپنے آپ سے کہتے ہیں:

«اگر میں مدینہ میں رہتا ہوں اور یزید کی حکومت کے ساتھ
موافقت کرتا ہوں تو میرا یہ عمل اسلام کی تباہی
کے مترادف ہوگا اور میں مرتکب جرم قرار دیا جاؤں گا
اگر ایمان بیچنے والے تاجر اور مزدور نہیں تھکے،
اگر صنعت کار و کسان ظلم سے عاری ہیں، اگر زور
اور سود خوروں کو احساس نہیں ہے تو کیا ہوا میں
اس حقیقت کو جانتا ہوں کہ یزید کی جابرانہ
حکومت اپنے سیاہ کرتوت کے ساتھ اسلام اور

مسلمانوں کو کہاں لے جائے گی۔ میری موافقت ہی نہیں بلکہ میرا سکوت اور میری خاموشی بھی خطرناک ثابت ہوگی۔ شام کی حکومت اس فرصت سے فائدہ اٹھا کر اپنے شیطانی منصوبوں کو روبعمل لے آئے گی۔ اگر عوام ان منصوبوں سے بے خبر ہیں، اگر معاشرہ کا دوسرا درمیانہ طبقہ ناواقف ہے اگر عام لوگوں کی فکر و فہم کا استحصال کر کے انہیں جہالت کے اندھیرے میں دھکیل دیا گیا ہے تو کیا ہوا۔ میں تو ان تمام باتوں سے بخوبی واقف ہوں، حالات سے باخبر ہوں کس طرح میں ظالموں سے موافقت کر لوں اور کیسے سکوت اختیار کر لوں؟"

• مخالفت کے سوا میرے لیے کوئی چارہ نہیں ہے اٹھ کھڑے ہونے کے سوا میرے لیے کوئی راہ نہیں ہے۔ میرے لیے ضروری ہے کہ میں اپنی خاموشی کو توڑ دوں۔ مجھے جد و جہد کا آغاز کرنا ہوگا۔ ان حالات میں موافقت یا سکوت میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتے۔"

• دوسری طرف سے یہ بات ظاہر ہے کہ یزید کی حکومت اس وقت تک آرام سے نہیں بیٹھے گی جب تک کہ میں اس کے لیے میدان نہیں چھوڑتا۔ شام کی

حکومت اپنے مخالفین کے درمیان جس پر سب سے زیادہ نظر رکھتی ہے وہ صرف میں ہی ہوں۔ وہ میری سب سے زیادہ نگرانی کرے گی اور مجھے قابو میں رکھنے کی کوشش کرے گی۔ اگر میں یہاں رہتا ہوں اور لڑائی کرتا ہوں تو وہ یقیناً میرا محاصرہ کریں گے اور مجھ سے سر تسلیم خم کرنے کا مطالبہ کرنے کے بعد مجھے قتل کر دیں گے۔"

• میرا قتل ہونا اتنا اہم نہیں ہے۔ اصل اہمیت انجام اور نتیجے کی ہے، اگر میں یہاں مارا جاؤں گا یا ایک چھوٹے سے دائرے کے اندر مسلمانوں کو خبر ہوئے بغیر میں قتل کر دیا جاؤں گا تو یزید کی وسیع پروپیگنڈہ مشینری جس طرح چاہے گی میرے عمل کو لوگوں کے سامنے پیش کرے گی یعنی خاص سازشی تدبیروں کے ساتھ میرے خون کو قدموں تلے روند کر اصل حالات کو عوام کی نظروں سے چھپا دے گی۔ اور کسی دوسرے کے بغیر حکومت کے حق بجانب ہونے کے پروپیگنڈے کو جاری رکھے گی۔"

• شہید اور قتل ہونا اس قدر اہمیت نہیں رکھتا۔ شہادت سے زیادہ جو بات اہمیت رکھتی ہے وہ نتیجہ ہے جو اس بڑی قربانی کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ قتل کرنا اور قتل ہونا اگر یہ کام سوجھ بوجھ کے ساتھ کیا جائے تو

ست حد اور اس کے دین کا خاتمہ ہو جانا چاہیے تاکہ وہ نتیجہ بخش اور موثر ہو۔"

• اگر میں یہاں مدینہ ہی میں رہوں اور مسلمانوں کی اطلاع کے بغیر اسی جگہ سے لڑائی شروع کر دوں تو یقیناً میں مارا جاؤں گا اور حکومت اپنی مرضی کے مطابق دنیائے اسلام کے سامنے میرا کردار رکھے گی۔ بلکہ مجھے اسلام کی ترقی کا مخالف اور دشمن بنا کر سب کے سامنے پیش کرے گی۔"

" اس اعتبار سے مدینہ میں رہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ میرے لیے ضروری ہے کہ میں مدینہ سے چلا جاؤں۔ اب ایک ہی راستہ رہ گیا ہے اور مدینہ چھوڑ دینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے تو پھر مجھے جلد از جلد مدینہ سے نکل جانا چاہیے۔"

• مدینہ سے مجھے چلے جانا چاہیے لیکن میں کہاں جاؤں ——— ؟ کس طرح جاؤں ——؟

میں یزید اور اس کی حکومت کے ساتھ موافقت نہیں کرنا چاہتا۔ مجھ پر بڑی ذمہ داری عاید ہوتی ہے میں ان حالات میں قیام اور مبارزہ کو ضروری سمجھتا ہوں۔ لیکن مخالفت اور لڑائی تنہا کوئی معنی نہیں رکھتی۔"

• پہلے درجے میں اس بات پر مجبور ہوں کہ اپنے

مقاصد نظر دنیا کے سامنے پیش کر دوں۔ مسلمانوں کو خبردار کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اگر کل خدا کے حضور مسلمانوں کی کوئی جماعت یہ کہے کہ:

خداوندا! ہمیں کوئی خبر نہیں تھی ورنہ ہم حسینؑ کا ساتھ دے کر ایک جابر حکومت کو اکھاڑ پھینکتے!

اس وقت میں کیا کہوں گا؟ سب سے پہلے لوگوں کو مطلع کرنا چاہیے ..... معاشرہ کو اس سارے معاملہ میں فریق بناؤں تاکہ اس کی ذمہ داری واضح ہو جائے۔ لوگوں کو اطلاع دینے کے بعد ان کی موافقت اور رفاقت کی صورت میں میرا ایک فرض ہوگا اور جب میں بالکل تنہا چھوڑ دیا جاؤں گا تو میری ذمہ داری دوسری ہوگی۔"

• اسی بنا پر میرا اس وقت کا فریضہ لوگوں کو بیدار کرنے اور مسلمانوں کو مطلع کرنے سے تعلق رکھتا ہے۔ افسوس کہ اس کام کے لیے میرے پاس وسائل نہیں ہیں۔"

" جس دنیا میں میں زندگی بسر کر رہا ہوں اس میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن نہیں ہیں۔ جرائد اور مجلے نہیں ہیں، چھاپہ خانے نہیں ہیں۔ اگر ہوتے بھی تو میرے اختیار سے باہر ہی ہوتے۔ اس لیے میں مجبور ہوں کہ اس وقت جو بھی وسائل میسر ہیں انھیں کام میں لاؤں۔"

• اگر میں ان موجودہ وسائل کے ساتھ نئی مہم شروع کروں گا تو جلد ہی حکومت متوجہ ہو کر مجھے گرفتار کرے گی اور اس چھوٹے سے دائرے میں میری جدوجہد کو درمیان ہی میں ختم کر دے گی۔"

• قبل اس کے کہ دنیائے اسلام کو اطلاع ہو سکے میرا حساب صاف کر دیا جائے گا۔ مجھے کوئی ایسا ذریعہ اختیار کرنا چاہیے کہ یزید کی حکومت کے محاصرہ کرنے سے پہلے ہی دنیائے اسلام کو باخبر کر دوں اور لوگوں تک اپنی بات پہنچا دوں۔"

• یہ مہینہ رجب کا مہینہ ہے۔ ماہ ذی الحجہ کے لیے ٹھیک چار ماہ کا عرصہ باقی ہے۔ ایام حج میں لوگ ملک کے تمام علاقوں سے مکہ آئیں گے اس موقع پر وہاں میں اپنی باتیں لوگوں کے گوش گزار کر کے اپنی مہم شروع کر سکتا ہوں۔ اگر قیام اور مبارزہ کا آغاز مکہ سے ہوا تو پورے عالم اسلام کو اس کی خبر ہو جائے گی۔ پھر کسی کے لیے یہ ممکن نہ ہوگا کہ اصل مسئلہ پر پردہ ڈال کر میرے بارے میں غلط پروپیگنڈا کر سکے۔ مکہ میں بات کرنے خصوصاً سیاسی مسائل پر زبان کھولنے اور حکومت کی مخالفت میں زبان کھولنے کا مطلب پوری دنیائے اسلام سے بات کرنے اور اسے آگاہ کرنے کے

مترادف ہے۔ موجودہ حالت میں کہ میں منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کرنا تبلیغ کا ایک بڑا وسیلہ ہے۔ ملک بھر سے آئے ہوئے حجاج کو متوجہ کرنا عالم اسلام کو اس معاملہ میں شریک کرنے کے لیے بہت کافی ہے۔"

• اس لیے میرا مکہ جانا بہت ضروری ہے۔ اسلامی شہروں میں سے کسی شہر کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہے۔ قطع نظر اس سے کہ مکہ خدا کا حرم اور محترم جگہ ہے اور خاص حالات میں اس میں پناہ لی جا سکتی ہے۔ یہ خصوصیات ملک کے کسی دوسرے علاقے کو حاصل نہیں ہیں۔ مجھے فوری طور پر مکہ جانا چاہیے .... بس آج یا کل — قبل اس کے کہ گورنر اور اس سے متعلق افراد میرے اس عزم سے واقف ہوں مجھے مدینہ سے رخصت ہو جانا چاہیے —!"

• کیا میں تنہا جاؤں — یا — عورتوں اور بچوں کو اپنے ساتھ لے لوں؟ فی الحال میں مکہ ہی تک سفر کر رہا ہوں۔ بہتر ہے کہ اپنے خاندان کو بھی ساتھ لے چلوں۔"

"اس صورت میں میرا یہ سفر مخفی نہیں رہ سکے گا، اس کی اطلاع پھیل جائے گی لوگ کیوں اور کس لیے

نہ کہ اس سفر کے اسباب معلوم کر لیے گئے اور کم و بیش لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ گورنر کے ساتھ ہماری بات چیت سازگار نہیں رہی ہے۔ اس بات کے پھیلنے پر حکومت کا ردِعمل کیا ہوگا ________؟ ضروری ہے کہ ہمارے کچھ خاص قریبی لوگ یہاں رہیں اور روزانہ ہونے والی باتیں ہم تک پہنچائیں۔"

اس لیے حسینؑ نے گھر میں قریبی لوگوں کو اپنے اس عزم سے آگاہ کرتے ہوئے ان سے فرمایا:

"میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ مدینے سے مکہ کو رخصت ہو جاؤں۔ میری یہ مسافرت ایسی نہیں ہے کہ تم لوگوں کو یہاں چھوڑ دوں۔ تمہیں میری منزل معلوم ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ مکہ میں ہمارا اپنا گھر ہے اور زیارت کے ایام بھی قریب ہیں۔ کیا اچھا ہو کہ ہم سب کوچ کی تیاری کریں اور مکہ روانہ ہو جائیں۔ تم سب جلد تیار ہو جاؤ۔"

اس ارادے سے صرف افرادِ خاندان کو مطلع کیا گیا۔ یہ ایک مخفی اور پوشیدہ بات تھی اس کے باوجود بنی ہاشم کے افرادِ خاندان کے دوسرے لوگ بھی سن گن لینے کے بعد امام حسینؑ سے ملاقات کے لیے آنے لگے اور اس سفر کے اسباب معلوم کرنے کے بعد بعض نے اس کی مخالفت کی اور بعض نے موافقت۔

ملاقاتیوں کے درمیان دو آدمی ایسے تھے کہ جن کی گفتگو مدلل ہو گئی اور امام حسینؑ

کاروان کی سرنوشت پر یہ مستقیم ترتیب دی گئی۔

سب سے پہلے محمد بن حنفیہ نے جو بھائیوں میں سب سے بڑے تھے ملاقات کی۔ تفصیلی گفتگو کے بعد جب انھوں نے ہمرکاب ہونے کی درخواست کی تو حسینؑ نے فرمایا:

"تم یہیں رہو اور روزانہ کے حالات مجھ تک پہنچانے کا کام انجام دو۔ میرے نزدیک اس کام کے لیے تمہارا تم ہی میں مطلوبہ صلاحیت موجود ہے۔ اس کام کے لیے ایک ایسے بیدار اور دقیق مبصر کی ضرورت تھی جو مدینہ میں شام کی حکومت اور اس کے اداروں کے ردِعمل اور اسی طرح عوام کے خیالات سے مجھے آگاہ کر سکے۔ یہ کام تم ہی بہتر طریقے پر انجام دے سکتے ہو۔ اس لیے تم مدینہ ہی میں رک جاؤ۔"

محمد بن حنفیہ کے بعد زینب کبریٰؑ نے ملاقات کی جو حسینؑ کی سب سے بڑی بہن تھیں اور عبداللہ بن جعفر کی شریکِ حیات تھیں۔ جب انھوں نے محسوس کیا کہ قافلۂ حسینیؑ کی روانگی قطعی ہے کوئی شخص حسینؑ کو اس ارادے سے باز نہیں رکھ سکتا اس حال میں کہ زینبؑ گلوگیر ہو رہی تھیں انھوں نے کہا

"میرے عزیز بھائی حسینؑ! یہاں تم ہی سے میری دل بستگی تھی۔ نانا، باپ اور ماں بھائی کے بعد تنہا یادگار تم ہی ہو۔ تمہاری جدائی مجھ پر بہت گراں گزرے گی کیا میں یہاں رہ کر تمہارے مستقبل کے بارے میں پریشان اور فکرمند رہوں۔ کیا میں گ

تمہاری خدمت میں رہ سکتی ہوں۔؟"

"نہیں، میری بہن نہیں، یہاں تمہارے شوہر ہیں تمہارے بچے ہیں۔ تمہارا گھر بار ہے۔ تمہارا شوہر ایک بزرگ اور مروت شخصیت کا مالک ہے۔ تم پر میرا کوئی اختیار نہیں ہے۔ عبداللہ بن جعفر صاحب اختیار ہیں۔ تم خود اپنے شوہر سے اس بارے میں بات کرو۔ میرے لیے تو اس کے سوا چارہ نہیں ہے کہ یہاں سے روانہ ہو جاؤں۔"

عبداللہ بن جعفرؓ نے زینبؑ کو سفر کی اجازت دے دی اور اپنے دو بیٹوں کو بھی ان کے ساتھ کر دیا۔

حسین بن علیؑ نے تیس گھنٹوں کے اندر اندر اپنے ارادے کو عملی جامہ پہنا دیا۔ حسینؑ روانگی کے انتظامات میں مصروف تھے کہ آپؑ کو اطلاع دی گئی کہ گورنر نے دوسرے مخالفین کو بھی طلب کیا تھا ان کے درمیان بات چیت ہوئی۔ اور عبداللہ ابن زبیر خفیہ طور پر مکہ روانہ ہو گئے ہیں۔ حکومت نے ان کے تعاقب میں اپنے آدمی بھیجے۔ لیکن وہ عام راستے سے ہٹ کر سفر کر رہے تھے اس لیے تعاقب کرنے والے انھیں نہ پا سکے اور ناکام واپس آ گئے۔

ابھی روانگی کے لیے چند گھنٹے باقی تھے کہ حسینؑ اپنے نانا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اپنی والدہ اور اپنے بھائی کی قبر کی آخری بار زیارت کے لیے نکلے۔ مروان نے رستے میں مل کر آپؑ سے کہا:

"میں آپ کو ایک نصیحت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی دنیوی اور اُخروی فلاح اسی بات میں مضمر ہے کہ آپ یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لیں اور خود کو اور دوسروں کو کسی مصیبت میں نہ ڈالیں۔"

حسینؑ نے اس جملے پر جو گورنر ہاؤس میں گورنر کے سامنے مروان سے بولی تھی یہ کہہ کر ایک سطر اور اضافہ کیا۔

"اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ وعلی الاسلام السلام۔"

اگر مروان اس روز حسینؑ کی اس بات کا مطلب پوری طرح نہیں سمجھ سکا تو کیا ہوا۔ بعد میں لوگوں نے اس کا مطلب اچھی طرح سمجھ لیا۔

"اے مروان اگر میں یزید کی منحرف حکومت کے ساتھ موافقت کروں گا تو پھر اسلام کا نشان باقی نہیں بچے گا یزید کی مخالفت اگرچہ بڑی مہنگی پڑے گی لیکن ہم خدا کے لیے ہیں اور خدا کی طرف لوٹ جائیں گے۔"

حسینؑ مدینے سے روانہ ہوتے ہیں

حسین بن علیؑ اتوار کی شب کو جبکہ رجب کے ختم ہونے میں دو روز باقی رہ گئے تھے موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مدینہ چھوڑ کر مکہ روانہ ہو گئے اور روانگی کے وقت آپ وہ آیت پڑھ رہے تھے جس کا تعلق موسیٰ کلیم اللہؑ کے قصے سے ہے:

"فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ قَالَ رَبِّ نَجِّنِي مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ"

قافلہ رات بھر سفر کرتا رہا۔ اس طرح مدینہ سے بہت دور پہنچ گیا۔ افق کی سرخی نمایاں ہوئی۔ آسمان روشن ہونے لگا۔ آفتاب بلند ہوا۔ رفقا میں سے ایک نے آگے بڑھ کر عرض کی۔

• اگر آپ بہتر سمجھیں تو راستے سے ہٹ کر سفر کریں ممکن ہے ابن زبیر کی طرح ہمارا بھی تعاقب کیا جائے اور ہم گرفتار ہو جائیں:

بظاہر یہ تجویز معقول تھی لیکن حسینؑ نے اپنے مقصد اور روشن ہدف کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہا۔

• میں ہرگز راہ راست سے منحرف نہیں ہوں گا جب تک خدا چاہے (حسین کے چاہنے والے تو راہ راست پر چل خدا تیری حفاظت کرے گا۔ راہ راست پہ کوئی گم نہیں ہوتا) •

حسینؑ مکہ میں داخل ہوتے ہیں

حسینؑ کے مبارک قافلے نے مدینہ سے مکہ کا راستہ پانچ دن میں طے کر لیا یعنی آپ ۶۰ھ کے شعبان کی تیسری تاریخ کو مکہ میں داخل ہوئے اس موقع پر یہ آیت آپ کی زبان پر تھی۔

• وَلَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَاءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ •

حسین ابن علیؑ کے مکہ میں آنے کی خبر پھیل گئی تمام لوگ اور معززین آپ سے

ملاقات کے لیے آنے لگے مکہ کے گورنر[۱] سے لے کر دوسرے اداروں کے سربراہ اور منتخب شخصیتیں اور معاشرہ کے دوسرے طبقوں کے لوگ آپ سے ملاقات کے لیے حاضر ہوئے ــــــ!

لوگوں کی آمد و رفت کا یہ سلسلہ ختم ہوا۔ اب ملاقاتوں نے عام صورت اختیار کر لی۔ اکثر ملاقاتوں کی خواہش تھی کہ خلافت کے موضوع پر اور عمومی طور پر سیاسی صورتحال کے بارے میں آپ کا نقطہ نظر معلوم ہو۔

زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ لوگوں نے حسین ابن علیؑ کے سفر کا اصل مقصد جان لیا حسینؑ نے مدینہ اس لیے چھوڑا کہ مدینہ کے گورنر کا مطالبہ آپ کے لیے قابل قبول نہیں تھا۔ اسی مخالفت کی بنا پر آپ مکہ آ گئے۔

بہت جلد یہ خبر پوری مملکت میں پھیل گئی حکومت کے مرکز شام و دمشق کو بھی اس کی اطلاع مل گئی اور دوسرے صوبوں کو بھی معلوم ہو گیا۔

یزید کو معلوم ہو گیا کہ حسین ابن علیؑ مخالف ہیں۔ وہ جس طرح اس کی ولیعہدی کے مخالف تھے اسی طرح اس کی سلطنت و حکومت کے بھی مخالف ہیں۔ اس نے اس معاملے کو دربار میں پیش کر دیا اور اپنے مددگاروں سے مشورہ طلب کیا ابتدائی چند دنوں میں جلد بازی کو سود مند نہ سمجھ کر انہوں نے صبر و تحمل کا مشورہ دیا اور کہا:

• پہلے حسینؑ کی سرگرمیوں اور مخالفت کی وسعت معلوم ہونی چاہیے ممکن ہے حسینؑ مکہ میں رہیں اور خاموشی اختیار کریں اس صورت میں ان کا تعاقب یقینی طور پر رد عمل پیدا کرے گا جیسا کہ مدینہ میں نتیجتوں

---

[۱] مکہ کا گورنر عمرو بن سعید تھا جو اشدق کے لقب سے معروف تھا۔

میں کہا تھا اگر حسین ابن علیؑ نے خاموشی اختیار کی تو
ہمارے لیے یہ بہت کافی ہے۔ ان کا تعاقب کرنا کسی
طرح بھی ہمارے مفاد میں نہیں ہے۔"

کوفہ میں آزادی کی لہر

اس اثنا میں حسینؑ کے مکہ آنے اور آپ کی طرف سے یزید کی حکومت کی مخالفت کی خبر کوفہ میں پھیل گئی۔ کوفہ پانچ سال تک حضرت علیؑ کی حکومت کا مرکز رہا تھا۔ اور شیعانِ علی عراق خصوصاً شہر کوفہ میں بہت زیادہ تھے۔ علی کے طرفدار اس وقت کی صورت حال اور حسن بن علیؑ کے ساتھ جو کچھ پیش آیا اس سے بھی بہت ناراض تھے۔ انھوں نے وقت کا یہ تقاضا سمجھا کہ حسینؑ کی مدد کے لیے آمادہ ہوں۔ شاید اس طرح وہ معاویہ کے دور کے مظالم سے اور اس کے بیٹے کے سیاہ منصوبوں سے نجات حاصل کر سکیں۔

سب سے پہلے یہ سوال جس کے ذہن میں آیا وہ سلیمان صرد تھا۔ اس نے اپنے دوستوں کو دعوت دی اور حاضر تواضع کے بعد حاضرین کی اجازت سے ان سے ایک مختصر سی تقریر کی جو بڑی دانشمندانہ اور دلنواز تھی۔

اس تقریر کا ماحصل یہ تھا۔ سلیمان نے خدا کی حمد اور محمدؐ و آلِ محمدؐ پر صلوٰۃ بھیجنے کے بعد یزید کے ساتھ حسینؑ کے اختلافات اور ان کی مکہ روانگی، وہاں قیام اور سیاسی حالات کا کچھ تذکرہ کیا۔ ساتھ ہی معاویہ کی حکومت کے مظالم بھی یاد دلائے۔ آخر میں ایک تجویز پیش کرتے ہوئے کہا:

"اگر آپ لوگ مناسب سمجھیں تو حسینؑ کو یہاں آنے کی
دعوت دی جائے اور آپ کی مدد کی جائے۔ تاکہ ایک

عادلانہ حکومت کا قیام ممکن ہو سکے۔"

سلیمان کی تقریر کے بعد ایک دوسرا شخص حاضرین میں سے اٹھ کر کھڑا ہوا اور اس نے ایک پرجوش تقریر کی۔ اور جذبات کو ابھارنے اور ایک ہیجان پیدا کرنے والی باتیں کیں۔ مقرر نے کہا:

"علیؑ اور ان کے فرزندوں کی محبت ہماری رگوں میں
ماں کے دودھ کے ساتھ داخل ہوئی ہے اور روح
کے ساتھ باہر نکلے گی۔ ہم اپنے خون کے آخری قطرے
تک حسینؑ کی مدد کریں گے اور اپنے آہنی بازوؤں
سے ظالموں اور جابروں کا سر کچل دیں گے۔ حکومتِ
حق کے قیام کی راہ میں جان تو ایک کمترین سرمایہ
ہے جو لگا دیا جاتا ہے۔ ظالموں کے ساتھ زندگی
بسر کرنا ایک تدریجی موت کے مترادف ہے۔"

مقرر نے کچھ اسی طرح کی باتیں کیں۔

اس کے بعد ایک اور شریک مجلس نے اٹھ کر تقریر کی۔ تیسرے مقرر نے اور بھی شعلہ بار تقریر کی۔ پھر مقررین کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا۔ ہر نیا مقرر پہلے مقررین سے زیادہ پرجوش تقریر کرتا۔ اور سب تقریریں،
آخر میں صدر مجلس نے دوبارہ خطاب کیا اور کہا:

"عزیز ساتھیو! یہ میرا گھر ہے۔ یہاں ہم نے گرم گرم
گرم باتیں کی ہیں۔ ہم سب جمع ہیں اور ہر طرح کے ضروری
اسباب مہیا ہیں۔ آپ نے تقریریں کرتے ہوئے بڑے
جوش و جذبے سے کام لیا اور ہر ایک نے بلند بانگ

باتیں کی ہیں۔ اس دوران میں ایسے پرجوش فقرے
نفسیاتی حرارت سے بہت زیادہ بیت نہیں رہتے ہیں
نے جو تجویز پیش کی ہے وہ کوئی سادہ معاملہ اور فرق نہیں ہے
کسی عام انسان یا اہم و محترم شخصیت کی معزولی کا مسئلہ نہیں
بلکہ یک بڑی اہم بات ہے کسی خاندان یا قبیلے کے وجود
کا معاملہ نہیں ہے بلکہ ایک طاقتور اور مضبوط جڑیں رکھنے
والی حکومت کے ساتھ ٹکر لینے کا معاملہ ہے۔

رفقائے عزیز! آپ میں سے ہر ایک پہلے یہ تصور کرے
کہ وہ میدان جنگ میں دشمن کے طاقتور ہتھیاروں
کے مقابل کھڑا ہے اور پھر بات کرے۔ آپ میدان
جنگ کے گرد و غبار، نیزہ، شمشیر، بھالے اور دھوپ
ان سب کا اندازہ کرکے اس مہم میں آپ شامل ہوں
اور عملی اقدامات کے لیے تیار ہو جائیں۔ اگر اس کے
لیے آپ آمادہ نہیں ہیں تو آپ یہ فرض کرکے خاموش
بیٹھے رہیں کہ آپ کو نصرتِ حسینؑ کی دعوت ہی کی اطلاع
نہیں ہے اور امام حسینؑ کو بلا وجہ یزید کی جابرانہ
حکومت کے چنگل میں نہ پھنسائیے۔

۱؎ ... فقال سلیمان ان معاویة قد هلک وان
حسینا قد تقبض على القوم ببيعته وقد خرج الى مكة و
انتم شيعته وشيعة ابيه فان كنتم تعلمون (اگلے صفحہ پر)

کوفہ کے سردار اور معززین کے دلوں پر ان باتوں سے ایک چوٹ سی لگی
اور انھوں نے کہا:

"جناب سلیمان! آپ نے یہ کہہ کر ہماری اہانت کی ہے
آپ نے ہمیں بزدل اور کمزور سمجھا۔ اگر ہم نے کچھ کہا
ہے تو خوب سوچ سمجھ کر کہا ہے۔ شاید ہم آپ سے کچھ
زیادہ ہی علیؑ اور علیؑ کے فرزندوں سے تعلق رکھتے ہیں
اور آپ سے بہتر حسین بن علیؑ کو چاہتے ہیں اور ہم
ایک جابر حکومت کے تباہ اور اس حکومت کے خاتمے
کے مقصد سے زیادہ دلچسپی اور وابستگی رکھتے ہیں
ہم نے جیسا کہا، یہی جان کی آخری رمق اور خون کا
آخری قطرہ بہانے کے لیے تیار ہیں۔ اب آپ ہم کو
جس چیز کا بھی خط لکھنا چاہیں، ہم اس کے لیے
تیار ہیں۔"

کوفہ حسینؑ کو دعوت دیتا ہے

جلسہ ختم ہو گیا۔ بزرگ شیعہ شخصیتوں نے حسین ابن علیؑ کے نام اسی وقت

(بقیہ حاشیہ گزشتہ سے پیوستہ) انكم ناصروه ومجاهدوا عدوه فاكتبوا
اليه وان خفتم الفشل والوهن فلا تغروا الرجل في
نفسه قالوا لا بل نقاتل عدوه ونقتل انفسنا دونه
.. الخ بحار الانوار ج ص ..

خطوط لکھے۔

ہم مسئلے کی دراس میں حرکت دینے والوں کی تقاریر کی خبر آہستہ آہستہ پورے شہر میں پھیل گئی۔ لوگوں کی اکثریت کو یہ تجویز پسند آئی اور ہر شخص نے حسینؑ ابن علیؑ کے نام خط لکھ کر اس جدوجہد میں شریک ہونے کی کوشش کی۔ بہت سے دستخطوں کے ساتھ محضرنامے بھی تیار کیے گئے۔ خطوں اور محضرناموں کا ایک سیلاب امنڈ آیا جس کا رخ مکہ کی طرف تھا۔ لوگوں نے ہر طرح کے خطوط لکھے۔ نہایت مختصر، طویل، زور خطابات کے ساتھ، شعروں کے ساتھ اور دلائل کے ساتھ لے

ظاہر ہے کہ مرکزی حکومت سے وابستہ لوگ اس موقع پر خاموش نہ رہے انھوں نے گورنر کو اور مرکز کو اس کی رپورٹ کی لیکن اس وقت تک کوئی ردعمل سامنے نہ آیا۔

حسین ابن علیؑ مکہ میں اسلام اور مسلمانوں کے عام حالات کے مطالعہ میں مصروف تھے اور موجودہ سیاسی صورتحال کی روشنی میں ان کا جائزہ لے رہے تھے۔ اسی اثنا میں کوفہ سے خطوط پہنچ گئے۔ امامؑ نے خطوط کا مطالعہ کیا۔ مدینہ و شام سے ملنے والی اطلاعات کو سامنے رکھ کر وہ کوفہ کی تجویز کو پرکھ رہے تھے۔ خطوط بغیر جواب کے پڑے ہوئے تھے اور قاصد جواب لے کر واپسی کے لیے منتظر تھے۔

امامؑ غور و فکر میں مصروف تھے وہ ایسے ممکنہ اقدامات کا جائزہ لے رہے تھے

سید کے مطابق کوفے سے ۱۲ ہزار خطوط بھیجے گئے سلیمان، مسیب اور حبیب نے اولین خطوط ارسال کیے۔ عجیب بات یہ ہے کہ سلیمان دوبارہ ان تمام واقعات میں دکھائی نہیں دیے نہ ابن زیاد کے دور میں۔ اس کے لشکر میں اور نہ ہی حسینی لشکر میں پھر کیوں چار ماہ بعد توابین کے گروہ میں ان کا نام نظر آتا ہے۔

جو تحریک بخش ہو سکیں۔ کون سا اقدام مقصد سے قریب تر اور موثر ثابت ہوگا؟ یہ سوال ان کی فکر کا موضوع بنا ہوا تھا۔

حسینؑ کا مقصد اور دعوت کا جواب

• کیا میں مکہ میں مقیم رہوں اور ان دنوں جب حج کے مراسم قریب آجائیں اور ملک کے گوشے گوشے سے لوگ یہاں جمع ہو جائیں، مخالفت کا پرچم بلند کر کے لوگوں کو ایک عادلانہ حکومت قائم کرنے کی دعوت دوں؟

• کیا کوفیوں کی دعوت قبول کروں اور اس بنا پر کہ وہاں حالات زیادہ سازگار ہیں وہیں سے اپنی مہم کا آغاز کروں —— یا —— ابھی کوفیوں پر اعتماد نہ کیا جائے کیونکہ وہ متلون اور رنگ بدلنے والے لوگ ہیں، ایسا نہ ہو کہ وہ میرے ساتھ بھی وہی سلوک کریں جو انھوں نے میرے باپ اور بھائی کے ساتھ کیا تھا؟

• کیا دوستوں اور رفیقوں کے مشوروں کو قبول کر کے اپنی مہم کے لیے عدن یا یمن کے مراکز کو منتخب کروں کیونکہ یہ مقامات پرسکون اور مرکز سے دور

مقامات ہیں۔"

"کیا حکومت شیطانی سیاست سے کام لے گی اور ایسے طریقے اختیار کرے گی جو ہم اخلاقی طور پر استعمال نہیں کر سکتے؟ وہ ہم سب کا محاصرہ کرے گی۔"

"اس میں کوئی شک نہیں کہ حکومت شام چین سے نہیں بیٹھے گی۔ میں جہاں بھی رہوں گا۔ میرا تعاقب کیا جائے گا۔ اگر میں مملکت کے دور ترین علاقے میں بھی چلا جاؤں تو یزید مجھے وہاں بھی آزاد رہنے نہ دیگا۔"

"میرا تعاقب اور میری گرفتاری اہمیت نہیں رکھتی میرے لیے تو میرا ہدف اور میری کوششوں کا نتیجہ اہمیت رکھتا ہے۔ یہ تعاقب اور گرفتاریاں اس طرح ہونی چاہئیں کہ وہ نتیجہ بخش ثابت ہوں اور ہمارے ہدف کو زیادہ سے زیادہ روشن کر سکیں۔"

"ہدف ایک آرام دہ زندگی کا ماحول فراہم کرنا نہیں ہے۔ بہترین آب و ہوا رکھنے والا کوئی علاقہ حاصل کرنا نہیں ہے حکومت اور ریاست کے مرتبے پر پہنچنا نہیں ہے۔ اگر یہ چیزیں میری جدوجہد کا مقصد

ہوتیں تو میں وہیں مدینہ میں رہتا۔ ان مقاصد کو پورا کرنے کے لیے یزید کے ساتھ ایک سادہ سی مفاہمت کافی تھی۔"

"بہت سے دوست جو باتیں مجھ سے کہتے ہیں اور لکھتے ہیں ان کا محور یہی مادی مقاصد ہوتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ میں کسی آرام دہ زندگی کی تلاش میں ہوں یا اپنے کچھ تابعدار جمع کرنا چاہتا ہوں۔ اسی لیے وہ مجھ سے کہتے ہیں۔

طائف مقام کی آب و ہوا بڑی اچھی ہے اور آپ کے والد کے دوست بھی وہاں کثرت سے ہیں۔[1]"

"میرے رنج و فکر کا اصل سبب اسلام کے عام حالات ہیں۔ گرمیں بہترین آب و ہوا رکھنے والے اچھے علاقوں میں رہوں اور آرام و راحت کی زندگی گزاروں پھر بھی میں بے چین و بے آرام ہی رہوں گا۔"

---

۱ ابن عباس کے نزدیک بھی یمن سب سے بہتر تھا کیونکہ وہ پہاڑوں سے محصور علاقہ ہے اور وہاں حمایت کرنے والے لوگ بھی تھے نیز خود حضرت علی کو بھی پسند تھے۔

• میں یہ برداشت نہیں کرسکتا کہ یزید اپنے باپ کی حکومت کی طرح اسلام اور مقدسات اسلامی کا مذاق اُڑاتا رہے ــــــــ!"

" میں خاموش بیٹھے ہوئے یہ نہیں دیکھ سکتا کہ مسلمان گمراہ ہو کر گروہ در گروہ جہنم کی طرف بڑھیں ۔"

• میرا کچھ اور مسئلہ ہے ۔ میری کوئی ذمہ داری ہے ' اگر معاویہ کے زمانے میں میں نے خاموشی اختیار کی تھی تو اس وقت حالات ہی ایسے تھے کہ جدوجہد کا کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا تھا ۔"

• مقصد لوگوں کو بیدار کرنا ہے اور معاشرہ کو جھنجھوڑ کر اٹھانا ہے ۔ اسلام اور مسلمانوں کو ظالموں اور استبداد کے علمبرداروں کے چنگل سے آزاد کرانا ہے ۔"

ظلم اور ستمگری کے محل کو ڈھانے کے لیے میں گھر سے بےگھر ہوا ہوں ۔"

• عدل و آزادی کا نظام قائم کرنے کے لیے میں مارا مارا پھر رہا ہوں ۔"

• اسلام اور اسلامی اصولوں کو زندہ کرنے کے لیے میں اس شہر میں آیا ہوں ۔"

" میں یہاں آیا ہوں تاکہ عالم اسلام سے کہہ سکوں جوا اسلام میں حرام ہے ، شراب اسلام میں حرام ہے جنسی بے راہ روی اسلام میں جائز نہیں ہے ، بیت المال میں لوٹ کھسوٹ اسلام کے منافی ہے ۔"

• میں یہاں یہ کہنے کے لیے آیا ہوں کہ قمار بازوں اور شراب خوروں کو حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے ۔

• میں یہاں مسلمانوں کو بیدار کرنے اور یہ کہنے کے لیے آیا ہوں کہ جو لوگ بدکردار ہیں ، اور عوام کی عزت و ناموس کی اہمیت کے قائل نہیں ہیں وہ قیادت و حکومت کے بھی لائق نہیں ہیں ۔"

• میں عالم اسلام کو یہاں یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ جو لوگ بیت المال کے وسائل کو اپنی ذاتی خواہشات کے لیے خرچ کرتے ہیں اور صرف اپنے اقربا اور حاشیہ نشینوں کو عہدے سونپتے ہیں ، جب کہ

لوگ افلاس اور بیماری اور سہولتیں نہ ہونے کی وجہ سے مر رہے ہوں۔ حکومت کے سزاوار نہیں ہیں اور اس منصب پر انھوں نے غاصبانہ طور پر قبضہ جما لیا ہے۔"

"میں یہاں اس لیے آیا ہوں کہ ظالموں اور جابروں کے نظام کو ڈھا کر اور ان کے ظلم و ستم کے محلات کو ویران کر کے انصاف اور آزادی کو زندہ کروں۔"

"میں یہاں آیا ہوں صرف اس لیے کہ لوگوں کو ظلم کے چنگل سے نجات دلا کر اسلام کو سقوط سے بچاؤں۔"

"یہ میرے مقاصد ہیں۔ میرے اطراف موجود اکثر لوگوں کو ان مقاصد کا شعور نہیں ہے۔ وہ اس مقدس ہدف کو اچھی طرح نہیں سمجھتے۔"

"وہ نہیں سمجھتے لیکن میں تو سمجھتا ہوں کہ اصل معاملہ کیا ہے اور میری ذمہ داری کیا ہے؟"

میرا یہ فرض ہے کہ میں ان مقدس مقاصد کو پیش نظر رکھ کر انھیں حاصل کرنے کے لیے کسی راہ کا انتخاب کروں — اور کسی نزدیک ترین راستے سے پیشقدمی

کروں، کوئی خواہ کچھ بھی مجھے بتایا درست ہو۔ کیا ہے لوگ جس قدر چاہیں امیدیں باندھیں اور انتظار کریں میں اپنا یہ فرض ادا کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔"

"اب جبکہ بہت سے خطوط کوفیوں نے بھیجے ہیں اور ان میں سے اکثر خطوط میں قیامت، عدل الٰہی اور میرے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا واسطہ دے کر توجہ دلائی گئی ہے تو کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ ان کو آزمایا جائے۔ اگر ان لوگوں نے اپنے خطوط میں لکھے ہوئے وعدوں کے مطابق ہماری نصرت و حمایت کی تو بہتر ہوگا کہ کوفہ جا کر ہم بساط عدل بچھائیں اور ظلم کے ساتھ مقابلہ شروع کریں۔ اگر معاملہ اس کے برعکس پیش آیا تو پھر ہماری ذمہ داری دوسری ہوگی۔"

نمائندہ کا انتخاب
ایک آزمائش

"موجودہ حالات میں کوفیوں کو آزمانے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ کوئی نمائندہ بھیجا جائے اور ایک خط کے ذریعہ کوفیوں پر واضح کر دیا جائے کہ ہمارے نمائندے کے ساتھ موافقت یا مخالفت ہمارے ساتھ موافقت و مخالفت کے مترادف ہوگی۔ اس

کے بعد دیکھیں کیا ہوتا ہے؟

"یہ نمائندہ اور وکیل کیسا آدمی ہونا چاہیے؟ یہ کوئی چھوٹا اور معمولی کام نہیں ہے۔ یہ ہر جماعت کی رہبری و قیادت کا مسئلہ ہے۔ البتہ دنیا کے نشیب و فراز کو بھی نظر انداز نہیں کیا جانا چاہیے۔"

"اس بڑے کام کے لیے کوئی لائق، امانت دار، باایمان اور ثابت قدم آدمی ہونا چاہیے جو روحانی قوت اور کامل شخصیت کا مالک ہو اور ہمارے مکتب تربیتی کے وزن اور وقار کو گرنے نہ دے اور شکست کے مواقع پر بھی ہمارے اخلاقی فضائل کی حفاظت کرتے ہوئے ہمارے موقف کو ٹھیک ٹھیک پیش کر سکے۔"

"میری نظر میں میرے تمام ساتھیوں میں جو شخص اس کام کے لیے موزوں ہو سکتا ہے وہ مسلم ہے۔ مسلم میرا چچازاد بھائی ہے وہ میرا بہنوئی بھی ہے۔ اس کی خاندانی حیثیت پوری طرح روشن ہے اس کی اخلاقی زندگی اور اس کے ایمانی درجات بہت اچھے اور قابل توجہ ہیں۔ تنہا وہی اس میدان کا مرد ثابت ہو سکتا ہے اگر اس کے ساتھ لوگوں نے موافقت کی اور اس نے حالات سازگار دیکھے تو وہ پست ترین لوگوں کے ہاتھوں پر بک کر بغاوت کی راہ اختیار نہیں کرے گا۔ اگر اسے شکست اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا تو وہ آزادانہ اور مردانہ وار اپنی جان کی بازی لگا دے گا۔"

ان تفصیلی تیاریوں کے ساتھ جن کا ذکر تاریخ میں درج ہے مسلم کوفہ

جانے کے لیے تیار ہوئے۔ کوفے سے خطوط بھیجنے والوں کا انتظار ختم ہوا۔ تمام خطوط کا جواب چند مختصر فقروں میں دے کر مسلم کے ہاتھ بھیج دیا گیا۔[1]

امام حسینؑ نے کوفہ والوں کو لکھا[2]

"خدائے یکتا کے نام سے۔ یہ حسین ابن علیؑ کا خط ہے
عراق کے مومنین اور مسلمین کے نام۔
ہانی اور سعید آخری فرستادے تھے جنھوں
نے تمہارے خطوط مجھ تک پہنچائے۔ ان تمام

---

[1] مسلم بن عقیل جو امام حسینؑ کے چچازاد بھائی اور آپ کی بہن رقیہؑ کے شوہر ہیں سنہ ۶۰ھ کے رمضان کی چودھویں تاریخ کو نیابت کا پروانہ لے کر مکہ سے کوفے کے لیے روانہ ہوئے۔

[2] ثم کتب مع مسلم بن عقیل: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔
من الحسین بن علی الی الملأ من المسلمین والمؤمنین۔
اما بعد فان هانیاً وسعیداً قدما علی بکتبکم وکانا آخر من
قدم علی من رسلکم وقد فهمت کل الذی اقتصصتم وذکرتم
ومقالة جلکم انه لیس علینا امام فاقبل لعل اللہ ان یجمعنا بک
علی الهدی وانا باعث الیکم اخی وابن عمی وثقتی من اهل بیتی فان
کتب الی انه قد اجتمع رأی ملئکم وذوی الفضل منکم علی مثل
ما قدمت به رسلکم وقرأت فی کتبکم اقدم علیکم وشیکاً ان
شاء اللہ۔ ولعمری ما الامام الا الحاکم القائم بالقسط الدائن،
بدین الحق الحابس نفسه علی ذات اللہ۔ مناقب ص ۸۹۔

حالات سے واقفیت حاصل ہوئی جو ان خطوط میں لکھے گئے۔ تمہاری تحریروں کا ماحصل یہ ہے کہ ہم لوگ کوئی لائق رہبر اور امام نہیں رکھتے ہو اس لیے تم نے مجھے وہاں آنے کی دعوت دی ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اس قیادت کے ذریعہ ہمیں ہدایت اور اصلاح کی منزل تک پہنچا دے۔ فی الحال میں اپنے چچا زاد بھائی کو جو قابلِ اعتماد ہے اور میرا بھائی ہے جو میرے اقرباء میں مجھ سے قریب تر ہے تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ اگر انھوں نے لکھا کہ تم لوگوں کے نظریات وہی ہیں جو کہ خطوط میں لکھے گئے ہیں تو میں تمہاری دعوت قبول کر کے تمہارے پاس آؤں گا۔"

بعد میں آپ نے یہ اضافہ بھی فرمایا:

"عراق کے باشندو! میری جان کی قسم، امام اور پیشوا صرف وہی ہو سکتا ہے جو خود دین کا پابند ہو اور عدالت و انصاف قائم کرے اور خدا کی رضا کے مقابل اپنے نفس کی پیروی نہ کرے۔"[1]

---

[1] امام حسینؑ کے خط کا ترجمہ مطابق نقل کتاب مناقب ص ۸۹

نمائندۂ حسینؑ کوفہ میں

مسلمؑ امام حسینؑ کے اس خط کے ساتھ کوفہ میں داخل ہوئے[1] اور سید مسیب کے بیٹے سالم کے گھر گئے جو حسینؑ کے بزرگ دوستوں میں سے تھے۔ مسلم کے آنے کی خبر بڑی تیزی سے کوفہ میں پھیل گئی۔ حسینؑ کے دوستوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ مسلم بن عقیل امام کا خط لے کر آئے ہیں تو انھوں نے مسلم کا بے مثال استقبال کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور بڑے احترام کے ساتھ مسجد لے گئے۔ روز بروز دوستوں اور بیعت کرنے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔

کوفہ کے گورنر کی طرف سے جو ردِ عمل ظاہر کیا گیا وہ صرف اس قدر تھا کہ اس نے مسجد میں ایک نصیحت آموز تقریر کی اور لوگوں کو حسینؑ و مسلمؑ کی طرفداری سے روکا اور انھیں متنبہ کیا۔

کوفہ سے دو خطوط

کوفہ میں یزید کے خلاف رونما ہونے والی انقلابی صورت حال کے متعلق سے دو خطوط لکھے گئے۔ ایک حسین ابن علیؑ کے نام اور دوسرا یزید ابن معاویہ کے نام۔

مسلم نے حسینؑ کے نام خط میں لکھا:

کوفہ کے لوگ شدید جذبات و احساسات رکھتے ہیں

---

[1] مسلم بن عقیل سنہ ۶۰ھ کے شوال کی پانچویں تاریخ کو کوفہ میں داخل ہوئے یعنی ۱۹ روز میں یہ سفر طے ہوا۔

"اور ان کی بہت بڑی تعداد نے میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ کوفہ کے لیے روانہ ہو جائیں۔"

یزید کے دوستوں نے بھی اسے لکھا:

"حسینؑ کا نمائندہ یہاں آیا اور لوگوں نے اس کا غیر معمولی استقبال کیا۔ گورنر نعمان بن بشیر ایک کمزور آدمی ہے یا خود کو اس نے کمزور بنا لیا ہے اور حسینؑ کی بڑھتی ہوئی قوت کے مقابل سستی و رواداری اختیار کی ہے۔ اگر عراق پر حکومت چاہتے ہو تو کسی لائق گورنر کو بھیجو تاکہ وہ حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لے کر اس فتنہ کا خاتمہ کر سکے۔"

یہ دو خطوط دو اقدامات کا سبب بن گئے۔ پہلے خط نے حسینؑ کے لیے راستہ کھول دیا اور آپ کے ارادے کو تقویت حاصل ہو گئی اور دوسرا خط موجودہ گورنر کی معزولی اور دوسرے شخص کے اس کی جگہ مقرر کیے جانے کا سبب بنا۔ پہلے خط نے حسینؑ کے مکہ سے کوچ اور کوفہ کی طرف روانگی کے اسباب فراہم کیے تو دوسرے نے نعمان بن بشیر کو گورنری سے محروم کر دیا اور عبید اللہ بن زیاد کی ترقی کے سامان فراہم کر دیے۔ بصرہ کی گورنری کے ساتھ کوفہ کو بھی اس کے دائرہ اختیار میں دے دیا گیا۔

نمائندۂ حسینؑ کی رپورٹ کا اثر

مسلم کا خط حسین بن علیؑ کے پاس پہنچا۔ آپ نے اس خط کا بغور مطالعہ کیا

جو باتیں پہلے کوفہ کے لوگوں کے خطوط میں لکھی گئی تھیں اور ان کے قاصدوں کی زبانی سنی گئی تھیں وہ مسلم کی اس رپورٹ سے مطابقت رکھتی تھیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عراق میں ایک سازگار ماحول میسر آگیا ہے اور کوفہ سے حسینؑ کی تحریک کا آغاز ہو سکتا ہے۔

"یہ صحیح ہے کہ جو کچھ سنا گیا تھا اور پڑھا گیا تھا اس سے یہی معلوم ہوتا تھا کہ مبارزۂ حسینی کے لیے زمین سازگار ہے۔ لیکن آئندہ چل کر اس کا سازگار رہنا یقینی نہیں تھا۔ اس لیے کہ حکومت کی شمشیر خاموش نہیں رہ سکتی تھی۔ کوفے کے لوگ بھی بہت زیادہ متلون ہیں اور بہت جلدی اثر قبول کر لیتے ہیں۔ ممکن ہے شیطانی سیاست پروپیگنڈہ شمشیری سے کام لے کر کوفہ کے نقشہ ہی کو پلٹ دے۔ اس بات کا بھی امکان ہے کہ ہمیں مسلم کی طرح موافقت میسر آجائے اور ہم نظام حکومت سے جنگ کرنے کے قابل ہو جائیں۔"

"بہر حال مختلف شہروں سے خصوصاً شام سے اور مکہ سے مجھے جو اطلاعات مل رہی ہیں اور میرے بارے میں جو فیصلے ہو چکے ہیں ان کے پیش نظر میرے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ میں مکہ سے روانہ ہو جاؤں۔"

"مجھے یہ اطلاع بھی دی گئی ہے کہ حکومت نے دہشت پسندی کی راہ اختیار کی ہے اور اس نے مقدس ترین مقام پر مجھے قتل کرانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ اس مقصد کے لیے ان افراد کی خدمات حاصل

کی جا رہی ہیں جو سیاست کے پابند نہیں۔ درحقیقت اسی بنا پر مجھے قتل کرنے پر آمادہ ہیں کہ ہمیں تو اہمیت ہے ورنہ وہ حکومت کے ملازم ہیں۔"

"میرے معتبر ذرائع نے مجھے یہ اطلاع بھی دی ہے کہ حکومت نے بے سابقہ حرکات کے پیچھے چلتے ہوئے اور دوسرے اسلامی قوانین کو پامال کرتے ہوئے میرے قتل، اغوا کا حکم جاری کر دیا ہے۔ یہاں تک کہ حکومت سے وابستہ افراد اس بات پر آمادہ ہو گئے ہیں کہ وہ حرام مہینے میں حرم میں قتل جیسے بڑے گناہ کے مرتکب ہو کر خانۂ خدا کی حرمت کو بھی خاک میں ملا دیں گے۔"

آخر یہ کیسی سیاست ہے؟

پروردگارا! یہ کون سا مکتب ہے جس میں ان حکومتوں کے رہبروں نے تربیت حاصل کی ہے؟ یہ کون سی سیاست ہے جس سے اس حکومت کے افسر اور حکام مدد حاصل کرتے ہیں۔ یہ کیسے اسلامی حکمران ہیں کہ جنہوں نے اسلام اور اسلامی خلافت کے نام پر مسند حکومت پر تو قبضہ جما لیا ہے لیکن اسلامی قوانین میں سے کسی پر عمل کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔ اسلام کے قطعی ترین احکام کو بھی ریاست اور حکومت کی خاطر اپنے قدموں تلے روند رہے ہیں۔"

"کیا سیاست کے یہی وہ معنی ہیں جو یزید نے اپنے باپ معاویہ سے سیکھے ہیں ــــــ؟ کیا بنی امیہ کی سیاست کا یہی مطلب ہے کہ اپنی حکومت اور ریاست کی راہ میں ہر چیز کو قربان کر دیا جائے ــــــ پاک ہستیوں کا خون بہایا جائے ــــــ اور قطعی قوانین کو توڑ دیا جائے؟"

"کیا یہی وہ سیاست ہے جس کا دنیادار لوگ پرچار کرتے رہے ہیں۔ کیا ہم سب اسی سیاست کی پیروی کریں۔ خدا اس بات سے بچائے کہ ہم اپنی زندگی میں اسلامی اصولوں سے ذرہ برابر بھی انحراف کریں۔

"یہ لوگ وہ ہیں جو دنیا کی خاطر، دنیوی اقتدار کی خاطر ہر انحراف اور بغاوت کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور ہر جرم و گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں، اور اسلامی اصولوں کے خلاف ظلم، آدم کشی اور خونریزی پر اتر آتے ہیں اور حق و آزادی کے علمبرداروں کو اپنے سے مخالفت کے جرم میں اپنی دہشت گردی کا نشانہ بناتے ہیں۔

"میرا خانۂ خدا میں ہلاک ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا جو چیز مجھے سب سے زیادہ بے چین کر دیتی ہے ایک اسلامی قانون کی خلاف ورزی ہے ــــــ یہ لوگ تو قرآن اور قرآنی

احکام کو بھی پامال کرنے سے نہیں چوکتے ۔ جو حرمِ خدا کی حرمت بھی برقرار نہیں رکھتے ۔ جو لوگ خدا کے احکام اور آسمانی قانون کا احترام نہیں کرتے ۔ وہ خانۂ خدا کا احترام کیا کریں گے ۔"

بے وقت روانگی

" میں جانتا ہوں ۔ اگر میں یہیں رہوں تو حالتِ طواف میں بھی یہ مجھے قتل کرنے سے باز نہیں آئیں گے ۔ میرے قتل ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے ۔ اصل اہمیت اس کام کے نتیجہ کی ہے ۔"

" اگر میں یہاں قتل ہو جاؤں اور دنیائے اسلام تک اپنی مخالفت اور اس کے محرکات کی اطلاع نہ پہنچا سکوں تو مقصد فوت ہو جائے گا اور پھر حکومت کو بھی غلط پروپیگنڈا کے ذریعے رائے عامہ کو گمراہ کرنے کا موقع مل جائے گا ۔ وہ نہ صرف میرا خون بہائے گی بلکہ مجھے فساد پھیلانے والا اور اصلاحات کا مخالف قرار دے گی ۔"

" ہم کو اس فرصت سے فائدہ اٹھانے میں دیر نہ کرنی چاہیے اور ایک تیرے دوستانہ کے معاہدے کے مطابق کوفیوں کی دعوت قبول کر کے کوفہ کی راہ پر چل پڑیں اور اعلانِ عام اور لوگوں تک

له [illegible] ۱۰۰ [illegible] سورۂ آلِ عمران [illegible]

اپنی بات پہنچانے کے لیے ایسے وقت کا انتخاب کریں کہ لوگوں کی جستجو کی حس تیز ہو جائے اس صورت میں اگر کوفہ کے حالات نے پلٹا بھی کھایا اور حریف کی شیطانی سیاست کوفہ کے اس بہترین موقع کو ہم سے چھیننے میں کامیاب بھی ہو گئی تو ہم اپنا اصل مقصد اور حاصل والا نتیجہ حاصل کر چکے ہوں گے ۔"

" اب ہم کوفہ کی طرف چل پڑتے ہیں اگر موافقت حاصل ہو گئی تو کیا کہنے —— حق کے قائم کرنے کے لیے ۔ ظلم اور جبر کے اقتدار کو سرنگوں کرنے کے لیے ہم ایک قریب ترین راستہ طے کریں گے اور اگر شکست ہمارے حصہ میں آئی تو ہم قتل ہو جائیں گے اور ہمارے ساتھ ہمارے طرفداروں کی ایک جماعت بھی قتل ہو جائے گی ۔"

" اس قتل و خونریزی کو چھپایا نہیں جا سکے گا ۔ کوئی ہمیشہ نیزوں کے بل پر حکومت نہیں کر سکتا ۔ بالآخر ہر طرف سے شور اور آوازیں بلند ہوں گی اور لوگ پوچھنا شروع کر دیں گے کہ یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہوا ؟ بالآخر یہ چیز اس جابر و قاہر حکومت کو متزلزل کر دے گی اور اسے زوال و تباہی سے دوچار کر دے گی اور نتیجتاً ایک نسبتاً آزاد حکومت برسرِ کار آ جائے گی اور لوگ دین اور دینی اصولوں کی حمایت کرنے لگیں گے اور اس طرح ہمارا اصل مقصد حاصل ہو جائے گا خواہ ہمارا راستہ کچھ دراز ہی کیوں نہ ہو جائے ۔

موجودہ صورتِ حال میں ہم اس وقت کوچ کر کے لوگوں کو نئی طرف متوجہ کر سکتے ہیں اور اصل معاملہ کو ان پر واضح کر سکتے ہیں تاکہ کل ہمارے قتل ہو جانے کے بعد حکومت کو [illegible] سے اور جھوٹا پروپیگنڈہ کرنے کا موقع نہ مل سکے۔

ہماری اچانک اور بے وقت روانگی ہی وہ واحد راستہ ہے جو ہمیں ہمارے ہدف سے نزدیک تر اور بہر صورت مطلوبہ نتیجہ تک پہنچا سکتی ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ اسلام کو زندہ کر کے اسلامی معاشرے کو ان ظالموں کے دستبرد سے نجات دلائیں۔ جو اسلام کے نام پر اپنی زندگی کی رسی دراز کئے جا رہے ہیں۔

"ہم چاہتے ہیں جذبۂ آزادی کو بیدار کر کے ظلم کی جڑیں اکھاڑ پھینکیں اور اسے راستے سے ہٹا دیں۔"

"اگر ہم لوگوں کی عملی حمایت حاصل کر کے حکومت لے لیں تو ہم زیادہ جلدی اپنے مقصد کو حاصل کر سکیں گے۔ بصورت دیگر ہم شکست سے دوچار ہوئے اور شہید ہو گئے تو ان ہی کی بنیادوں پر یقیناً آئندہ ایک انقلاب برپا ہو جائے گا اور اس انقلاب کا مرکز و سرچشمہ ہم ہوں گے اور ہم ہی اس کے بانی

قربان ہوں گے اور یہ انقلاب بلاشبہ ظالموں کو ملیامیٹ کر دے گا اور ظلم کی چکی میں پسنے والے عوام کی گردنیں یزید اور اس کے مددگاروں کے طوق سے آزاد ہو جائیں گی۔"

"ہم نے ہر حال میں نتیجہ حاصل کرنا ہے، سوائے اس کے کہ ایک راستہ کسی قدر طویل ہے اور دوسرا زیادہ نزدیک۔"

"یہ دونوں راستے ہمیں ایک ہی منزل پر پہنچاتے ہیں — فی الحال ہم قریب کے راستے کے ذریعے پیش قدمی کرتے ہیں دیکھیں کہ مقدرات اور واقعات ہمیں کہاں پہنچاتے ہیں۔ اگر ہمارے نصیب نے ہماری رہنمائی کی تو کیا کہنے، ورنہ اگرچہ ظاہری اندازوں کے مطابق ہماری شکست تو یقینی ہے لیکن ہر حال میں اصلی نتیجہ ہمارا مقصد ہے۔"

اس فکر نے حسینؑ کے ارادے کو قطعیت عطا کر دی اور ۸ ذی الحجہ سنہ ۶۰ ہجری کو اچانک مکّے سے کوچ کر کے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

ایک ایسے وقت اور ایک ایسی جگہ سے آپ کی روانگی جبکہ لوگ طویل مسافتیں طے کر کے اس وقت کو حاصل کرنے کے لیے اور اس جگہ تک پہنچنے کے لیے قافلہ در قافلہ آ رہے ہیں بہت ہی غیر معمولی حیثیت اختیار کر گئی۔ ایک عام آدمی کا بھی ایسے موقع پر مکّے سے چلا جانا حیرت انگیز ہوتا ہے تو پیغمبرؐ کے فرزند کی روانگی کس قدر لوگوں کے لیے حیرت کا سبب بنی ہوگی۔

ایسے موقع پر جب تھوڑی مدت میں مکہ لوگوں سے بھر گیا تو حسین بن علیؓ کی روانگی کا مسئلہ وقت کا اہم موضوع بن گیا۔ اور جس جگہ بھی لوگ مل کر بیٹھتے، حسینؓ کی بے وقت روانگی کا مسئلہ گفتگو کا موضوع بن جاتا اور اس کا سبب بھی لوگوں کے سامنے آتا۔

بہت سے لوگ اس گفتگو کے نتیجے میں یہ رائے قائم کرتے کہ حسین بن علیؓ نے یزید کی حکومت کو تسلیم نہیں کیا ہے اور اس مقدس مقام پر بھی انہیں اپنی جان کا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ اور خانہ خدا کی حرمت کو برقرار رکھنے کے لیے وہ مکہ سے روانہ ہو رہے ہیں۔

حضرت حسینؓ کی اس مسافرت کے بارے میں آراء مختلف تھیں۔ ہر شخص اپنے فہم و شعور اور دینی و سیاسی نقطہ نظر سے اس کی توجیہ کر رہا تھا۔ لیکن سب لوگ یک زبان ہو کر حکومت شام کے اس رویے اور منصوبے کی مذمت کر رہے تھے کہ حسینؓ کو ہر حال میں قتل کر دیا جائے خواہ وہ خانہ کعبہ کا طواف ہی کیوں نہ کر رہے ہوں۔

مسلم کے خط نے حسین بن علیؓ کو مکہ سے روانگی پر آمادہ کر دیا۔ حسینؓ نے ان تمام پیش بینیوں، تمام شہروں کے حالات اور خصوصاً مرکز حکومت کے رویے کو سامنے رکھ کر آنے والی رپورٹوں کی بنا پر مکہ سے کوچ ہی کو مناسب سمجھا۔

یزید کے نام کوفہ سے خط

گورنر کا انتخاب اور انقلاب کوفہ

یزید خلافت کی مسند پر تکیہ لگائے اقتدار کے نشے میں چور درباریوں کے ساتھ گپ شپ میں مصروف تھا کہ اچانک پیغام رساں نے حاضر ہونے کے لیے ملاقات طلب کی اسے اجازت دے دی گئی۔

ایک بند خط اس کے مطالعہ کے لیے پیش کیا گیا۔

ایک ایسی مسرت انگیز خبر کا منتظر جو اس کے ہاتھ تھوڑے سے سازگار حالات کی علامت ہو —— خط کھولا گیا —— ابتدائی سطریں توقعات کے مطابق تھیں —— درباریوں کی نگاہیں یزید کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔ خلاف توقع اس کے چہرے پر ناگواری کے آثار ظاہر ہونے لگے —— اس کے بعد آنے والی سطروں سے اس نے آخری سطر تک پورے خط کو پڑھ لیا۔

درباریوں نے یزید کے چہرے سے ہی خط کے مضمون کو بھانپ لیا۔ جیسے انہیں جو خبر ملنی تھی نہیں ملی، یہ جان کر وہ سمجھ گئے کہ کوئی اہم حادثہ ہوا ہے۔ سب انتظار کرنے لگے کہ یزید انہیں صورت حال سے آگاہ کرتے ہوئے خط کا مضمون بتائے گا۔

یزید نے ایک بار پھر خط کا مطالعہ کیا اور چند لمحوں کے لیے فکر میں ڈوب گیا —— مجلس پر ایک عجیب سکوت چھا گیا —— ہر شخص خط کے مضمون کے بارے میں اندازے لگا رہا تھا۔ آخر یزید نے سکوت کو توڑتے ہوئے بڑے سخت اور تیز لہجے میں کہا:

"یہ نالائق آدمی کون ہے جسے کوفہ بھیجا گیا ہے—؟
نعمان کوئی کمزور اور نااہل آدمی تو نہیں تھا—؟ آخر
اس نے ان ساری سرگرمیوں کے خلاف رد عمل
کیوں ظاہر نہ کیا—؟ اب جبکہ پانی سر سے گزر چکا ہے
ہمارے دوستوں نے لکھا ہے کہ کوفہ حسینؓ کے نائب
کے تصرف میں آ چکا ہے اور ہمارے سرکاری ادارے
ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔"

"فوراً اس سارے معاملے کی تحقیق کی جائے۔ میں اس شخص کو اس کے عہدہ سے معزول کر رہا ہوں۔ وہ کام انجام نہیں دے سکتا۔ اس کی جگہ کسی دوسرے شخص کو بھیجا جائے تاکہ وہ جس قدر جلد ممکن ہو سکے اس انتشار کا خاتمہ کر کے مخالفین کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دے۔"

پھر پرسکون ہو کر اس نے درباریوں سے دریافت کیا۔

"تمہارے خیال میں اس عہدہ کے لیے کون شخص موزوں رہے گا ——؟ کسی معمولی قسم کے تقرر کا مسئلہ نہیں ہے اور یہ بات بھی نہیں ہے کہ کسی پرامن علاقے کے لیے کوئی گورنر مقرر کیا جا رہا ہے۔ ہماری مملکت کا تقریباً ایک حصہ ہمارے قبضہ سے نکل چکا ہے اور وہاں ہمارے سرکاری ادارے نیم جان ہو کر سقوط و [illegible] سے دوچار ہو رہے ہیں:

"اس منصب کے لیے کسی دانش مند اور مدبر آدمی کی ضرورت ہے۔ جو کہ بگڑ جانے والے حالات کو دوبارہ [illegible] میں واپس لا سکے۔ ہمیں ایک ایسے پختہ اور مضبوط ارادے کا آدمی درکار ہے جو ہر سبب پر کوئی کہ حسینؓ کے اصل [illegible] کو حسینؓ سے چھین لیا جائے لیکن ہم اسے اپنے مقاصد پورے کرنے نہیں دیں گے۔"

"مگر حسینؓ کیوں اس قدر ہمارے پیچھے پڑ گیا ہے ——؟

ہمارے ساتھ صلح و موافقت کے لیے آمادہ کیوں نہیں ہے؟ کیوں وہ ہماری طرف دوستی کا ہاتھ نہیں بڑھاتا۔ وہ کیوں تمام مسلمانوں کی طرح ہمارے ہاتھ پر بیعت نہیں کرتا اور ہماری خلافت کو باقاعدہ طور پر نہیں تسلیم کرتا ——؟"

"ہمیں آخر کار ایک خطرناک کام کے انجام دینے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ کیا حسینؓ نہیں دیکھتا کہ کوئی اس کے ساتھ نہیں ہے۔ اس کے پاس کوئی طاقت نہیں ہے۔ کیوں حسینؓ اپنے باپ اور بھائی پر جو گزری اس سے سبق حاصل نہیں کرتا ——؟ وہ یہ کیوں نہیں سوچتا کہ ہماری طاقت کے ساتھ وہ جنگ نہیں کر سکے گا ——؟"

اس کے بعد یزید نے قاضی سے گفتگو کی[1]۔ اور حسینؓ پر اور [illegible] پر سخت تنقید کی۔ کسی نے اس کا جواب نہ دیا۔ پھر اس نے اہل مجلس کی جانب رخ کر کے پوچھا:

"اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ آپ کی نگاہوں میں کون

[1] بلاشبہ یزید تنہا قاضی کے پاس گیا تھا۔ اس نے جو باتیں وہاں کہیں ان میں سے ہر ایک کا جواب تھا لیکن اس کے اطراف موجود لوگ اس قدر آزادی پسند اور مجبور نہیں تھے کہ اقتدار وقت سے نہ ڈریں ورنہ یزید کے سوالات کا جواب سب کو معلوم تھا اور اس کتاب کے صفحات میں تفصیلاً لکھا گیا ہے۔

"اس منصب کے لیے موزوں ہے۔ جس شخص کو بھی آپ
لوگ موزوں سمجھتے ہیں اس کا نام پیش کریں تاکہ ہم
اسے بھیجیں اور جس قدر جلد ممکن ہو سکے اس فتنے کی سرکوبی
کر دیں۔"

یزید کے مقربین غور و فکر کرنے لگے۔ متعدد اشخاص کے نام زیر بحث آئے جس عہدیدار کی بھی صلاحیتوں کا جائزہ لیا جاتا اس میں کوئی نہ کوئی ایسی کمزوری پائی جاتی جو اسے نااہل قرار دیتی۔

جن امور کا تعلق مقدس شخصیتوں سے ہوتا ہے وہ ہر کسی کے ہاتھ میں نہیں دیے جا سکتے۔ اس طرح کے امور کے لیے صرف شجاعت و دلیری کافی نہیں ہوتی محض ذہانت اور تجربے سے کام نہیں چلتا۔ صرف دولت اور فوج کی طاقت سے ہی مقصد پورا نہیں ہوتا۔

اس طرح کے کاموں کے لیے ایسے اشخاص کی ضرورت ہوتی ہے جو کسی بات کے پابند نہ ہوں اور دینی تقدسات سے زیادہ تعلق نہ رکھتے ہوں اور خاص حالات میں انسانیت کو بھی نظر انداز کر کے ہر ممکن طریقے سے مرکز کے احکامات کو نافذ کر سکتے ہوں ——— کوفہ کے لیے تو ایک ایسے گورنر کی ضرورت ہے جو ہر چیز سے بے پروا ہو اور جس پر مرکز اعتماد کر سکے اور وہ اس طرح کے سارے کام انجام دے سکے۔

آخر کار یزید کے ایک مقرب نے عبیداللہ بن زیاد کا نام تجویز کیا۔ جیسے ہی یہ نام سامنے آیا سب نے اس سے اتفاق کیا اور پسند کیا۔ سب نے کہا:

"یہ ایک تجربہ کار اور لائق آدمی ہے۔ اسی سے یہ توقع
کی جا سکتی ہے کہ وہ ہر صورت میں مسئلے کو حل کرنے

کی کوشش کرے گا اور مرکزی حکومت کے مفاد میں
کام کر کے ہر قیمت پر اس فتنے کو ختم کر دے گا۔ البتہ
اس سلسلے کی واحد مشکل یہ ہے کہ بصرہ کی گورنری بھی
اس کے پاس ہے۔ اب اگر ہم اسے بصرہ سے ہٹاتے
ہیں تو موجودہ خاص سیاسی اور جغرافیائی صورت حال میں
کوئی ایسا دوسرا شخص موجود نہیں جو بصرہ کو کنٹرول
کر سکے۔"

یزید کے ایک درباری نے جو عملی مسائل کا تجربہ رکھتا تھا اور عبید اللہ کی کمزوری کو کسی حد تک جانتا تھا اور مشکل حل کر دی۔ اس نے کہا:

"اس مسئلے کا بہترین حل موجود ہے۔ اگر آپ اسے بصرہ
کا گورنر رکھتے ہوئے کوفہ کی بھی گورنری دے دیں تو
وہ اچھا کام کرے گا۔ اس صورت میں اسے خدمات
کا نقد صلہ مل جائے گا اور یہ اس کے لیے باعث
حوصلہ ہو گا۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ جب کسی حاکم کا درجہ
بڑھایا جاتا ہے تو کیا کچھ ہوتا ہے؟ کیا آپ لوگ اس بات
سے واقف نہیں کہ جو لوگ جاہ پرست ہوتے ہیں اور
دوسری حکومتوں کے لیے کام کرتے ہیں سب کچھ انجام

۱؎ عمومی طور پر یزید کی حکومت کی انتظامیہ میں ایسے منتخب سیاست دان اور تجربہ کار لوگ نہیں تھے جیسے کہ عمرو بن عاص معاویہ کے دور حکومت میں جیسے لوگوں سے بڑی مدد حاصل کی تھی

دیا جاتا ہے یا ان کے عہدہ کو بلند کیا جاتا ہے تو وہ خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے اور جو کچھ انھیں حکم دیا جاتا ہے اسے وہ آنکھ کان بند کر کے بجا لاتے ہیں۔

"اگر آپ نے ابن زیاد کے موجودہ منصب کو برقرار رکھتے ہوئے کوفہ کی گورنری بھی اسے دے دی تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ وہ اس کام کو بہتر طریقے پر انجام دے گا۔"

سب نے اس تجویز سے اتفاق کیا اور طے پایا کہ عبیداللہ کو بصرہ کا گورنر باقی رکھتے ہوئے اس کام کے انجام دینے کے لیے بھی اسے مامور کیا جائے۔

عبیداللہ کا انتخاب کر لیا گیا۔ شام سے ایک خط بصرہ کے لیے لکھا گیا — درحقیقت کوفہ سے یزید کے دوستوں نے جو خط لکھا تھا اس کا ردعمل اس خط کی صورت میں ظاہر ہوا۔

عبیداللہ اپنے کمرہ میں بیٹھا کام میں مصروف تھا کہ پیغام رساں حاضر ہوا اور شام سے جو خط بھیجا گیا تھا اسے پیش کر دیا۔

یہ خط یزید کی طرف سے آیا ہے۔ اس نے بڑے اعزاز کے ساتھ ایک سنگین ذمہ داری کے ادا کرنے کے لیے ہمیں مامور کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے:

"اس خط کے ذریعہ تمھیں کوفہ اور اس کے تمام ماتحت علاقوں کا ذمہ دار بنایا جاتا ہے۔ یہ خط تمھاری گورنری اور حکومت کے لیے ایک فرمان کا درجہ رکھتا ہے۔ جس طرح بھی مناسب سمجھو اس کام کے انجام دینے میں

جلدی کرو تاکہ فتنہ کا شعلہ زیادہ نہ بھڑکے اور درد سر میں اضافہ نہ کرے۔ حسینؑ اور اس کی تبلیغات کا راستہ روکو اور ہمیں فوراً اپنے اس کام کے انجام کی اطلاع دو۔"

یزید کا یہ خط جن خصوصیات کا حامل تھا اور ان اطلاعات کی بنا پر جو کوفہ کے حالات کے بارے میں کم و بیش پہنچ رہی تھیں ان کی وجہ سے عبیداللہ کے اپنے سارے کام درہم برہم ہو گئے۔

ابن زیاد نے اسی دن بلا فرصت تمام لوگوں کو مسجد میں طلب کیا، یزید اور اس کے آبا و اجداد کی تعریف کرنے کے بعد ایک لمبی چوڑی تقریر کی اور کہا:

"میں کچھ عرصہ کے لیے کوفہ جا رہا ہوں، اور یہاں اپنی جگہ اپنے بھائی کو مقرر کر کے ذمہ داریاں اسے سونپ رہا ہوں۔ آپ لوگ جس طرح میری پیروی کرتے تھے اسی طرح میرے بھائی کی پیروی کریں۔"

پھر اس نے کچھ دھمکیاں دے کر انھیں حکومت شام سے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی پھر مرکز کی فوج اور اس کی ذہنی حالت کا کچھ نقشہ کھینچنے کے بعد اس نے کہا:

"ایسے لوگوں کے لیے خرابی ہے جو ہمارے ان احکام کے خلاف سرکشی کریں گے جو مرکزی حکومت کی طرف سے جاری کیے جاتے ہیں۔ ان لوگوں کے لیے بدبختی ہے جو ہمارے بتائے ہوئے راستے سے انحراف کریں گے اور ان لوگوں کا بھی برا انجام ہوگا جو یزید کی طاقتور اور مقتدر حکومت

کی مخالفت کا خیال دل میں لائیں گے۔"

ابن زیاد نے اس قسم کے بہت سے جملے کہہ کر اپنی تقریر ختم کی — منبر سے اتر کر مسجد سے باہر چلا گیا اور پہلی فرصت میں کوفہ کے لیے روانہ ہو گیا۔

یزید کا نمائندہ کوفہ کی طرف

مسلم کے خطوط نے حسین بن علیؓ کو مکہ سے کوچ کرنے پر آمادہ کیا اور یزید کے دوستوں کے خطوط نے ابن زیاد کو بصرہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔

اب یہ دو جماعتیں کوفے کی جانب ایک دوسرے کے قریب ہو رہی ہیں۔

یہ دو متضاد قوتیں ایک نقطہ کی جانب بڑھ رہی ہیں —— ایک بار پھر حق اور باطل میدان جنگ میں آمنے سامنے ہیں —— ایک مرتبہ پھر استبداد و ظلم آزادی اور حریت کے خلاف جنگ چھیڑ رہے ہیں —— کفر و ایمان کے درمیان زور آزمائی کے لیے میدان تیار ہو رہا ہے۔

"تاکہ انسانی زندگی کی تاریخ میں کئی ہزارویں
بار پھر یہ ثابت ہو جائے کہ حق و آزادی فتح مند
ہیں اور باطل و استبداد شکست خوردہ۔"

۱؎ ابن زیاد کے بصرہ سے کوچ کی وجہ وہ علامات تھیں جو بصرہ میں حسینؓ کے اثر و نفوذ کی اطلاع دیتی تھیں۔ حسینؓ نے اہل بصرہ کو بھی خطوط لکھے تھے اور ان میں سے ایک کو گرفتار کر کے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ ایک قاصد منذر بن جارود کے پاس خط لایا تھا۔ منذر نے یہ خیال کیا کہ یہ عبیداللہ کی سازش ہے اس لیے قاصد اور خط انھوں نے اس کے حوالے کر دیا اور وہ قاصد کے قتل پر منتج ہوا۔

ابن زیاد تمام راستے کاروان والوں سے استفسار کرتے ہوئے کوفہ کے حالات سے مطلع ہو گیا تھا اور منزل بمنزل کوفہ سے قریب ہوتا جا رہا تھا۔

حسین بن علیؓ بھی مکہ سے کوچ کر کے کوفہ کی طرف آہستہ آہستہ بڑھ رہے تھے۔ حسینؓ کی یہ آہستہ روی بلا سبب نہیں تھی۔ آپ چاہتے تھے کہ ایام حج گزر جائیں اور لوگ آپ سے آ کر مل جائیں۔ شاید کوئی تازہ اطلاع بھی ملے جو مسلم کے خط کی توثیق کر سکے۔

گورنر شیطانی منصوبوں کے ساتھ کوفہ پہنچتا ہے —!

ابن زیاد نے زیادہ سے زیادہ سرعت کے ساتھ راستہ طے کیا — ابھی آفتاب درخشاں پوری طرح غروب نہیں ہوا تھا کہ کوفہ کے نخلستان نظر آنے لگے۔ اگر ابن زیاد اس وقت کوفہ میں داخل ہو جائے تو ممکن ہے کہ اس کا استقبال نہیں ہوگا بلکہ ناگوار صورت حال کے پیش آنے کا بھی اندیشہ ہے۔

ابن زیاد کو معلوم ہے کہ کوفہ کے لوگ حسینؓ کا انتظار کر رہے ہیں اور استقبال کے لیے آمادہ ہیں۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ یزید کی حکومت بہت کمزور ہو گئی ہے اور وہ مزاحمت کی تاب نہیں رکھتی۔

کیا اس وضع کے ساتھ اور اس موقع پر شہر میں
داخل ہونا مناسب رہے گا یا باہر ہی رک جائیں؟
یا دلیری سے کام لے کر جو کچھ ہو سو ہو اسی وقت
شہر میں داخل ہو جائیں —— یا کوئی اور
منصوبہ بنائیں ——؟

ابن زیاد نے کچھ غور کیا ——— ایک شیطانی منصوبہ اس کے ذہن میں آیا اور اسے روبعمل لانے کے لیے وہ سوچنے لگا۔

کچھ دیر بعد اس نے سر اٹھایا اور ایک دوسرا لباس پہنا — اپنا حلیہ بدل لیا ——— نقاب پہنا اور بنی ہاشم کے معززین کی شکل اختیار کر لی۔

اس کے ساتھی سوچنے لگے کہ:

• ابن زیاد کا مقصد کیا ہے ——— ؟ اس نے
اپنی یہ شکل کیوں بنائی ہے ——— ؟ شاید
کوفہ کی گورنری کے حالات اسی بات کا تقاضہ
کرتے ہوں۔ کیونکہ کوفے کے لوگ علیؑ اور ان
کے بیٹوں سے لگاؤ رکھتے ہیں اور اہل کوفہ میں تو
شاید اسی لیے گورنر بھی انہی جیسا ہونا چاہیے۔"

سورج تقریباً غروب ہو چکا تھا۔ اس کی سنہری کرنوں نے افق کو روشن کر رکھا تھا۔ تاریکی روشنی کے ساتھ مل کر شہر کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ابن زیاد شہر کی طرف روانہ ہوا۔ دروازہ کے نزدیک اس نے اپنے حامیوں سے کہا:

• تم شہر کے باہر جمع ہو جاؤ اور نعرے لگا کر لوگوں
کو یہ تاثر دو کہ میں حسینؑ ہوں۔ اس طرح میرا
استقبال کرو!

اس کے ساتھیوں نے اب ابن زیاد کے منصوبے کو سمجھ لیا اور اسے روبعمل لانے کے لیے آمادہ ہو گئے۔ ہر طرف سے خوش آمدید و نعرہ ہائے حسینؑ کی آواز بلند کرنے لگے۔ حتیٰ کہ یزید اور بنی امیہ کے خلاف بھی نعرے لگائے اور لوگوں کو پوری طرح شبہ میں ڈال دیا۔

حد شمار سے زیادہ لوگ جمع ہو گئے۔ یہ جلوس جس قدر آگے بڑھتا گیا زیادہ سے زیادہ لوگ اس میں شامل ہوتے جا رہے تھے۔ لوگ اسے حسینؑ کا استقبال سمجھ رہے تھے اور ان کے احترام کی خاطر ہر طرف سے آ کر جمع ہو رہے تھے۔ آہستہ آہستہ پورا شہر امنڈ آیا۔

ابن زیاد رات کے ابتدائی حصہ کی تاریکی اور کوفے کے لوگوں کی حالت انتظار سے فائدہ اٹھا کر شہر میں آ گیا اور کسی سے بات کیے بغیر اور اپنا چہرہ ظاہر کیے بغیر گلیوں اور سڑکوں پر سے ہوتا ہوا گورنر ہاؤس (دارالامارہ) کی طرف چل پڑا۔

لوگوں نے سوچا:

• حسینؑ سیدھے گورنر کے پاس جا رہے ہیں اور حسینؑ
چاہتے ہیں کہ پہلے اس وقت کے گورنر نعمان کا قصہ
پاک کر دیں۔"

اسی لیے ہجوم نے ایک شورش کی صورت اختیار کر لی اور گورنر ہاؤس کا محاصرہ کر لیا ——— یزید سے وابستہ حکومت کے خلاف نفرت اور غضب اس قدر شدید تھا کہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ لوگ دارالامارہ کی عمارت کو نگل جائیں گے۔

گورنر نعمان نے قلعہ بند ہو کر حکم دے دیا کہ دارالامارہ کے تمام دروازے بند کر دیے جائیں۔

لوگوں کے شور اور نعروں نے ایک زبردست مظاہرے کی صورت اختیار کر لی اور اس زبردست مظاہرے نے نعمان کو جھنجھوڑ کے رکھ دیا۔

ابن زیاد اپنی شیطانی سیاست پر عمل کرتے ہوئے اس عوامی مظاہرے کا بھی اچھی طرح جائزہ لے رہا تھا اور یہ دیکھ رہا تھا کہ حسینؑ کے ساتھ لوگ کس قدر تعلق

رکھتے ہیں اور یہ بندشوں سے کتنی نفرت کرتے ہیں تاکہ آئندہ کی سیاست کو عوام کے احساس و جذبات کے ساتھ ہم آہنگ کر کے نافذ کر سکے۔

ابن زیاد نقاب میں چہرہ چھپائے ہوئے لوگوں کے اس ہجوم کے درمیان تھا جو یزید اور اس کی حکومت کے خلاف نعرے لگا رہا تھا۔ ابن زیاد کی جمعیت کے ساتھ گورنر ہاؤس کی دیوار کے قریب آگیا۔

گورنر نعمان نے دریچہ سے باہر سر نکال کر اس شخص کو مخاطب کیا جو مجمع کے درمیان گھرا ہوا تھا اور کہا:

"اے پیغمبرؐ کے بیٹے حسین بن علیؑ، ہمارا پیچھا چھوڑو
اور اپنے کام سے کام رکھو۔"

اس موقع پر ابن زیاد نے اپنی زبان کھولی اور بلند آواز سے کہا:

"نعمان! یہاں پیغمبرؐ کا فرزند کون ہے؟ یہ
میں ہوں جو یہاں آیا ہوں ——— حسینؑ کون
ہے ———؟ میں عبیداللہ ابن زیاد ہوں،
دروازہ کھول ——— جلدی کر جلدی۔"

جیسے ہی نعمان نے ابن زیاد کو پہچانا، جلدی سے نیچے آ کر دروازہ کھلوایا ابن زیاد اپنے چند حامیوں کے ساتھ گورنر ہاؤس میں داخل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی دروازہ بند کر دیا گیا۔

لوگ اس ہجوم فریبی پر سخت ناراض ہوئے اور منتشر ہو گئے۔ اور یہ خبر پورے کوفہ میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔

نیا گورنر کوفہ کو حسینؑ سے واپس لیتا ہے

حسینؑ کے خلاف یہ پہلی بار دو طرفہ کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ کوفہ کے گورنر ہاؤس نے اس رات ایک ایسی کانفرنس کا مشاہدہ کیا کہ جس کی تاریخ کوفہ میں مثال نہیں ملتی۔ اس تاریخی کانفرنس کا مقصد حسینؑ و دیگر ایسے افراد کا راستہ روکنا تھا جو آزادی و تہذیب اور ملک و حکومت کے استقلال کے خلاف کام کر رہے ہیں؟!!

عبیداللہ کی سربراہی میں منعقد ہونے والی اس کانفرنس میں بڑے دلچسپ مذاکرات ہوئے۔ سب سے پہلے نعمان نے حسینؑ کے نمائندے مسلم اور گروہوں کی تفصیل پیش کی اور ساتھ ہی یہ بتایا کہ کوفہ میں حالات کس قدر خطرناک ہیں۔

اس کے بعد عبیداللہ نے کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

"میری نظر میں احوال پر قابو پانے کا واحد راستہ ایک
نہایت سخت سیاسی پالیسی پر عمل کرنا ہے۔ ہمارے
لئے ضروری ہے کہ لوگوں کو دھمکیاں دے کر انہیں
ہراساں کریں اور فضا میں بدترین گھٹن پیدا کر دیں
اور قوم کے سرداروں کو ہر ممکن ذریعہ سے قابو میں لے
آئیں۔ اگر وہ موافقت اور سکوت اختیار کریں تو ان
سے کام لیا جائے اور وہ مخالفت پر اتر آئیں تو انہیں
قید، جلاوطنی اور موت کی سزائیں دی جائیں۔ اگر
قبائل کے چار سربراہوں کے ساتھ بھی ایسا کیا گیا

تو دوسروں کو عبرت حاصل ہوگی ورنہ پھر کسی میں دم مارنے کی ہمت باقی نہیں رہے گی اور ہم تدریجاً حسبِ منشا اپنے مفاد کے مطابق تبدیلی لے آئیں گے۔

جناب نعمان! میرے ہمراہیوں میں سے بعض کا تعلق بصرہ سے ہے۔ ان میں سے ایک دو شام سے آئے ہیں۔ یہ پوری طرح مستعد اور وفادار ہیں۔ یہ لوگ یزید اور خواص کی حکومت کی راہ میں جان بھی قربان کر دیں گے۔ میں ان پر پوری طرح اعتماد کرتا ہوں۔

جناب نعمان! آپ نے بڑی نرم پالیسی اختیار کر رکھی تھی آپ نے شروع ہی سے میدان مخالفوں کے لیے کھلا چھوڑ رکھا تھا۔ اسی لیے مسلم کو یہاں بیٹھنے اور حسینؑ کے لیے یہاں جگہ بنانے کا موقع مل گیا۔ اگر آپ پہلے دن ہی سے سختی سے کام لیتے اور جو لوگ اس طرح کی سرگرمیوں میں ملوث نظر آتے، انہیں گرفتار کر لیتے تو معاملہ اس حد تک نہ جا پہنچتا۔ اب میں نے حالات سے نمٹنے کے لیے جو منصوبہ پیش کیا ہے اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں ہے۔

نظامِ جاسوسی کی تشکیل

"جناب نعمان! ہمارے منصوبے کا ایک بنیادی حصہ ایک نظامِ جاسوسی کی تشکیل ہے۔ جس کے تحت مامورین مختلف جاسوسی

میں روپ دھار کر ہمارے ساتھ کام کریں۔ وہ ہمیں حالات کی تفصیلات سے آگاہ کرتے رہیں۔ یہاں تک کہ ہم اب تک جو خرابی پیدا ہوئی ہے اس کا ازالہ کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔ اگر ہم نے "سیکرٹ سروس" سے کام لیا تو ہماری صد فی صد کامیابی یقینی ہے۔"

"جناب نعمان! آپ نہیں جانتے ہیں کہ تفتیش اور جاسوسی کا نظام کسی بھی حکومت کی بنیادوں کو مضبوط کرنے میں کس قدر مؤثر کردار ادا کرتا ہے! اس نظام کے ذریعہ ہم تمام جزئیات سے واقف ہو کر بروقت مؤثر اقدامات کر سکتے ہیں۔"

"جناب نعمان! ہمارے لیے بجز اس کے کوئی اور راہ نہیں ہے کہ ہم اس طرح کا ایک ادارہ قائم کریں۔ اب ہمیں اس ادارے کے لیے بہتر آدمیوں کا انتخاب کرنا چاہئے اور اس کے لیے کوئی لائحہ عمل وضع کرنا چاہیے۔"

"اس کام کے لیے ایک شخص بہت موزوں ہے اور میں اس پر بہت اعتماد کرتا ہوں۔ یہ میرا غلام معقل ہے۔ آپ بھی دو تین آدمیوں کو منتخب کریں۔ بعد میں حسبِ ضرورت ہم مزید آدمیوں کی خدمات حاصل کریں گے۔"

اس ارادے اور انتخاب کے ساتھ کانفرنس جو نصف شب کے بعد تک جاری رہی تھی ختم ہو گئی۔

اس کانفرنس کا مقصد ایک ایسی سخت سیاسی پالیسی کو نافذ کرنا تھا جس کی بنیاد ظالمانہ تشدد پر رکھی گئی ہو اور جس کی راہ میں کوئی طاقت حائل نہ ہو سکے!

یہ تو تھا اس کانفرنس کا حال جو گورنر ہاؤس میں منعقد ہوئی تھی لیکن کوفہ کے عوام اور ان کے رہنما مسلم کن حالات سے دوچار تھے؟

عوام کی یہ حالت تھی کہ جہاں بھی چند لوگ مل بیٹھتے ان کی گفتگو کا موضوع یہی نئی صورت حال ہوتی۔

ان میں سے ایک کہتا:

"اب تو اس طرح کے واقعات رونما ہو رہے ہیں ہمارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ہم یزید اور بنی امیہ کے چنگل سے نجات حاصل کریں۔ اس مقصد کے لیے ہمیں دار و رسن کی پرواہ کیے بغیر حکومت کی مخالفت کرنا ہوگی۔ ان سیاہ استبدادی حکومتوں کے سائے میں ہماری یہ زندگی، زندگی نہیں بلکہ موت سے بدتر ہے۔ حق و باطل ہمیشہ باہم جنگ کرتے رہے ہیں اور بالآخر فتح حق کے حصے میں آتی رہی ہے۔"

ایک دوسرا شخص کہتا:

"یہ صحیح ہے کہ ہمیں اس طرح کے واقعات کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور فتح ہمیشہ حق ہی کی ہوتی ہے۔ لیکن شام کی طاقت اور بنی امیہ کے تسلط کے خلاف کیا کیا جا سکتا ہے؟ ہمارے پاس وسائل نہیں ہیں۔ ایک طرف ہماری مالی اور اجتماعی حالت اس طرح کی ہے اور دوسری طرف یزید کی حکومت شیطانی منصوبوں سے لیس ہے۔ ہمارا کام جذباتی نہیں، مشہور قول ہے

کے مطابق رکھو" اور "ہم ایک دوسرے سے آشنائی نہیں رکھتے۔"

یہ گفتگو جو عموماً لوگوں کے جوہر اور گوہر کو ظاہر کر دیتی ہے۔ اور ہر شخص ان نشستوں میں اپنے باطن کو کھول کر رکھ دیتا ہے اور آئندہ حوادث لوگوں کے ان ہی افکار و جذبات کی بنا پر رونما ہوتے ہیں۔ لوگوں کی یہ محفلیں ختم ہوئیں اور رات صبح میں بدل گئی۔

ظالمانہ سیاست

صبح کی روشنی پھیلی، فضا روشن ہو گئی، آفتاب چمکنے لگا۔ منادی کی آواز مسجد سے بلند ہوئی: "الصلوٰۃ جامعۃ" لوگو مسجد کی طرف آؤ۔

حالات کی رفتار اور عوام کی بے چینی نے لوگوں کو مسجد کی طرف جانے پر مجبور کر دیا اور تھوڑی دیر میں لوگ بڑی تعداد میں وہاں جمع ہو گئے۔

ابن زیاد مسجد میں داخل ہو کر منبر پر بیٹھا اور حمد و ثنا کے بعد اس نے کچھ اس طرح کی باتیں کہیں:

"حاضرین! آپ کو یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ امیر المومنین یزید نے مجھے گورنری کے منصب پر فائز کیا ہے تاکہ میں آپ کی زندگی کے تمام گوشوں پر نظر رکھوں اور آپ کی اس سرزمین کی حفاظت کرتے ہوئے کسی اجنبی کو اور اجنبی طاقتوں کے ساتھ تعلق رکھنے والوں کو اس

؎ فی تمییز الامور علم جواہر الرجال (نہج البلاغہ)

علاقے میں رخنہ اندازی کی اجازت نہ دوں۔ یزید نے
مجھے ہدایت کی ہے کہ میں آپ لوگوں کے ساتھ انصاف
کا رویہ اختیار کروں اور مظلوم لوگوں کی فریاد کو پہنچ کر
محروم لوگوں کو ان کا حق دلاؤں اور جو لوگ
ہماری باتوں کو توجہ سے سنیں اور ہماری اطاعت کریں
میں پدرانہ شفقت کے ساتھ ان کی دلجوئی کروں اور
سرکشوں اور اپنے مخالفین کی تلوار سے سرکوبی کروں۔"

"لوگو! اپنی جانوں کے بارے میں خوف کرو اور خود کو
ہلاکت کے خطرے میں نہ ڈالو۔ یہ نہ سمجھو کہ میں
تمہیں صرف دھمکی دے رہا ہوں۔ دھیان رکھو میں
نے جو کچھ کہا ہے اس پر عمل ہو گا۔"[1]

ابن زیاد یہ تقریر کر کے منبر سے نیچے آیا اور اسی جگہ حکم دیا کہ ایسی تمام شخصیتوں کو حاضر کیا جائے جو معاشرہ کے مختلف طبقوں سے تعلق رکھتی ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو بھی جو حالات سے زیادہ واقف ہیں۔

پھر ان لوگوں پر بڑی ذمہ داری ڈالتے ہوئے اس نے کہا:

"جو شخص ہمارا مخالف ہے اسے ہمارے علم میں لاؤ اور
جو ہمارے موافق ہیں انہیں ہمارے اختیار میں دو۔
ورنہ تم میں سے ہر ایک اس بات کی ضمانت دے کہ تمہارے
قبیلہ کا کوئی شخص ہماری مخالفت نہیں کرے گا اور

---

[1] ترجمہ ابن زیاد کی گفتگو مطابق نقل ... ص ...

جو شخص بھی سرکشی کرے گا اسے اسی کے گھر کے دروازے
پر لٹکا دیا جائے گا۔"

مسلم کو جیسے ہی اس تقریر کی اطلاع ملی انہوں نے جائے قیام تبدیل کر دی۔ اب ہانی کا گھر ان کا مرکز تھا۔ ہانی بن عروہ جو حضرت مسلم سے پوری ہمدردی رکھنے والے اور حضرت حسینؑ کے دوستوں کی ایک معزز شخصیت تھے۔ شیعہ بڑی احتیاط کے ساتھ پوشیدہ طور پر ان کے پاس جمع ہوتے اور حالات پر غور و فکر کرتے۔ کچھ عرصہ تک خاموشی رہی لیکن لوگوں کا اعتماد ہو گیا کہ بیعت کی حالت نا مناسب حالات پیدا ہو گئے زیادہ دیر تک نہ سکیں۔ جب حضرت مسلم کے حامیوں کی تعداد اٹھارہ ہزار تک پہنچ گئی تو لوگوں نے خروج کرنا چاہا لیکن ہانی نے کہا:

"ابھی یہ جلدی ہو گی۔ صبر کرو ——"

عبید اللہ بڑی ہوشیاری کے ساتھ صورت حال پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ وہ روزانہ کسی نہ کسی سردار قبیلہ کو طلب کر کے اسے کسی نہ کسی طرح اپنے موافق کرنے پر مجبور کر دیتا تھا۔

عبید اللہ کو اس کا احساس تھا کہ ان حالات میں مسلم کہیں معطل بیٹھے ہوئے یقیناً کوئی منصوبہ بنا رہے ہوں گے۔ وہ جانتا تھا کہ حسینؑ کے دوست جن میں، جنہیں کوفہ میں آمد کے وقت اس قدر جوش و خروش دیکھا تھا، خاموش نہیں بیٹھے ہوں گے اور جنگ کی فکر کر رہے ہوں گے۔

عبید اللہ اس سکوت و خاموشی سے ڈر رہا تھا اور محسوس کر رہا تھا کہ سکوت پر گھبرا دینے والا ہے۔ یہ سکوت اور آرام طبعی نہیں ہے۔ یہ خاموشی خود خطرے اور گھٹن کے ساتھ وجود میں لائی جاتی ہے۔ کسی ہنگامے اور شور و پکار سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوتی ہے۔

ابن زیاد جانتا تھا۔ باغیانہ شورشیں، خطرناک بغاوتیں ہمیشہ ایسے ہی پُرسکون اور خاموش فضا میں سر اٹھاتی ہیں جو جبر و قہر کے ذریعے پیدا کی جاتی ہے۔

ابن زیاد ان باتوں سے اچھی طرح واقف تھا اور فنِ مردم شناسی میں مہارت رکھتا تھا۔ اس نے جاسوسی نظام سے فائدہ اٹھانے کا فیصلہ کیا جس کی داغ بیل گزشتہ کانفرنس میں ڈالی گئی تھی۔

ایک جاسوس کی کامیابی

ابن زیاد نے معقل کو طلب کیا اور اسے تین ہزار درہم دیے اور اسے ہدایت کی کہ مسلم اور ان کے کسی دوست سے رابطہ پیدا کرو اور یہ رقم اسے دے کر کہنا میں [illegible] یہ رقم آپ کے حوالے کر رہا ہوں تاکہ آپ اسے دشمن کے خلاف اپنی جنگ میں استعمال کریں۔

ابن زیاد نے یہ ہدایت دیتے ہوئے اسے تاکید کی کہ:

"خود کو ایک سچے درجہ اوّل کے شیعہ کی حیثیت سے پیش کرو تاکہ ان کے اداروں میں رہ کر پوشیدہ طور پر ان کے حالات معلوم کرو اور پھر ہمیں ان کی اطلاع دو۔ تمھاری یہ ذمہ داری ہے کہ مسلم اور ان کے دوستوں کے حالات خفیہ طور پر معلوم کرو۔"

"جنابِ معقل! تمھیں یہ کام بڑی احتیاط اور توجہ کے ساتھ انجام دینا ہوگا تاکہ کسی کو یہ شبہ نہ ہو سکے کہ تمھارا ہمارے ساتھ کوئی تعلق ہے۔ تمھارا کام جس قدر بڑا اور نازک ہے اسی اعتبار سے تمھارا انعام

بھی بڑا اور قیمتی ہو گا۔ کوشش کرو کہ اس ذمہ داری سے اچھی طرح عہدہ برآ ہو سکو۔"

معقل رقم لینے کے بعد سیدھے بڑی مسجد میں آیا۔ ایک مقدس آدمی کا روپ دھار کر عبادت میں مشغول ہو گیا۔

وہ عبادت میں مشغول ہے لیکن اصل فکر اس حکم کی تعمیل ہے جو اسے دیا گیا ہے۔ وہ نماز پڑھ رہا ہے لیکن اس کی آنکھ اور کان دوسروں کی طرف لگے ہوئے ہیں۔

معقل عبادت میں مصروف تھا اچانک اس نے سنا کہ ایک شخص مسلم بن عوسجہ کا تعارف کرا رہا ہے اور کہتا ہے کہ وہ حسینؑ کی بیعت لے رہا ہے۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوا اور قریب آیا۔ اور ابن عوسجہ کے پاس بیٹھ گیا اور جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اس سے بڑی نرمی کے ساتھ بولا:

"اے خدا کے بندے! میں شام سے آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اہل بیتؑ کی محبت کے سلسلے میں مجھ پر احسان کیا ہے۔ میں ان سے بڑا دلی تعلق رکھتا ہوں۔ میں نے سنا ہے کہ کوئی شخص کوفہ میں آیا ہے اور حسینؑ کی بیعت لے رہا ہے۔ اور میں اس کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے آیا ہوں اور حالات اس وقت جیسے کچھ ہیں میں نے دیکھے ہیں..."

معقل یہ کہہ کر زار زار رونے لگا اور اس نے ایسی عزاداری کا مظاہرہ کیا کہ

ے اصل عبارت دلچسپ و صحیح ہے لیکن شبہ اس میں ہے کہ وہ قبول کیا جائے۔

عوسجہ متاثر ہوگیا۔ اپنا رونا دھونا جاری رکھتے ہوئے اس نے تین ہزار کی رقم پیش کی اور کہا:

"میں یہ رقم تمہارے حوالے کرتا ہوں اب تم مجھے اس شخص تک پہنچا دو۔"

معقل نے اس قدر اصرار کیا کہ عوسجہ نرم پڑ گیا اور اس نے کہا:

"میں نہیں چاہتا تھا کہ کوئی مجھے اس حیثیت سے پہچانے۔ تم اجنبی ہو اور یہاں کے حالات سے بھی قطعاً ناواقف ہو۔ تم نہیں جانتے کہ یہ شہر ظالم حکام کے ظلم و ستم کی بنا پر کس طرح زندگی گزار رہا ہے۔ یہاں ذرا سے شبے پر لوگوں کو گرفتار کر لیا جاتا ہے اور بغیر تحقیق کے انہیں سزا دے دی جاتی ہے۔ لیکن اب کہ تم نے مجھے پہچان لیا ہے، بہت ہوشیاری کے ساتھ یہیں ہاتھ بیعت کے لیے بڑھاؤ تاکہ میں تمہیں حسینؑ کے نمائندے مسلم کے پاس لے چلوں۔"

نظام جاسوسی کے اس کارپرداز معقل نے بڑی عیاری کے ساتھ پہلے ہی مرحلے میں کامیابی حاصل کر لی تھی۔ بیعت کے لیے اپنا ہاتھ بڑھا دیا اور اسی شب اسے مسلم بن عقیل کی مجلس میں پہنچنے کا موقع مل گیا۔ اور رقم اس نے خزانچی ابو ثمامہ کے حوالے کی اور تنظیم سے آگاہی حاصل کی۔

اس کے بعد وہ ہر شخص سے پہلے مجلس میں حاضر ہوجاتا اور سب کے بعد وہاں سے رخصت ہوتا اور بے حد احتیاط کرتا تاکہ اس پر کوئی ذرہ برابر بھی شبہ نہ کرسکے اور کبھی کبھی عبیداللہ کے پاس جاکر اسے تمام حالات سے باخبر کر دیتا۔

اتفاقاً ان دنوں شریک بن اعور جو بصرہ کے معززین میں سے تھا اور ابن زیاد کے ہمراہ کوفہ آیا تھا بیمار ہوگیا اور اس دلی تعلق کی بنا پر جو وہ ہانی کے ساتھ رکھتا تھا آرام کے لیے اس کے گھر آگیا۔

شریک یزید کی جابرانہ حکومت اور ابن زیاد سے دل ہی دل میں بہت ناراض رہتا تھا اور بصرہ میں اس کے استبدادی طریقوں سے بہت رنجیدہ تھا۔ اس طرح اس کی مسلم سے ملاقات ہوئی۔ حالات سے واقفیت کے بعد اس نے مسلم سے کہا:

"ابن زیاد لازماً میری مزاج پرسی کے لیے آئے گا عین اس وقت جب وہ میری احوال پرسی میں مصروف ہوگا۔ اس پر حملہ کرکے اسے ختم کر دینا اس طرح یہ بحران تمہارے مفاد میں ختم ہوگا۔"

ہانی نے جو دونوں مہمانوں کا میزبان تھا اس منصوبے کی مخالفت کی وہ نہیں چاہتا تھا کہ یہ واقعہ اس کے گھر میں پیش آئے اور اصولی طور پر وہ یہ کہتا تھا کہ اسلامی تربیت ایسی بزدلانہ کارروائیوں کی اجازت نہیں دیتی۔

حضرت مسلم نے اس منصوبے کو غیر مناسب کہا۔ جس وقت ابن زیاد ابن اعور کی عیادت کے لیے آیا۔ بیمار کی توقع کے خلاف اس کام سے احتراز کیا۔ ابن اعور نے ایک شعر پڑھا اور ابن زیاد نے خفیہ اطلاعات کی بنا پر کسی خطرے کا احساس کیا اور فوراً اٹھ کر گھر سے باہر چلا گیا اور اس معاملہ کی تحقیقات شروع کر دی اور اپنے جاسوسوں کے ذریعہ قتل کے اس منصوبے کا پتہ چلا لیا۔

آزادی کی راہ میں دو قربانیاں

مسلم اور ہانی کے منصوبوں کو ناکام بنانے کے بعد ابن زیاد بڑی اور تنگ سیاست

تدبیر سوچنے لگا اور اس نے مکروفریب کی راہ اختیار کی۔

ابن زیاد نے ہانی کے بھتیجے اور خسر محمد بن اشعث اور عمرو بن حجاج اور ان کے چند وابستگان کو طلب کیا اور جب وہ حاضر ہوئے تو ان سے پوچھا:

"ہانی کہاں ہے؟ وہ ہم سے کیوں نہیں ملتا؟ ہماری خواہش ہے کہ ہانی جیسی برجستہ شخصیتیں ہمارے ساتھ ہمارے مقاصد کے لیے کام کریں۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہانی جیسا معزز و محترم آدمی ہمارا حال نہ پوچھے۔"

ہانی کے رشتہ داروں نے کہا:

"وہ بیمار ہے۔ اس کی حالت اچھی نہیں ہے ورنہ وہ ضرور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔"

ابن زیاد نے کہا:

"مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کی بیماری ختم ہو گئی ہے اور وہ گھر سے باہر نکلتا ہے۔ اگر فی الواقع اس کی حالت اچھی نہیں ہے تو میں اس کی عیادت کے لیے حاضر ہوں۔ جاؤ میری طرف سے اس کا حال پوچھو اور پھر مجھے خبر دو۔"

محمد بن اشعث اور عمرو بن حجاج ہانی کے پاس آئے اور ابن زیاد سے اپنی ملاقات کا ذکر کر کے اس سے کہا:

"ہمارے ساتھ چلو اور ابن زیاد سے ملاقات کرو۔"

ہانی کو یہ بات پسند نہیں آئی اور اس نے خطرہ بھی ظاہر کیا لیکن اس کے خسر اور بھتیجے نے کہا:

"یہ تم کیا باتیں کرتے ہو، ابن زیاد تو بڑے احترام و اکرام کے ساتھ تمہارا ذکر کر رہا تھا کیا وہ تمہارے لیے کوئی برا ارادہ رکھ سکتا ہے؟"

ان لوگوں کو معلوم نہ تھا کہ جاسوسوں نے ان کے دشمن کے گھر کے حالات کے بارے میں رپورٹیں دی تھیں۔ انھیں معلوم نہ تھا کہ مکتب معاویہ کے سیاست دان کسی چیز کے پابند نہیں اور مقدسات کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ وہ نہیں جانتے تھے کہ ابن زیاد نے معاویہ کے سیاسی مکتب میں تربیت حاصل کی تھی اور اس نے ہانی کے لیے جو چالبازی کے حیلے استعمال کیے تھے وہ اپنے شیطانی مقصد کو پورا کرنے کے لیے تھے۔

ہانی کے وابستگان ابن زیاد کے شیطانی منصوبوں سے آگاہ ہو گئے تھے۔ لیکن اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ انھیں احساس ہوا کہ وہ دھوکہ کھا گئے اور ہانی کا کہنا صحیح تھا۔ مگر اب اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

ہانی ابن زیاد کی ملاقات کے لیے گورنر ہاؤس میں داخل ہوا لیکن یہاں صورت حال خود اس کے ہمدردوں کے مطابق اور ساتھیوں کی توقعات کے بالکل برعکس پیش آئی۔

ے بے شک اے سادہ لوح فرد تمہاری نظر میں ایسا ممکن نہیں ہے لیکن عوام فریبی کی سیاست میں ہر چیز ممکن ہے بلکہ بعض اس قسم کے جملوں اور الفاظ سے فریب دینے والوں کے برے ارادے جھلکتے ہیں۔ ہوشیار رہو۔

ابن زیاد نے ہانی کو دیکھتے ہی کہا:

"بہت خوب، ہانی تو اپنے ہی قدموں کے ساتھ خود سزا پانے کے لیے آگیا!"

اس کے بعد ابن زیاد نے قاضی شریح کی طرف رخ کر کے جو قریب ہی بیٹھے تھے کہا:

"جناب شریح، آپ قاضی وقت ہیں اور حقوق سے متعلق امور و مسائل سے بخوبی واقف ہیں آپ ہی فیصلہ کریں:

"ارید حیاته ویرید قتلی"

میں ان جناب کی شخصیت اور زندگی کی حفاظت کے لیے کام کر رہا ہوں اور یہ میرے قتل کا منصوبہ بناتے ہیں۔"

ہانی نے کہا:

"جناب گورنر! مجھے معاف کریں۔ یہ آپ کیسا الزام میرے سر تھوپ رہے ہیں۔ نہ خود اس طرح کے خیالات رکھتا ہوں اور نہ ہی کسی کے کسی معاملہ میں میرا کوئی دخل ہے۔"

ابن زیاد نے ہانی کی بات کاٹتے ہوئے کہا:

"جناب آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم کوئی خبر نہیں رکھتے؟ آپ کی تمام خفیہ سرگرمیوں کی اطلاع ہمیں ملتی رہی ہے۔ ان خفیہ تنظیموں کا کیا مطلب ہے؟ یہ کیا کام ہیں

جو آپ کے دولت خانے میں انجام پاتے ہیں۔ یہ کون سے منصوبے ہیں جو آپ کی رہائش میں تیار ہوتے ہیں؟ ہمیں آپ کے اس کاروبار کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا بھی علم ہے۔ آپ نے مسلم کو اپنے گھر میں پناہ دے رکھی ہے۔ اور آپ حسین کے نام پر لوگوں سے بیعت لیتے ہیں اور آپ نے اپنے اطراف واقع گھروں میں اسلحہ اور لشکر جمع کر رکھا ہے۔ آپ میرے قتل کا منصوبہ بناتے ہیں۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان باتوں کو بے نقاب نہیں کر سکتے؟"

ہانی نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ جواب دیا:

"آپ جن باتوں کا ذکر فرما رہے ہیں ان سے میں ذرا بھی واقف نہیں ہوں۔ یقیناً لوگوں نے آپ کو غلط باور کرایا ہے۔"

ابن زیاد نے سخت ناراض ہو کر چیخ کر کہا:

"ہمیں پوری پوری اطلاع ہے۔ لوگوں نے ہم سے غلط نہیں بیان کیا ہے۔ تم غلط بول رہے ہو۔"

ہانی نے پھر انکار کیا۔ اس تکرار اور انکار نے عبید اللہ کو غضبناک کر دیا اور اس نے پکار کر کہا:

"معقل کہاں ہے ——؟"

یہاں آؤ، اب ہم دیکھتے ہیں کہ ہانی کیا کہتا ہے۔

ہانی نے جب معقل کا نام سنا تو وہ پوری بات سمجھ گیا اور اسے معلوم ہو گیا کہ معقل در اصل جاسوس اور ابن زیاد کے جاسوسی نظام کا ایک کارندہ تھا۔

چند لمحوں بعد ہی معقل حاضر ہوا اور اس نے یہی رپورٹ کا اعادہ کیا۔
ہانی نے دل میں سوچا۔ اب انکار کی کوئی گنجائش باقی نہیں۔ یہی بہتر ہے کہ سارے معاملے کو بلا کم و کاست بیان کر دیا جائے۔ یہ سوچ کر ہانی نے کہا۔

"میں نے مسلم کو دعوت نہیں دی تھی۔ وہ خود میرے گھر آئے تھے لیکن اُن کے ساتھ اپنے تعلقات کی بنا پر میں نے یہ مناسب نہ سمجھا کہ ان خطرناک حالات میں انھیں واپس بھیج دوں۔ اُن کی سرگرمیاں جیسی کچھ ہیں ان سے آپ بخوبی واقف ہیں لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ خود میرے دل میں کوئی بُرا ارادہ نہیں رہا ہے۔ میں اس بات کے لیے تیار ہوں کہ ابھی جا کر انھیں اپنی ذمہ داری سے باہر کر دوں اور ان سے درخواست کروں کہ وہ میرے گھر سے چلے جائیں۔"

ابن زیاد نے کہا:

"کیا خوب! اب تم عذر کر رہے ہو اور پھر میرے خلاف کوئی نیا پلان بنا رہے ہو؟ میرے لیے اس وقت تک تمھیں آزاد کرنا ممکن نہیں ہے، جب تک کہ تم مسلم کو میرے حوالے نہ کر ڈالو۔"

ہانی نے جواب دیا:

"یہ بات ممکن نہیں ہے۔ کیا میں اپنے مہمان کو تمھارے حوالے کر دوں تاکہ تم اسے قتل کر ڈالو؟!"

ابن زیاد نے کہا:

"خدا کی قسم اسے تم میرے حوالے کرو گے۔"

ہانی نے کہا:

"خدا کی قسم میں اُسے ہرگز تمھارے حوالے نہیں کروں گا۔"

گورنر شیطان کے روپ میں

یہ بحث طویل ہو گئی اس موقع پر ابن عمر باہلی نے کہا:

"امیر! مجھے اجازت دیجیے میں ان سے کچھ بات کرنا چاہتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ وہ راضی ہو جائے گا۔"

یہ شخص معاویہ کے مکتب سیاست کا تربیت یافتہ تھا اور اسے عوام فریبی میں مہارت حاصل تھی۔

اسے اجازت مل گئی اور وہ ہانی کے قریب آ کر بیٹھ گیا اور اپنے مکتب سیاست کی عوام فریبانہ باتیں شروع کر دیں:

"جناب ہانی! ابن زیاد مسلم کے لیے کوئی برا ارادہ نہیں رکھتے۔ مسلم کے آپ سے خاندانی روابط ہیں۔ انھیں اذیت دینا یا ان کی شان میں کوئی جسارت کرنا مقصود نہیں ہے۔ اصل مقصد صرف یہ ہے کہ آتش جنگ و خونریزی کو خاموش کر دیا جائے۔ آپ بھی اس بات کو پسند نہ فرمائیں گے کہ ایک معمولی بات کے لیے خون خرابہ ہو۔

جناب ہانی! آپ کا ضد کرنا خود آپ کے مرض کے

یہ اور آپ کے خاندان کے لیے نقصان دہ ہے۔
عین ممکن ہے کہ آپ کی زندگی کے لیے خطرہ پیدا ہو
جائے۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ آپ مسلم کو حوالے
کر دیں، فتنہ ختم ہو جائے گا۔ میں آپ کو یقین دلاتا
ہوں کہ مسلم کی شان میں ذرا سی بھی جسارت نہیں
کی جائے گی، کجا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔ مسلم کے
حوالے کرنے سے نہ آپ کی دنیا کو کوئی نقصان پہنچے
گا اور نہ آخرت کو۔ دنیوی نقطۂ نظر سے تو یہ بات
ہو گی کہ آپ نے اسے حکومت کی تحویل میں دیا ہے
اور آخرت کے نقطۂ نظر سے یہ بات آپ کے لیے
اطمینان بخش ہو گی کہ وہ قتل نہیں کیا جائے گا۔ اس
لیے آپ کی کوئی ذمہ داری و جواب دہی نہیں ہو گی۔"

ابن عمر باہلی کی تمام فریبانہ باتیں جب یہاں تک پہنچیں تو ہانی کو غصہ آ گیا۔ ہانی ایک روشن ضمیر انسان تھا۔ وہ بیدار مغز تھا اور وہ یزید کی حکومت کے مکر و فریب سے بخوبی واقف تھا۔ اس نے پوری سختی کے ساتھ [illegible] کہا

"یہ تو کیسی باتیں کرتا ہے۔ مسلم کے حوالے کرنے سے تو
میری دنیا اور آخرت دونوں برباد ہو جائیں گی۔
یہ کام تو دونوں جہان میں میری صلاح و فلاح کے
خلاف ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں مسلم کو تمہارے
ہاتھ میں دے دوں اور تمہارے ہاتھوں اسے قتل
کروا دوں اور خود زندہ رہ جاؤں۔ میرا قبیلہ اور

میرے دوست بہت ہیں۔ اگر میرا کوئی ساتھی بھی باقی
نہ رہے تب بھی میں اسے تمہارے حوالے نہیں
کروں گا۔ بجز اس کے کہ میں خود اس کی راہ میں مارا
جاؤں۔"

جب بحث اس حد تک پہنچی تو ابن زیاد نے بڑی سختی کے ساتھ مداخلت کرتے ہوئے کہا:

"جناب ہانی، خدا کی قسم! اب کے سوا کوئی چارہ نہیں
کہ آپ مسلم کو میرے حوالے کر دیں یا پھر میں آپ
کا سر قلم کر دوں۔"

ہانی نے جواب دیا:

"میں مسلم کو تو تیرے حوالے نہیں کروں گا۔ لیکن میرا
قتل کر کے تجھے بہت مہنگا پڑے گا۔"

ابن زیاد نے غصے سے کہا:

"تو مجھے دھمکی دیتا ہے ——— ؟"

اور پھر مغلوب الغضب ہو کر اس نے اپنی چھڑی سے ہانی کے منہ و چہرہ پر ضربیں لگانی شروع کر دیں اور اس قدر آپے سے باہر ہو گیا کہ ایک شخص سے تلوار لے کر اسی جگہ ہانی کو قتل کرنے کے لیے بڑھا۔

اس موقع پر وہاں موجود لوگوں نے مداخلت کر کے تلوار اس کے ہاتھ سے لے لی اور ہانی کو زخمی حالت میں ایک دوسرے کمرے میں ڈال دیا اور ایک سپاہی کو اس

[illegible]

کی نگرانی کے لیے مقرر کر دیا۔

جب ان ... تک یہ خبر پہنچی تو ہانی کے بھتیجے، اسماء بن خارجہ نے سخت ناراض ہو کر کہا:

"امیر صاحب! ان مکاریوں کا کیا مطلب ہے؟
آپ نے تو یہ کہا تھا کہ ہم ہانی کو آپ سے ملاقات
کے لیے لے آئیں اور آپ نے ان کا بڑے احترام کے
ساتھ ذکر کیا تھا لیکن اب آپ نے اس کے برعکس
معاملہ کو اس حد تک خراب کر دیا ہے۔"

ابن زیاد نے برہم ہو کر کہا۔

"فضول باتیں نہ کرو ــــــ خاموش رہو۔ ہم
ہر شخص کو پہلی فرصت میں اس کے کیے کی سزا
دیتے ہیں۔"

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ ہانی کے خسر ... نے قبیلہ ... کے لوگوں کی بڑی جمعیت کے ساتھ مسلح ہو کر دار الامارہ کا محاصرہ کر لیا اور سب شور کرنے لگے:

"ہمارے بزرگ رہبر اور سردار کو تم قتل کرتے ہو۔ ہم
تمھارے ایک آدمی کو بھی زندہ نہیں چھوڑیں گے ــــ
یہاں تم ... کی حیلہ گری کو رائج کرنا چاہتے
ہو ــــ!"

ابن زیاد نے ان لوگوں کو مشتعل دیکھ کر قاضی شریح کی طرف رخ کر کے کہا:

"آپ کی بات زیادہ اثر رکھتی ہے۔ آپ جائیں، پہلے

ہانی کو دیکھیں اور پھر لوگوں کو بتائیں کہ وہ زندہ ہے
کسی نے اس کی شان میں کوئی جسارت نہیں کی ہے
اور وہ پورے احترام کے ساتھ ہماری نگرانی میں ہے
اس طرح آپ اس ہجوم کو منتشر کر دیں۔"

قاضی شریح نے بڑی ... کے ساتھ ہانی سے ملاقات کی۔ ہانی کی حالت اچھی نہیں تھی۔ اس کے چہرے اور ناک سے سخت ... ہو گیا تھا اور اس نے کمزوری کی حالت میں کہا:

"کیا میرا قبیلہ مر گیا ہے۔ کیا مسلمانوں کو معلوم نہیں ہے
وہ کیا کوئی بے خبر ہیں کہ اس ظالم آدمی نے میرے
ساتھ کیا کیا ہے۔ اگر ان میں سے دس آدمی بھی یہاں
آ جائیں تو وہ مجھے رہا کرا سکتے ہیں۔"

شریح نے ان کا کوئی جواب نہ دیا اور باہر آ کر اس نے ہجوم سے کہا:

"آپ لوگ اس قدر شور اور ہنگامہ کیوں کر رہے ہیں؟
یہاں کیوں جمع ہو گئے ہیں؟ آپ کی بات امیر تک
پہنچائی گئی۔ انھوں نے مجھے حکم دیا کہ میں ہانی سے ملاقات
کروں اور اس کے حال سے آپ لوگوں کو آگاہ کروں
آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہانی زندہ ہے۔ بلاوجہ آپ
تک غلط باتیں پہنچائی گئیں۔ ہانی میرے نزدیک
قابل احترام ہے۔ ان کا تعلق بڑی شخصیتوں سے ہے
آپ لوگ منتشر ہو جائیں اور اپنے اپنے کام میں
مصروف ہو جائیں۔"

ہانی کے مشیر نے جب دیکھا کہ ہانی زندہ ہے تو اس نے لوگوں کو منتشر ہونے کی ہدایت کی اور اس سے زیادہ وہ لوگ ابن زیاد سے مقابلہ نہ کر سکے اور منتشر ہو گئے۔ ابن زیاد نے جب یہ دیکھا کہ ہنگامہ ختم ہو گیا ہے تو وہ دوبارہ اپنے مصاحبین کے ساتھ چل پڑا اور ایک حفاظتی دستے کے ساتھ مسجد میں آیا اور منبر پر بیٹھ کر اپنی پچھلی تقریر کی تکرار کرنے لگا۔

اس نے کہا:

> لوگو! اطاعت کرو اور امیر کے فرمان کی مخالفت نہ کرو ورنہ تم کو [illegible] کرو مخالفین کی سزا ان کا قتل ہے۔ جو لوگ یہاں آکر سر تسلیم خم کریں گے ان کا عذر قبول کیا جائے گا۔ ورنہ ان کا تعاقب کیا جائے گا۔

ابن زیاد کی تقریر ختم ہوئی ہی تھی وہ منبر سے اترا تھا کہ لوگوں نے بتایا: مسلم بن عقیل مسجد کی طرف آ رہے ہیں۔ ابن زیاد یہ سن کر محل کی طرف روانہ ہو گیا اور اپنے معززین اور اہلکاروں کی بڑی جماعت کو جمع کر لیا اور دارالامارہ کے تمام دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔

[illegible]

انقلاب کوفہ کی آخری موج

مسلم بن عقیل کو جب ہانی کے حالات کا علم ہوا تو انہوں نے منادی کو حکم دیا کہ وہ عام اعلان کر دے تاکہ تمام طرفدار جمع ہو جائیں۔

پہلی اور دوسری آواز ہی میں چار ہزار افراد جو اطراف کے گھروں میں آمادہ و تیار تھے جمع ہو گئے اور جلد ہی مسجد اور اطراف کی گلیاں ان لوگوں سے بھر گئیں۔ مسلم نے ہر قبیلے کے لیے ایک سردار مقرر کر دیا اور منظم طریقے سے وہ لوگ دارالامارہ کی طرف چل پڑے اور ابن زیاد کے لیے سخت مشکل پیدا کر دی۔ اس موقع پر ابن زیاد نے

[illegible] بھی دو دوسروں کی مداخلت کا تذکرہ کرتے ہوئے اور اصل [illegible] مشائخ اور [illegible] ہانی کی حمایت میں [illegible] کیے گئے [illegible]

اپنے [illegible] کی تیر [illegible] سے [illegible] حکومت کردی [illegible] سے [illegible] اپنا مقصد حاصل کیا۔

[illegible] کو جو وہاں موجود تھے [illegible] وقت [illegible] سے ان میں سے ایک ایک کو [illegible] بھیجیں تاکہ وہ [illegible] سے کام [illegible] سب کو [illegible] لوگوں کو منتشر کردیں [illegible] سب کو [illegible] یہ ہدایت کی کہ وہ لوگوں کو [illegible] کے لشکر اور حکومت [illegible] یزید کی فوجی طاقت سے مزید ڈرائیں۔

ان [illegible] نے جو چند لمحوں [illegible] فوراً [illegible] کے لیے [illegible] ہو جاتے ہیں۔ [illegible] لوگوں [illegible] منتشر کرنا شروع کردیا۔

ان میں سے ایک کہتا:

"کیا تمھارے اہل وعیال نہیں ہیں ——— ؟ کیا تمھیں اپنی جان پیاری نہیں ——— ؟ ان [illegible] [illegible] حکومت [illegible] کی طاقت کا اندازہ نہیں ہے ——— ؟ امیر کی طاقت کے سامنے تم لوگ کیا [illegible] کر سکتے [illegible]

[illegible] حاصل کرنے کا موقع پیدا ہو سکے۔

ہے کہ [illegible] کاموں سے کوئی تعلق رکھنا چاہیے۔ ہمیں اس بات سے کوئی مطلب نہیں ہونا چاہیے کہ ابن زیاد کی حکومت ہو یا کسی اور کی۔"

ایک دوسرے نے کہنا شروع کیا

"لوگو! آفتاب غروب ہو رہا ہے [illegible] اس طرح کے کام کے لیے وقت باقی نہیں رہا ہے۔ اپنے گھروں کا رخ کرو اور بیوی بچوں کے پاس جاؤ۔ اور لشکر شام سے ڈرو۔ امیر کو ہر طرح کے اختیارات دیے گئے ہیں وہ [illegible] کو سخت سزا دے گا۔"

ایک تیسرے شخص نے [illegible] بلند کرکے [illegible]

"میرے قبیلے کا جو بھی شخص اس جھنڈے کے نیچے آجائے گا اس کے لیے امان ہے۔ ورنہ اسے باغی قرار دے کر قتل کردیا جائے گا۔"

[illegible] لوگوں کو منتشر [illegible] بنا دیا گیا۔ مسلم [illegible] نماز [illegible] کرنے کے لیے مسجد [illegible] صرف تیس آدمی رہ گئے تھے [illegible] نماز کے بعد منتشر ہو گئے۔ مسلم جب مسجد سے باہر نکلے تو کوئی ایک شخص بھی [illegible] موجود نہیں تھا۔

مسلم [illegible] حالات [illegible] مستقبل پر غور کرتے ہوئے [illegible] گلیوں میں [illegible] ایک خاتون [illegible] دروازے پر کھڑے ہو [illegible] دیکھا [illegible] کی منتظر تھی۔

مسلم نے خاتون سے تھوڑا سا پانی مانگا۔ خاتون نے فوراً لا کر دیا اور گھر کے اندر چلی گئیں۔ کچھ دیر کے بعد واپس آئیں تو دیکھا کہ مسلم وہیں بیٹھے ہیں۔

خاتون گھر میں گئیں اور پھر تھوڑی دیر بعد دروازے پر آئیں اور دیکھا کہ یہ اجنبی شخص دیوار سے ٹیک لگائے، نہایت درد بھری سوچ میں ڈوبا ہوا ہے۔ خاتون نے کہا۔

"جناب آپ کیوں اپنے گھر نہیں جاتے؟ آپ کو شہر کے حالات کی خبر نہیں۔ یہاں بیٹھنا آپ کے لیے مناسب نہیں ہے اور میں اس کو پسند نہیں کرتی کہ آپ میرے گھر کے دروازے پر بیٹھیں۔"

مسلم نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"یہاں میرا کوئی گھر ہے نہ ٹھکانہ۔"

محترم خاتون جس کا نام طوعہ تھا، ان کے سامنے بات لیتے ہوئے بولی:

"کیا آپ کوفہ کے شہری نہیں ہیں ———؟"

جواب ملا:

"نہیں ——— میں مسلم بن عقیل ہوں۔"

"خیریت ہے، آپ مسلم بن عقیل ہیں؟ تشریف لائیے، تشریف لائیے! ہمارا گھر آپ ہی کا گھر ہے۔ ہمارا گھر آپ کے لائق تو نہیں ہے۔"

یہ کلمات کہتے ہوئے محترم خاتون نے مسلم بن عقیل کو گھر کے اندر رہنمائی

کی اور انہیں ایک حجرہ میں جو زیادہ طول خانہ کی رہائش کے کمرہ سے دور تھا، ٹھہرایا۔ ایک مختصر سا فرش بچھا ہوا تھا۔ طوعہ آپ کے لیے کھانا لائیں اور خدمت و آرام کا سامان فراہم کر دیا۔ لیکن طوعہ نے دیکھا کہ مسلم سخت بے چین و مضطرب ہیں۔ نہ کھانا کھایا اور نہ آرام کیا بلکہ وہ عبادت میں مصروف ہیں اور کسی خاص فکر میں ڈوبے ہوئے ہیں۔

زیادہ دیر نہ گزری تھی کہ اس خاتون کا فرزند بھی آگیا اور اسے معلوم ہو گیا کہ کوئی مہمان گھر میں آیا ہے۔ ماں نے بیٹے کو بات بتا دی اور قسم دے کر کہا:

"مسلم آج رات ہمارے مہمان ہیں۔"

اس حال میں مسلم نے اپنی زندگی کی آخری رات بسر کی اور اس صبح سعادت کا استقبال کیا جو دردناک انجام کے بعد ان کی مدد کا پیغام دے رہی تھی۔

لوگوں کے منتشر ہو جانے اور نماز مغرب کا وقت گزرنے کے بعد ابن زیاد نے دیکھا کہ مسجد کے ناظروں کی بھیڑ گزر گئی ہے اور کوئی نہیں پہنچ رہا ہے۔ اس نے حکم دیا:

"تحقیق کرو کہیں وہ لوگ مسجد میں موجود ہوں یا کونوں کے اطراف میں چھپ کر بیٹھے ہوں۔"

اچھی طرح اطمینان کرنے کے بعد ابن زیاد مخصوص دروازے سے محافظوں اور عہدیداروں کی ایک جماعت کے ساتھ مسجد میں آیا اور منادی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو پکارے اور بتائے کہ:

"جو بھی نماز عشاء کے لیے مسجد میں آئے گا اسے امان حاصل ہو گی۔"

[illegible] کو دیر تک [illegible] وقت گزر چکا [illegible] ہو [illegible] پہلی صف [illegible] کے ساتھیوں [illegible] مشغول تھی [illegible] کے ساتھ نماز پڑھی۔

نماز کے بعد [illegible] جو وہ پہلے ہی [illegible] کر چکا تھا پھر وہ [illegible] اور کہنے لگا:

"[illegible]! آپ نے دیکھا کہ مسلم یہاں آیا اور پھر اس نے کیسا اختلاف اور فتنہ برپا کیا۔ الحمد للہ! اب یہ فتنہ خاموش ہو گیا ہے۔"

پھر [illegible] شہر کے [illegible] صاحب [illegible] اور کہا:

"افسوس اس حالت پر اگر مسلم کوفہ سے نکلنے میں کامیاب ہو جائے۔ تم شہر کے تمام دروازوں کو کنٹرول کرو۔ [illegible] حسین! میں نے تمہیں شہر کے تمام لوگوں کی زندگی اور ان کے گھروں پر اختیار دیا ہے۔ تمہارا کام ہے کہ مسلم کو تلاش کر کے اسے ہمارے حوالے کرو۔"

اور پھر اس نے مزید تنبیہ کی:

"افسوس ہے اس شخص پر جس کے گھر میں مسلم ہو اور وہ ہمیں اطلاع نہ دے۔"

"[illegible] انعام دیا جائے گا۔" (نقطہ دیشہ)

[illegible] بات یہاں ختم [illegible] اثر [illegible] کی طرف [illegible] اس کے جانے کے ساتھ ہی [illegible] کا سارا [illegible] ہو [illegible] گا۔

[illegible] مسلم کی [illegible] سیاہ [illegible] ختم ہوئی اور صبح طلوع ہو گئی۔

صبح ہوتے ہی اس خاتون کے بیٹے [illegible] حاصل [illegible] کی [illegible] کردی [illegible] حکومت [illegible] ایک شخص [illegible] اور معلوم ہو گیا کہ مسلم کی پناہ گاہ کہاں ہے؟

ابن زیاد نے [illegible] کے ساتھ [illegible] کا ایک دستہ تشکیل دیا اور [illegible] گیر [illegible] عبداللہ [illegible] کو [illegible] مقرر کر دیا [illegible] مسلم کو گرفتار کر کے لے آئے۔

ابھی [illegible] گھوڑوں [illegible] مسلم کو [illegible] تیار ہو کر باہر آنے اور جنگ کرنے کا اشارہ مل گیا۔

مسلم نے سوچا:

"[illegible] گھر میں بیٹھے رہنا [illegible] کے لیے مزید مشکلات پیدا کرنا مناسب نہیں۔ خاموشی سے بیٹھے رہنا اور دشمن کے [illegible] گرفتار ہو جانا بھی مناسب نہیں۔ مجھے اپنی طاقت کے مطابق [illegible] دفاع کرنا چاہیے۔"

[illegible] مسلم نے اپنے [illegible] رکھے تھے [illegible] کے گھر میں گھس آئی [illegible] مسلم [illegible] دیے اور انہیں گھر سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ [illegible]

میں تبدیل کر دیا۔ جنگ شروع ہو گئی۔ ابن زیاد کے بہت زیادہ آدمی قتل ہو گئے آخر پھر اسی مکر و فریب سے کام لیا گیا۔ یعنی مسلم سے امان دینے کے وعدے کر کے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ اور قیدی کی حیثیت سے گورنر ہاؤس لایا گیا۔

ابن اشعث نے مسلم کی گرفتاری کے واقعہ اور اس کی تفصیلات سے ابن زیاد کو آگاہ کیا اور اس نے بتایا کہ کس طرح امان دینے کی تدبیر کامیابی کا سبب بنی۔

ابن زیاد نے کہا:

"میں نے تمہیں اس کی گرفتاری کے لیے مقرر کیا تھا لیکن تم نے جو اسے امان دے دی وہ یقیناً قتل کیا جائے گا۔"

پھر اس نے مسلم کی طرف متوجہ ہو کر کچھ بے ربط باتیں کہیں اور مسلم سے پوچھا:

"مسلم! تم یہ کیسی کارروائیاں کر رہے ہو۔ تم نے اختلاف پیدا کیا ہے۔ مسلمانوں کے عصا نے قوت کو توڑنے کا سبب بن رہے ہو۔ تم نے مسلمانوں کے اندر ایک فتنہ برپا کر دیا ہے۔"

مسلم نے اس کی ہرزہ سرائی کا جواب دیتے ہوئے کہا:

"ہم فتنہ اور اختلاف پیدا کرنے والے لوگ نہیں ہیں۔ وہ معاویہ اور تیرا باپ تھا جو ان باتوں اور کاموں کے اہل تھے۔"

یہ گفتگو ہوتی رہی آخر مسلم نے کہا:

"اب جبکہ تم نے میرے قتل کا فیصلہ کر لیا ہے مجھے اجازت دے کہ میں وصیت کروں۔"

عمر سعد کو سب سے پہلے اپنے قرض اور دفن کے بارے میں وصیت کرنے کے بعد کہا:

"عمر! سب سے زیادہ جو بات اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ تم ایک خط حسینؑ کو لکھ کر انہیں اس ساری صورت حال سے آگاہ کر کے حسینؑ کو کوفہ آنے سے منع کر دے کیونکہ میں نے حسینؑ کو لکھا تھا کوفہ کے لوگ اپنے عہد پر قائم ہیں۔ ممکن ہے حسینؑ اپنے اہل و عیال کے ساتھ آ کر خطرناک حالات سے دوچار ہو جائیں۔"

مسلم نے یہ بات عمر سعد کو بڑی آہستگی اور راز کے ساتھ کہی تھی اس کے باوجود جب مسلم کی بات ختم ہوئی تو اس نے ابن زیاد کی طرف رخ کر کے مسلم کی کہی ہوئی تمام باتیں آشکار کر دیں۔

ابن زیاد نے بلند آواز سے کہا:

"امین آدمی خیانت نہیں کرتا، لیکن کبھی خیانت کار کا امین کی جگہ انتخاب کیا جاتا ہے۔ مسلم کے قتل کرنے کے بعد تم سے اور مسلم کی ان وصیتوں سے ہمیں کوئی سروکار نہ ہوگا۔ البتہ حسینؑ ہم سے الجھیں تو ہم بھی ان کے راستے میں نہیں آئیں گے۔"

مسلم کی وصیتیں تمام ہوئیں ان کے قتل کا فرمان صادر ہو گیا۔ انہیں [illegible]

لاش پر دوڑائے گئے اور قتل کرنے کے بعد ان کے مقدس سر کو کاٹ کر پھینک دیا۔

ابن زیاد نے مسلم کے قتل سے فارغ ہو کر دونوں کے سر [illegible] دمشق روانہ کر دیے تو ہانی کے قتل کا فرمان صادر ہوا۔ [illegible] ان کے متعلق [illegible] دو [illegible] بادشاہ بھیجے گئے اور [illegible] خط بھی لکھا جس میں ان دونوں کی گرفتاری اور قتل کی ساری تفصیل درج تھی۔

یزید نے خط کا جواب [illegible] [illegible] بڑی حد [illegible] نظر [illegible] خط لکھا جس میں حسینؓ کے بارے میں بھی احکام دیے گئے تھے۔

یزید نے اپنے خط میں لکھا تھا۔

"ابن زیاد! تو نے میری توقع کے عین مطابق بڑی احتیاط اور سیاست کے ساتھ اور شجاعت کے ساتھ [illegible] کر دیا ہے [illegible] نگاہیں [illegible] ہوتی ہیں اور تو میرے متعلق [illegible] کا پوری طرح مستحق ہے۔ امید ہے کہ تو اس کام کو آخر تک اچھی طرح انجام دے گا۔ میں نے سنا ہے کہ حسین ابن علیؓ نے عراق کی جانب سفر شروع کر دیا ہے۔ پوری توجہ کے

[illegible] کے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے: اگر تو موت کے معنی نہیں جانتا تو کوفہ آ [illegible] مسلم [illegible] دیکھ [illegible] میں [illegible] دیکھ۔ [illegible] آزادی کے لیے ہی جان دی ہے۔ اللہ ان پر رحمتیں نازل فرمائے۔

ساتھ دوستوں کو اپنے کنٹرول میں رکھو، اور آنے جانے والوں پر کڑی نظر رکھی جانی چاہیے اور ذرا سے بھی شبہ پر لوگوں کو [illegible] اور ان میں تہمت [illegible] قتل [illegible] کر [illegible] سے متعلق روزانہ مجھے بھیجتا رہ۔" والسلام۔

اس خط کے پہنچنے سے پہلے ہی ابن زیاد نے [illegible] کے تمام راستوں پر [illegible] کر کے [illegible] حضرت [illegible] کر لیا تھا اور [illegible] فوجی حکومت قائم کر دی تھی [illegible] یزید کے خط اور [illegible] احکامات [illegible] کر دی [illegible] اور دوستانِ حسینؓ کا [illegible] فوجی حکومت کے کنٹرول کو [illegible] کر دیا گیا۔

تیسرا فدائی

کوفہ اب پوری طرح پرسکون تھا۔ ابن زیاد کو حالات پر مکمل کنٹرول حاصل ہو گیا۔ کوفہ [illegible] میں حسب معمول لوگوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی۔ [illegible] وقت کے [illegible] سردار بن گئے۔ [illegible] لوگوں کے چہروں سے ایک خوف و دہشت کا اظہار ہوتا تھا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ حکومت کی سنگدلی اور خونریزی سے ڈرے ہوئے ہیں۔

ان ہی پرسکون حالات میں محکمہ جاسوسی نے جو ان تمام واقعات کے دوران پولیس [illegible] سے [illegible] کرتا رہا تھا ایک شخص کو گرفتار کر لیا اور اس سے پوچھ گچھ کچھ اس طرح شروع ہوئی۔

"تمھارا نام کیا ہے ——؟"

"عبداللہ۔"

"تمھارے باپ کا نام؟"

"یقطر۔"

"شہادت نامہ، اس کے جاری ہونے کی جگہ، تاریخ پیدائش وغیرہ۔"

"جناب میں حسینؑ کے دوستوں میں سے ہوں۔"

"تمھیں کوئی خط بھی دیا گیا تھا ——؟"

"ہاں! صحیح ہے۔"

"کہاں ہے؟ ہم اسے دیکھیں گے۔"

"میں نے اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے۔"

"کیوں ——؟"

"تاکہ تم لوگ اس کے مضامین سے واقف نہ ہو سکو۔"

"لازماً یہ حسینؑ کا خط ہوگا اور کوفہ والوں کے نام۔"

"ہاں۔ درست ہے۔"

"تم ان لوگوں کا نام بتاؤ جنھیں حسین نے یہ خط لکھا تھا۔ بتاؤ۔ ورنہ قتل ہونے کے لیے تیار ہو جاؤ۔"

"میں نہ ان لوگوں کا نام جانتا ہوں اور نہ تمھیں بتلاؤں گا۔"

"تمھیں منبر پر کھڑے ہو کر حسینؑ اور اس کے ہم فکر ساتھیوں پر تنقید کرنا ہوگی۔"

"اچھا، مجھے منظور ہے۔"

خاطبہ کے بعد وہ شخص منبر پر گیا اور حکام کی توقع کے خلاف علیؑ اور ان کے خاندان کی تعریف کی اور بنی امیہ کی حکومت پر لعن طعن کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"کوفے کے باشندے اور حسینؑ کے دوست آگاہ ہوں کہ فرزند علیؑ کوفہ کی طرف آرہے ہیں اور ان کے بارے میں تم لوگ کوئی کوتاہی نہ کرنا۔ میں امام کا ایک خط لے کر آیا تھا چونکہ یہ خط میں تم لوگوں تک نہیں پہنچا سکا۔ پس جان کی بازی لگا کر یہ پیغام سب تک پہنچا رہا ہوں اور اپنا فرض ادا کر رہا ہوں۔"

عبداللہ کی بات ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ اسے منبر سے کھینچ کر اتار لیا گیا اور اس کے قتل کا حکم صادر کر دیا گیا۔

یہ اس جدوجہد کی راہ کا تیسرا فدائی تھا۔

معزز قارئین!

ان چند صفحات پر آپ دوبارہ نظر ڈالیں۔ ان زیادہ سے زیادہ کردار اور سیاست کا ذرا دقت نظر سے مطالعہ کریں۔ جابروں کے ارادے کس طرح دین اور دلسوزی کا نقاب پہن لیتے ہیں۔ اقتدار پر قبضہ جمانے کے لیے وہ کس طرح حق کے علمبردار بن کر تمام مقدسات کو اپنے گھٹیا مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ آپ ان ستمگاری کے علمبرداروں کو دیکھیے کہ وہ کس طرح دین اور مقدسات دینی کے نام پر لوگوں کے سر پر مسلط ہو جاتے ہیں اور ہر حیلہ و مکر کے ذریعے کوشش کرتے ہیں کہ قوموں کو پامال کرتے رہیں ——! ان چند صفحوں کا آپ دوبارہ مطالعہ فرمائیے اور یہ تاریخی مطالعہ تک بیدار رہنے کی کوشش کیجیے اور تدبر کے ساتھ ہدایت کی راہ لیجیے۔

استبداد کے خلاف
سب سے بڑی جد وجہد

ہم نے جیسا کہ پہلے لکھا ہے حسین بن علیؓ نے شام و دمشق سے ملنے والی اطلاعات کی بنا پر اور اپنے نمائندہ مسلم کے خط اور اسلام اور مسلمانوں کے عام حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے وقت مکہ سے کوچ کیا تھا۔ البتہ مکہ کے گورنر نے ایک جماعت کو روانہ کیا تھا کہ وہ حسینؓ کو واپس لے آئے۔

اس جماعت نے حسینؓ کا راستہ روکنے کی کوشش کی اور ایک مختصر سی جھڑپ بھی ہوئی۔ مگر وہ جماعت واپس ہو گئی اور کہتا :

"حسینؓ کسی قیمت پر اپنا ہدف ترک کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔"

حسینؓ دوسری طرف روانہ ہو رہے ہیں۔ لیکن دراصل ان کا یہ سفر اپنے ہدف کی جانب ہے جو صرف عراق میں ہی نہیں ہے۔ حسینؓ نے کوفہ والوں کی دعوت قبول کر کے ان کی خواہش پر یہ سفر اختیار کیا ہے۔ لیکن ان کا مقصد اور منظور ہدف کوفہ میں نہیں ہے۔ حسینؓ کے پیش نظر سب سے بڑا ہدف اور عظیم مقصد ہے۔

جیسا کہ ہم نے کہا، حسینؓ کا اصل ہدف اسلام اور مسلمانوں کو خاندان بنی امیہ کے استعمار و استبداد کے چنگل سے آزاد کرانا ہے۔

اصل مقصد دنیائے اسلام کو بیدار کرنا ہے تاکہ سب جان جائیں کہ یہ ظالم حکومت اسلام اور مسلمانوں کو تباہی کی طرف کھینچ رہی ہے۔

حسینؓ کا مطمح نظر اسلام کے ان قوانین اور ضوابط کو زندہ کرنا ہے جنہیں معاویہ اور اس کے بیٹے یزید نے اسلامی حکومت کی طاقت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پامال کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ ہدف بڑے مشقت و آزمائش کا حامل ہے لیکن حسینؓ کا عزم بھی بہت بلند اور ان کا ارادہ آہنی ہے۔

اگر دوسروں کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں یا وہ نہیں دیکھنا چاہتیں تو کیا کیا جائے جبکہ حسینؓ تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اسلام بنی امیہ کی حکومت کے سائے میں تباہی کی راہ پر بڑھ رہا ہے۔

حسینؓ اس کو بڑی شدت سے محسوس کرتے ہیں کہ اس تباہی کا راستہ روکا جائے خواہ یہ کوشش خود ان کے مقتول ہونے پر کیوں نہ ختم ہو۔

پیچیدہ فیصلے اور دوستوں کی عقدہ آمیز تشویش ان رو دشمن ملے حسینؓ کی نگاہوں سے نہیں چھپا سکتی تھیں۔ حسینؓ نے اسلام کی نجات کے

سے تیری محبت کا اظہار کرتا ہے جسے بہر قیمت انجام پہنچنا ہے۔

مختلف جوابات

یہاں ہم حسین کے دوستوں کی چند باتیں اور جو جواب انھیں دیا گیا ہے نقل کرتے ہیں۔ اس پر غور و مطالعہ آپ کا کام ہے۔

سب سے پہلے حسین کے بھائی محمد بن حنفیہ آئے اور عرض کی:

"بھائی کیا آپ کوفہ کے لوگوں کو نہیں جانتے؟ انھوں نے آپ کے والد اور بھائی کے ساتھ کیسا سلوک کیا۔ جانِ من حسین! میں ان لوگوں کے بارے میں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہوں۔ تم اپنے اس سفر کو ملتوی کر دو۔"

امام نے فرمایا:

"میں اگر یہاں رہوں گا تو اس اطلاع کے مطابق جو مجھے ملی ہے میں حرم خدا میں قتل کر دیا جاؤں گا اس طرح خدا کے گھر کی حرمت پامال ہو گی۔"

محمد نے کہا:

"اگر ایسا ہی ہے تو آپ یمن یا اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں چلے جائیے تاکہ کسی کو آپ سے کوئی سروکار نہ رہے۔"

حسین نے فرمایا:

"اس میں کوئی حرج نہیں میں اس مسئلے میں

غور کروں گا۔"

دوسرے دن جب انھوں نے سنا کہ توقع کے خلاف حسین نے عراق کیلئے کوچ کا ارادہ کیا ہے۔ محمد جلدی سے بھائی کے پاس پہنچے اور عرض کی۔

"میرے عزیز حسین! کیا آپ نے مجھ سے یہ نہیں فرمایا تھا کہ میری تجویز پر غور فرمائیں گے؟"

"ہاں ۔۔۔!"

"پھر کس لیے کوفہ کی طرف جا رہے ہیں؟"

"میرے بھائی محمد! اپنے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا ہے۔ مجھے آپ نے عراق جانے کی ہدایت کی ہے اور فرمایا ہے خدا تعالیٰ تجھے شہید دیکھنا چاہتا ہے۔"

"اچھا تو آپ بیوی بچوں کو اپنے ساتھ کیوں لے جا رہے ہیں؟!"

کہا کہ۔

"اللہ تعالیٰ انھیں بھی اسیر دیکھنا چاہتا ہے۔"

محمد نے کہا:

"انا للہ وانا الیہ راجعون۔"

اور واپس ہو گئے۔

ابا عبداللہ نے دیکھا کہ محمد کی ساری گفتگو کا محور حسین کا زندہ اور باقی رہنا تھا۔ اسلام کی سلامتی اور اصل مقصد ان کی نظروں سے اوجھل تھا۔ یہی تجویز بھی انھوں نے اسی لیے پیش کی تھی کہ وہاں حسین سے کسی کو کوئی غرض نہ ہوگی۔

محمد بن حنفیہ کو یہ منظر اٹھا کہ جیسے میں ان پر غور کروں گا۔ جب دوسری بار محمد حنفیہ کو یہ احساس ہوا کہ وہ اپنے اصل ہدف کو وضاحت کے ساتھ نہیں بتا سکتے ہیں۔ [illegible] جنگ کی نظر نہیں آتا تو حسین [illegible] کر دیا۔

کیا [illegible] [illegible] نہیں ہوتا کہ [illegible] اس کے بیوی بچے قید ہو جائیں، وہ [illegible] [illegible] سے چھوٹے بچے ظلم میں [illegible] نہیں دیکھ سکتا، وہ کس طرح اس بات کو پسند کر سکتا ہے کہ اس کے رسولؐ کا فرزند [illegible] قید و بند سے دوچار ہو جائے۔

کیا جواب کی بنیاد پر جو فقہی اعتبار سے وہ ابھی سمت نہیں رکھتا یہ [illegible] ہے؟

کیا [illegible] [illegible] [illegible] اپنے ساتھیوں کی جان کی حفاظت [illegible] جانتے ہیں [illegible] قید و بند سے [illegible] کا حق ہے؟

یہ سوالات کی [illegible] [illegible] [illegible] حسینؑ نے کس طرح جواب دیکھے [illegible] [illegible] حسینؑ نے جواب کیوں دیکھے؟ ان تمام پہلوؤں پر [illegible] بحث کی ہے۔

[illegible]

اس کے بعد عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن زبیر آئے اور اپنے مخصوص طرز بیان میں اس کے ساتھ حالات کی نزاکت [illegible] گفتگو کی۔

"امام اس سفر کے ارادے کو ترک فرما دیں۔"

حسین بن علیؑ نے ان سب کی باتیں سن کر جواب میں فرمایا:

"ایک حکم ہے جس کی مجھے تعمیل کرنی ہے۔"

(آپ ذرا سوچیں! کیا خدا کے دین کی حفاظت سے بڑھ کر کوئی واجب موجود رہ سکتا ہے؟ اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت سے بھی زیادہ اہم کوئی ذمہ داری ہو سکتی ہے؟ نہیں ہم ایسا نہیں سمجھتے۔ البتہ اس راہ میں مشکلات و خطرات موجود ہیں [illegible] اور صبر سے کام لینا چاہیے تاکہ کوئی نتیجہ حاصل ہو)

زیادہ دیر نہیں گزری کہ عبداللہ بن جعفر کا خط [illegible] [illegible] [illegible]

[illegible]

تھے۔ اس خط میں کوفہ کے لیے ہونے والے اس سفر پر سخت تنبیہ کرتے ہوئے لکھا گیا تھا:

"حسینؑ! تمہاری زندگی ہدایت کا ستارہ اور مومنین کی پناہ گاہ ہے۔ اگر تم قتل ہو گئے تو یہ چراغ بجھ جائے گا اور مومنین کے لیے کوئی پناہ گاہ باقی نہیں رہے گی۔ اسلام، مسلمانوں کی اور تمہاری صلاح اسی میں ہے کہ تم اپنے اس سفر کے ارادے کو ترک کر دو۔"

جس روز خط آیا عبداللہ، یحییٰ بن سعید کے ہمراہ آئے۔ وہ عمرو بن سعید کا خط اپنے ساتھ لائے تھے۔ وہ حسینؑ سے ملے اور آپ کو اس سفر سے سختی کے ساتھ منع کیا۔

گفتگو کے بعد ابا عبداللہ الحسین نے فرمایا:

"میں نے خواب دیکھا ہے، میرے نانا نے مجھے حکم دیا ہے۔ مجھ پر لازم ہے کہ اس کی اطاعت کروں۔"

دونوں نے پوچھا:

"وہ خواب کیا ہے؟ آپ بتائیں تاکہ ہمیں اطمینان حاصل ہو۔"

حسینؑ نے فرمایا:

"میں نے یہ خواب کسی سے بیان نہیں کیا ہے اور جب تک زندہ ہوں کسی سے نہیں بیان کروں گا۔"

محترم قارئین! آپ خود سوچیں، کیا یہ ممکن ہے کہ یہ وہی خواب ہو جس کا ذکر آپ نے محمد بن حنفیہ سے کیا تھا؟ یقیناً ایسا نہیں ہے۔ یہ وہ خواب ہے جو اس سے پہلے کسی سے بیان نہیں کیا گیا اور سب سے بڑے اقدام کی بنیاد بنا۔

جو لوگ کسی منطقی اساس پر مطمئن نہیں ہوتے یا مسئلہ کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، ان سے ان خوابوں کے حوالے سے بحث کی جا سکتی ہے جن کا تعلق روزانہ کے واقعات اور خیالات سے ہوتا ہے۔

حسینؑ نے سوچا:

"عبداللہ جعفر یا یحییٰ بن سعید اس بات کو قبول نہیں کریں گے کہ رسول اللہ اور مسلمانوں کی آرزوؤں کے لیے حسینؑ کا ہلاک ہونا اور ان کے بیوی بچوں کا اسیر ہونا کوئی اہمیت رکھتا ہے اور نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا ہے یا وہ اس بات کو تسلیم نہیں کریں گے کہ اگر حسینؑ نے بھی جد و جہد کو جاری نہ رکھا تو اسلام اور مسلمان سقوط سے دوچار ہو جائیں گے۔ اس لیے مناسب یہ ہے کہ انہیں یہ مختصر جواب دے دیا جائے۔"

"میں نے خواب دیکھا ہے اور اس کو میں کسی سے نہیں بیان کر سکتا۔"

[illegible] حالات میں [illegible] ہم یہ [illegible] چاہتے کہ [illegible] سے کوئی [illegible] نہیں [illegible] خواب [illegible] دیکھے [illegible] ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ حسینؑ کے اقدام کی وجہ خواب نہیں تھا۔ وہ [illegible] خواب [illegible] کی طرف نہیں جاتے تھے [illegible]

ایک منطقی جواب

اب ایک مجبور انسان کے لیے ایک منطقی جواب موجود ہے۔

فرزدق اپنی ماں کو لے کر مکہ جا رہا تھا۔ راستے میں اس کی ملاقات حسین بن علیؑ سے ہوگئی۔ دونوں میں بات چیت ہوئی یہاں تک کہ فرزدق نے کہا:

"میں مختصر یہ کہوں گا کہ لوگوں کے دل تمہارے ساتھ ہیں لیکن تلواریں تمہارے دشمنوں کے ساتھ ہیں۔ لوگ تم کو دوست رکھتے ہیں لیکن طاقت اور ہتھیار تمہارے خلاف ہیں۔ اس کے باوجود قضا بھی آسمان سے نازل ہوجاتی ہے اور اللہ تعالیٰ فعّال ما یشاء ہے۔"

امامؑ نے فرمایا:

"تم درست کہتے ہو۔ ہر حادثہ [illegible] ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہر روز ایک [illegible] ہوتا ہے۔ اگر [illegible] بھی ہمارے منصوبے کے مطابق ہو جائے تو ہم اس کے شکر گزار اور سپاس گزار ہوں گے اور اگر قضائے

[illegible] تھے۔ [illegible] ایک بڑا خطرہ درپیش [illegible] آگے بڑھنے کے سوا کوئی راہ نہیں ہے۔

الٰہی ہمارے اور ہمارے افکار و عزائم کے درمیان حائل ہوگئی تو اس لیے کہ ہمارا مقصد حق ہے اور ہمارا باطن تقویٰ ہے [illegible] ہم دور نہیں [illegible]۔"[1]

فرزدق نے کہا

"امید ہے آپ کامیاب ہوں اور اس بلند ہدف کو حاصل کر لیں۔"

اس کے بعد اس نے بعض مسائل حج کے بارے میں پوچھے اور رخصت کی اجازت حاصل کی

[illegible]

"میں جاتا ہوں۔ اگر میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہوں تو یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و رحمت ہے۔ اگر شہید ہو جاتا ہوں تو میری شہادت راہِ حق میں ہوگی۔"[2]

[illegible]

---

[1] قال صدقت لله الامر من قبل ومن بعد وكل يوم ربنا هو في شأن ان نزل القضاء بما نحب فنحمد الله على نعمائه وهو المستعان على اداء الشكر وان حال القضاء دون الرجاء فلم يبعد من كان الحق نيته والتقوى سريرته [illegible] صاحب البحار قال المفيد رحمهما الله

[2] فان [illegible] الله [illegible] ما انعم علينا وان يكن ما لا بد منه

[illegible] ۱۰۵ ص ۱۹۵

سے جواب کے مضمون سے مطابقت رکھتا ہے جو آپ نے محمد ابن حنفیہ کو دیا تھا، جب کہ ان تمام جوابوں کا تعلق اسی ایک موضوع سے تھا۔ اس سے بخوبی ظاہر ہے کہ آپ لوگوں کے طرز فکر اور ان کے درجۂ معلومات کو پیش نظر رکھتے تھے اور اسی کے مطابق جواب ارشاد فرماتے تھے۔

لیکن جب ہم آپ کے جوابات میں ایک منطقی جواب پاتے ہیں تو ہم ان جوابات کو آپ کے اقدام کی حقیقی دلیل قرار نہیں دے سکتے جو آپ نے بعض لوگوں کو خاموش کرنے کے لیے دیے ہیں۔ اگر مسئلہ خواب ہی کا مسئلہ ہوتا تو آپ نے اسے فرزدق سے کیوں نہیں بیان کیا۔ اگر موضوع کا تعلق صرف خواب سے تھا تو آپ نے فرزدق سے لوگوں کے حالات کے بارے میں کیوں استفسار فرمایا۔

اگر آپ خواب ہی کی بنا پر شہید ہونے کے لیے جا رہے تھے تو آپ نے بصرہ کے دوستوں کو کیوں خط لکھا کہ تم حکومت یزید کے خلاف قیام کرنے کی دعوت دی ـــــ؟

بصرہ کے دوستوں کو حسینؑ کی دعوت

ہم اس بحث کو ختم کرتے ہوئے بصرہ کے دوستوں کے نام آپ کے خطوط اور ان کے متعلق جواب کا خلاصہ پیش کریں گے اور پھر دوسرے واقعات کا ذکر کریں گے۔ انشاء اللہ۔

ابا عبداللہ الحسینؑ نے بصرہ کے بعض معززین کو جو آپ کے دوستوں میں سے تھے خط لکھا اور انھیں اس جد و جہد کی جانب متوجہ فرمایا جس کی جابرانہ حکومت اور استبداد کے خلاف مدد چاہی۔ ان میں سے دو شخص یزید بن مسعود اور منذر بن جارود تھے باوجود اس کے کہ منذر حسینؑ کے دوستوں میں سے تھے انھوں نے گمان کیا کہ ابن زیاد نے یہ

خط بھیج کر انھیں آزمایا ہے اور پیغام رساں کو مع خط کے ابن زیاد کے حوالے کر دیا۔ ابن زیاد نے بھی فوراً پیغام رساں کو قتل کر دیا۔

لیکن ابن مسعود نے اس وقت کی صورتحال کے پیش نظر [illegible] منعقد کی اور اس میٹنگ میں تفصیلی طور پر حالات بیان کر کے یزید کے استبداد کے خلاف اور حکومت معاویہ کے نظام کے خلاف حسینؑ کا ساتھ دینے کو ضروری قرار دیا۔ سب نے ثابت قدمی [illegible] حمایت ظاہر کی۔

ابن مسعود نے بھی حسینؑ کے خط کا جواب لکھ کر [illegible] اپنی آمادگی کا اعلان کیا۔ لیکن افسوس کہ جب یہ لوگ تیار ہو گئے [illegible] حسینؑ کی شہادت کی خبر دی گئی۔

اگر حسینؑ یہ سمجھتے کہ تنہا جا کر شہید ہو جائیں تو انھیں خط اور اس جیسی دوسری باتوں کی کیا ضرورت تھی؟

امام حسینؑ ایک وسیع مدت کی [illegible] کر رہے تھے۔ اس [illegible] ہونا ان کے نزدیک ایک واضح قربانی تھی اور وہ کامیابی کی امید رکھتے تھے اور شہادت کا سامنا کرنے کے لیے بھی تیار تھے۔ حسینؑ کا ایک ہدف تھا اگر وہ انھیں ہماری [illegible] حاصل ہو جاتا تو پھر بھی [illegible]۔

ابا عبداللہ الحسینؑ [illegible] کو پہنچا کے [illegible] کی جانب روانہ [illegible]

ے دیکھیے مسعودی [illegible] ایک [illegible] حکومت کا [illegible] کو بغیر مقدمہ چلائے قتل کر دے [illegible] حکومت کے [illegible] تھا [illegible] شیعہ [illegible] تاریخ [illegible] دیتا ہے۔

ہیں۔ مدینے کی جانب جانے والے راستے ہوتے ہوئے اس طرح طے کیا کہ کوئی مخالف نما شخص اس رستے سے واپس ہو سکتی تھی اور آپ کے قدموں میں منتشر پیدا کر سکتی تھی۔

ایک ناگوار خبر

کاروان نے مغرب کے پردے کے پیچھے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا اس کی سنہری شعاعیں آہستہ آہستہ حسینؑ کے سر پر سے گزر رہی تھیں۔ اس صحرا کی پرسکون اور وسیع فضا پر ایک خوف و وحشت کی کیفیت طاری تھی۔ امام حسینؑ اپنی راہ پر بڑھتے چلے جا رہے تھے۔ ان کا ذہن روشن اور انسانی افکار سے پُر تھا اچانک آپ اس سوار کی جانب متوجہ ہوئے جو کچھ فاصلے سے گزر رہا تھا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کوفہ کی طرف سے آ رہا ہے کہ اس سے کوفہ کے حالات معلوم کیے جائیں تو بہتر ہو گا۔

اسی خیال سے آپ نے کچھ توقف کیا لیکن پھر اس خیال سے اپنی توجہ ہٹالی۔ سوار اپنے راستے پر آگے چلا گیا اور حسینؑ اپنے راستے پر آگے بڑھتے رہے۔

راوی کہتا ہے میں اور میرا ایک رفیق مکہ سے واپس آ رہے تھے۔ ہم عجلت کے ساتھ سفر کر رہے تھے۔ یہاں پہنچے تو معلوم کیا کہ حسینؑ کا کارواں کہاں تک پہنچا ہے۔ ہم جس وقت پہنچے حسینؑ کا قافلہ بھی اسی جگہ کچھ دیر کے لیے رکا۔

ہم نے جب حسینؑ کے توقف اور اس سوار کی جانب آپ کی توجہ کو دیکھا تو ہم سمجھ گئے کہ حسینؑ کوفہ کے حالات سے باخبر ہونا چاہتے ہیں۔

میں نے اپنے رفیق سے کہا

"آؤ! اس عرب سوار سے ملتے ہیں جو راستے سے ہٹ کر

سفر کر رہا ہے۔"

پھر میں نے پہل کرتے ہوئے اس عرب سے پوچھا:

"تم کون ہو اور کہاں سے آ رہے ہو؟"

اس نے جواب دیا:

"میں بکر ہوں، میرا تعلق قبیلہ اسد سے ہے اور میں کوفہ سے آ رہا ہوں۔"

فوراً اسے پہچان کر میں نے کہا:

"ہم بھی قبیلہ اسد سے تعلق رکھتے ہیں۔ میں عبداللہ بن سلیمان ہوں اور میرا رفیق منذر ہے اب جبکہ ہم ایک دوسرے سے واقف ہو گئے ہیں بتاؤ کوفہ کا کیا حال ہے؟"

اس سوال پر وہ کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بڑے دکھ کے ساتھ اس نے کہا:

"میں کوفہ سے آ رہا ہوں۔ ابن زیاد کی حکومت نے مسلم اور ہانی کو قتل کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی لاشیں بے گور و کفن پڑی ہوئی ہیں۔"

یہ سن کر ہم بہت رنجیدہ ہوئے۔ پھر اس سوار کو خدا حافظ کہنے کے بعد حسینؑ سے آ ملے۔ ہم نے مناسب سمجھا کہ امامؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ خبر انہیں سنا دیں۔

ہم نے آگے بڑھ کر سلام کیا اور اپنا تعارف کرایا۔ چونکہ حسینؑ مجھے جانتے تھے، میں نے کہا:

"جانِ من حسینؑ! کیا آپ نے اس سوار کو دیکھا تھا جو

کچھ فاصلے سے گزر رہا تھا:

حسینؑ نے فرمایا:

"ہاں! میں نے اسے دیکھا تھا اس سے مل کر کوئی
خبر بھی حاصل کرنا چاہتا تھا لیکن وہ کچھ دور تھا اور
پھر ایک خاص راستے پر جانا چاہتا تھا اس لیے میں
نے جانا مناسب نہ سمجھا۔"

ہم نے عرض کیا

"اے فرزند رسولؐ! ہم نے اس سے خبر حاصل کی ہے
ہم اسے جانتے ہیں اس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے۔ ہم یہ
خبر آپ کو سب کے سامنے بتا دیں یا تنہائی میں عرض
کریں —"

امام عالی مقامؑ اس سوال پر اصل مطلب کو بھانپ گئے اور آپ کے چہرہ پر رنج و غم کے آثار نمایاں ہونے لگے پھر آپ نے اصحاب اور ساتھیوں پر ایک گہری نظر ڈالتے ہوئے آپ نے فرمایا:

"میں اپنے ان اصحاب سے کوئی بات پوشیدہ نہیں رکھتا
ہوں سوائے اس کے کوئی خفیہ منصوبہ نہیں ہے۔ میری زندگی ہمیشہ
ایک کھلی کتاب کی طرح رہی ہے۔"

جب ہم نے مسلمؑ کی شہادت کی خبر سنائی تو امام سخت متاثر ہوئے اور اس حال میں کہ آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں، انا للہ وانا الیہ راجعون کی تکرار کرتے رہے:

"خدا رحمت فرمائے مسلم اور ان پر وہ بہشت سعادت

وہ وقت چلے گئے جو کچھ ان کی ذمہ داری تھی وہ انھوں
نے ادا کی۔ اب بس ہماری ذمہ داری باقی رہ گئی ہے۔"

"حسین جان! اب جبکہ کوفہ اور کوفیوں سے کوئی امید باقی نہیں رہی ہے۔ کیونکہ انھوں نے آپ کے نمائندہ مسلمؑ کو گرفتار کر کے اور شہید کر کے وعدہ خلافی نہیں کی ہے ——[1] اب آپ کے لیے وہاں کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ یزید کی مخالفت کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا۔ یہ سفر یقیناً آپ کی شہادت پر ختم ہوگا۔ ان حالات میں آپ کا کوفہ جانا آپ کے مفاد میں نہیں ہے۔ بہتر ہے کہ آپ واپس ہو جائیں —"

"حیرت ہے؟ ہم اس مقدس مقصد سے جس کے لیے
ہم پیش قدمی کر رہے ہیں کس طرح منہ موڑ سکتے ہیں
ہم کسی قیمت پر اس سے منحرف نہیں ہو سکتے۔ ہم یزیدی
استعمار سے کبھی موافقت نہیں کریں گے۔ ہم سے
یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم بیٹھے ہوئے تماشا دیکھتے رہیں ان کو
دیکھتے رہیں جو اسلام اور مسلمانوں کو ستمگری اور تباہی کے
راستے پر لے جا رہے ہیں۔ ہم اپنے وطن کے لیے اس
وقت تک جد وجہد کرتے رہیں گے جب تک کہ ہمیں

---

[1] حسین ابن علیؑ نے فرمان کے جواب میں دیا جس سے آپ کی ... امید میں آنے کی دعوت دی تھی۔ میں نے اسے توڑنے کا وعدہ کیا ہے ... میں خلاف ورزی نہیں کرنا چاہتا۔

"بعد ہم حق پر کیا نہیں ہیں؟"

حبیب نے کہا:

"ہم ہرگز واپس نہیں جائیں گے۔ ہم اپنے مقصد کے
لیے پیش قدمی کریں گے یا تو کامیاب ہوں گے!
پھر ہم بھی اس نیک انجام کو پہنچیں گے جس سے
مسلم بہرہ مند ہوئے۔"

آخری منزل

امام حسینؑ اپنے اصحاب سمیت عراق جانے کے لیے پیش قدمی کرتے رہے اور منزلوں پر منزلیں طے کرتے رہے اور راستوں میں بھی آپ نے لوگوں کو مخاطب کیا بعض آپ سے آ کر مل گئے اور بعض آپ سے راستے میں الگ ہو گئے۔

قافلہ حسینی پوری سرگرمی کے ساتھ اپنا سفر طے کر رہا تھا۔ ایک خاص خاموشی چاروں طرف طاری تھی۔ ہر شخص آنے والے نادیدہ شخص کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ کہ اچانک تکبیر کی صدا بلند ہوئی۔ حسینؑ کے اصحاب میں سے ایک نے باآواز بلند اللہ اکبر کہا تھا۔ سب اس کی جانب متوجہ ہو گئے اور پوچھا

"کیوں تکبیر کہتے ہو؟ یہ تکبیر کا کون سا وقت ہے؟"

اس نے کہا:

"مجھے کوفے کے نخلستان نظر آ رہے ہیں۔"

دو لوگ کہ راستے سے واقف تھے کہنے لگے اس سے کہا

"یہ مقام کہاں اور کوفہ کہاں؟"

اس راہ میں شہید نہ کر دیا جائے ہم چلتے رہیں گے
تاکہ دنیا کو روشن کریں۔"

"اب کہ راہزنوں نے راستے کو دور کر دیا ہے اور حکومت کوفہ کو ہمارے دائرۂ اختیار سے باہر کر چکے ہیں اور ہمارے نمائندے کو عوام نے قتل کر دیا ہے۔ ہمارا ہدف گم نہیں ہوا ہے اور ہماری روش اور ہمارا جذبہ باقی ہے اور ہم نے اس ہدف کے لیے ایک بڑے فدائی کی قربانی دی ہے ہم اس سے شہید ہو جائیں گے اور اصل مقصد کی طرف بڑھتے رہیں گے۔ بس یہ کہ اب ہمارا راستہ کچھ دور ہو گیا ہے اور قتل ہو کر اور شہید ہو کر ہم اپنے مقصد تک پہنچ جائیں گے۔ میں نے اس قوم کے ساتھ موافقت نہیں کی ہے اور یہ لوگ اس وقت تک مجھ سے دست بردار نہیں ہوں گے جب تک وہ میرے سینے سے میرا دل نہ نکال لیں۔ جب معاملہ اس انتہا کو پہنچ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی کو ان پر مسلط کرے گا ان کے ظلم و ستم کی بنیاد کو ڈھا دے گا۔"

"بنو عقیل۔ یہ ہے میرا مقصد نظر مسلم کی شہادت کے

غور سے دیکھا گیا تو معلوم ہوا ایک مسلح لشکر چلا آ رہا ہے۔ دور دور سے اس کے نیزوں کی انیاں نظر آ رہی ہیں جو سفید سرکنڈوں کے انبار نظر آ رہی تھیں۔

فاصلے طے ہونے لگا۔ دونوں جماعتیں ایک دوسرے سے قریب ہونے لگیں۔ یہ ایک ہزار افراد کا دستہ تھا جو حر بن یزید کی کمان میں اس طرف بڑھا — پیاس اور تکلیف کے شدید آثار ان کے چہروں سے ظاہر ہو رہے تھے۔

حسین ابن علیؑ نے حکم دیا:

"ان تمام لوگوں کو پوری طرح سیراب کرو اور ان کے گھوڑوں
کو بھی سیر کیا جائے۔"

یہاں تک کہ اس لشکر کے آخری آدمی تک کو پانی پلا کر جان فرسا پیاس سے نجات دلائی گئی۔

اس خاطر و مدارت نے بات چیت کا موقع نہ دیا۔ یہاں تک کہ نماز ظہر کا وقت قریب آ گیا۔ حسینؑ نے حکم دیا:

"مؤذن اذان کہے۔"

اذان کی آواز بلند ہوئی۔ سب نماز کے لیے تیار ہو گئے۔ فرزند رسولؐ نے خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"کوفہ کے لوگو۔ تم نے مجھے دعوت دی تھی تاکہ
حق و عدالت کے راستے میں ہم ایک دوسرے کی
مدد کریں۔ اگر تم ابھی تک اپنی اس دعوت پر قائم
ہو تو ابھی دست حمایت بڑھا کر بیعت کرو۔
ورنہ بتا دو تاکہ ذمہ داری واضح ہو جائے اور
میں کسی اور طرف کا رخ کروں۔"

سب خاموش رہے کسی نے کچھ نہ کہا۔

امامؑ نے فرمایا:

"جناب حر! آپ اپنے اصحاب کے ساتھ نماز ادا کریں
اور میں بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ نماز پڑھتا ہوں۔"

حر نے کہا:

"نہیں فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ
آگے آئیں اور نماز پڑھائیں۔ ہم سب آپ کے پیچھے
نماز پڑھیں گے۔"

نماز ختم ہو گئی۔ حر کے نصف لشکر کے بیشتر سپاہی اس سے الگ رہے اور بال پراگندہ صورت میں اپنی سواریوں کی مہار پکڑے ہوئے فکر و تردد کی حالت میں سائے میں بیٹھے رہے۔

عصر کی نماز کا بھی وقت قریب آ گیا۔ سب نے نماز ادا کی۔ حر نے کہا،

"حسینؑ میں ان خطوط اور پیغام رسانوں کے بارے میں
کوئی اطلاع نہیں رکھتا جن کا تم نے ذکر کیا ہے۔"

امامؑ نے حکم دیا اور خطوط کی بڑی تعداد حر کے سامنے ڈال دی گئی۔

حر اتنے سارے خطوط دیکھ کر حیران ہوا اور کہا:

"ہم نے آپ کے نام کوئی خط نہیں بھیجا۔ اس لیے میرا
آپ سے کوئی تعلق نہیں۔ میری ذمہ داری تو بس یہ ہے
کہ جہاں بھی آپ سے ملوں آپ کو اپنی نگرانی میں ساتھ لے
کر کوفہ پہنچوں اور ابن زیاد کے حوالے کر دوں۔"

امامؑ نے فرمایا:

"تو ہرگز یہ کام انجام نہیں دے سکتا۔"

اس نے کہا:

"میں کیوں یہ کام انجام نہیں دے سکتا؟"

بحث طول پکڑ گئی یہاں تک کہ حسینؑ نے کہا:

"حر! تیری ماں تیرے سوگ میں روئے، تو ہم سے کیا چاہتا ہے؟"

یہ فقرہ عربوں میں بہت معروف ہے:

"ثکلتک امک یا حر"

یہ سن کر حر سخت غضبناک ہوا لیکن کچھ دیر تامل اور غصہ پینے کے بعد

بولا:

"تمہارے علاوہ کوئی عربوں میں سے بڑا آدمی میری ماں کا نام لیتا تو میں بھی اس کی ماں کا نام لیتا۔ لیکن میں نے جس قدر سوچا اسی نتیجہ پر پہنچا کہ میں تمہاری ماں کا نام سوائے عزت و تعظیم کے نہیں لے سکتا، کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹی ہیں۔"

حسینؑ نے فرمایا:

"اچھا بتاؤ تمہارا مقصد کیا ہے؟"

اس نے کہا:

"چلو ہم دونوں امیر عبید اللہ کے پاس چلتے ہیں۔"

حسینؑ نے کہا:

"الموت ادنیٰ الیک من ذلک۔"

"میری موت اس حکم پر عمل کرنے سے زیادہ تجھ سے نزدیک ہے۔"

جب گفتگو طویل ہوگئی تو حر نے خود پیشکش کرتے ہوئے کہا:

"حسینؑ! اب جبکہ آپ میرے ساتھ کوفہ جانے کے لیے تیار نہیں ہیں، آپ ایسے رستے کا انتخاب فرمائیں جو نہ کوفہ جاتا ہو اور نہ مکہ و مدینہ۔ میں بھی آپ کے ہمراہ ہوں گا اور اس صورت حال کی عبیداللہ کو خبر بھی دے دیتا ہوں۔ دیکھیں وہاں سے کیا حکم صادر ہوتا ہے۔ انشاء اللہ آپ کے بارے میں مجھے مصیبت کا سامنا نہ ہوگا۔"

طرفین نے موافقت کی اور ایک تیسرا راستہ منتخب کیا گیا جب کچھ راستہ طے ہوگیا تو حر نے قریب آکر کہا

"حسینؑ! میں آپ کو خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اس معاملہ پر غور کریں۔ میں پورے وثوق کے ساتھ یہ کہتا ہوں کہ اگر بات جنگ اور مقابلہ تک جا پہنچی تو وہ آپ کو قتل کر دیں گے۔"

ابو عبداللہ نے کہا:

"حر! کیا تم مجھے شہادت اور قتل ہونے سے ڈراتے ہو؟"

اس کے بعد آپ نے چند شعر پڑھے جن میں سے ایک دو کا ترجمہ یہ ہے:

"ہم شہادت اور موت کی طرف راستہ طے کرتے ہیں اور موت جوانمردوں کے لیے کوئی بری چیز نہیں۔ اگر ان کا ارادہ و مقصد حق و حقیقت کے مطابق ہو اور اس کا ہدف اسلام کی راہ میں جہاد کرنا ہو تو پھر شہادت

کا سامنا تمام مردوں کے جسم پر کس طرح جچتا ہے
خاص طور پر اس وقت جبکہ وہ آسمان نیک مردوں کے
ہمرکاب ہو کر اپنی جان، جانِ آفریں کے سپرد کر دیں
اور اس ملک سے ان کا مقصد ملوں کے حسن سے
آزادی حاصل کرنا ہو۔"

اس قیصرے راستے کا بڑا حصہ طرماح کی رہنمائی میں طے کیا گیا۔ عام رستے سے ہٹ کر چند منازل طے کر لی گئیں۔ سعد و نعمان کی تاریخی گھاٹیوں اور سرد روں سے ملاقات ہوئی۔

ہماری اس تحریر کا موضوع سیدنا حسینؓ کا مقدس ہدف ہے اس لیے ہم اس سرگزشت کی جزئیات سے صرفِ نظر کرتے ہیں۔

یہ سرگرداں قافلہ حسینؓ ان عربی قبیلوں سے گزرتا ہوا منزل بہ منزل طے کرتا نینوا کے قریب پہنچ گیا تھا کہ یکایک دور سے ایک سوار آتا ہوا نظر آیا۔ سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے اور رک کر اس کا انتظار کرنے لگے۔ وہ سیدھا حرؓ کے قریب پہنچا اور سلام کر کے ایک خط اسے پیش کر دیا۔

حر نے خط لے کر دیکھا، اس مضمون کو پڑھ کر سنا دیا۔ اس خط میں لکھا تھا:

"اس فرمان کے ملتے ہی حسینؓ پر اپنی نگرانی سخت
کر دو۔ آبادی سے اور پانی سے دور انھیں پیادہ
کر کے ان پر کڑی نگاہ رکھو۔ یہاں تک کہ تمہیں
کوئی دوسرا حکم دیا جائے۔ اور یہ نامہ رسان تم
پر مامور کیا گیا ہے۔"

حسینؓ نے فوراً اصرار کیا:

"تو میری راہ دو، نینوا کے نزدیک کسی ایک
دیہات میں ہم منزل کر لیتے ہیں۔"

حر نے کہا:

"اس کا کوئی فائدہ نہیں (المامور معذور) یہ نامہ رساں
میرا نگراں ہے اور میرا کوئی قصور نہیں ہے۔"

زہیر بن قین جو ایک معمر آدمی تھا اور وہ راستے میں حسینؓ کے قافلے میں شامل ہوئے تھے اور شہادت کا جو شہد تھا امامؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر اور درخواست کی:

"حسینؓ جان، اگر آپ اجازت دیں تو ہم اس
لشکر سے جنگ کرتے ہیں۔ یہ اس بات سے زیادہ
آسان ہے کہ ہم صبر کریں اور پھر نہایت شدید مشکلات
کا سامنا کرنا پڑے۔"

ابا عبداللہؓ نے فرمایا:

"مجھے یہ بات پسند نہیں ہے کہ جنگ کی ابتدا کر کے
لوگوں کا خون بہاؤں۔"

غرض سب پیادہ ہو گئے اور کوئی مناسب جگہ تلاش کی جانے لگی۔ آخر ابا عبداللہؓ نے کربلا کا انتخاب کر لیا۔ جغرافیائی اور فوجی حکمت عملی کے نقطۂ نظر سے جب ایک خاص جگہ متعین کر لی گئی تو قافلہ والوں نے فروکش ہونے کے لیے اپنا سامان اتارا۔ کچھ دیر بعد حر کا ہزار نفری دستہ بھی اتر پڑا۔ دونوں جانب خیمے کھڑے کیے گئے۔ اور آنے والے تاریک دن کا انتظار کیا جانے لگا۔

قافلۂ حسینی نے ۲ محرم سنہ ۶۱ھ کو نہر کے پاس اپنی آخری منزل پر پڑاؤ ڈالا۔

ایک دائمی پڑاؤ

یہ قافلہ رستے میں رک گیا تاکہ انسانیت کے قافلے کو ترقی و تکمیل کی راہ پر ڈال دے۔

یہ قافلہ انسانیت کے رہبروں کے ہاتھوں گرفتار ہو کر ایک ایسے بیابان میں فروکش ہوا جس کے قریب پانی تھا اور نہ آبادی تاکہ زندگی کے راستے پر گامزن انسانیت کے قافلے کو قدرت طلب اور استعمار طلب راہزنوں کے چنگل سے بچا سکے۔

اس قافلے نے ایک بے آب و گیاہ اور ویران سرزمین پر اپنا پڑاؤ ڈالا تاکہ انسان کی اجتماعی زندگی کی سرزمین کو اپنے خون سے سینچ سکے اور اسے ہمیشہ کے لیے تازہ اور سرسبز و شاداب رکھ سکے۔

یہ قافلہ ایک بیابان میں ٹھہرا تاکہ انسان شہروں اور آبادیوں کے عین وسط میں آزاد زندگی بسر کرنے کے مواقع فراہم کر سکے۔

اس قافلے نے خود کو زندگی سے محروم کر دیا تاکہ انسانیت کو ظالموں کے چنگل سے نجات عطا کرے اور اسے حقیقی زندگی اور سعادت سے بہرہ مند کر سکے۔

اس قافلے کے رہبر نے کہا: میں جنگ اور خونریزی کی ابتدا نہیں کروں گا تاکہ وحشی خونخواروں کے عالم بشریت کو ظلم اور انحطاط کی گراوٹ سے دور رکھ سکوں۔

آخرکار یہ قافلہ تمام مراحل سے گزر گیا تاکہ انسانیت

کو اسلام کی مقدس تعلیمات کے سائے میں ظالم و جابر استبداد کے چنگل سے نجات دلا دے اور ہر چیز تک اس کی رسائی کو ممکن بنا دے۔

دوستوں کی وفاداری

خیمے نصب کر دیئے گئے۔ ابا عبد اللہ نے اپنے اصحاب کو جمع کیا۔ ایک تفصیلی خطبہ دیا جس کا خلاصہ یہ ہے:

حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

> میرے ساتھیو! میرے دوستو! حالات جیسے کچھ ہیں آپ کے سامنے ہیں۔ دنیا دگرگوں ہو گئی ہے۔ برائیاں ظاہر ہو گئی ہیں۔ اور اچھائیاں رخصت ہو گئی ہیں۔ زندگی کی بچی ہوئی کوئی چیز باقی نہیں رہی ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے ہو کہ حق پر عمل ترک کر دیا گیا ہے اور باطل کو کھلے عام انجام دیا جا رہا ہے۔ ایک ایسی دنیا میں اور ان حالات میں مومن بندوں کو اس کے سوا اور کوئی آرزو نہیں ہو سکتی کہ وہ اپنے خدا سے جلد جا ملیں۔ مجھے آج موت سعادت معلوم ہوتی ہے اور ظالموں کے ساتھ زندگی بسر کرنا رنج اور تکلیف کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔[۱]

اس موقع پر زہیر نے اجازت حاصل کرکے کچھ تمہید کے بعد کہا:

۱۔ لا اری الموت الا سعادۃ ولا الحیوۃ مع الظالمین الا برما۔

"اگر دنیا میں زندگی ابدی بھی ہوتی تو ہم آپ کے ساتھ
رہنے اور آپ کے ہم رکاب رہ کر شہادت پانے
کو ترجیح دیتے۔"

اس کے بعد بلال نے اٹھ کر کہا:

"ہمارا ہدف خدا سے ملاقات اور شہید ہونے تک
آپ کے ساتھ مل کر جنگ کرنے کے سوا اور کچھ نہیں۔"

پھر بریر اور دوسرے اصحاب نے اٹھ کر اپنے مخصوص انداز میں
یقین دلایا:

"ہم خون کا آخری قطرہ بہانے تک آپ کا ساتھ
نہیں چھوڑیں گے اور وفادار رہیں گے۔"

آخری خط اور پیغام رساں کی موت

حسین بن علیؑ اس سرزمین پر خیمہ زن ہوئے جو کربلا کہلاتی ہے۔ کربلا کے سفر کے ساتھ آپ کی یادیں وابستہ ہیں اور یہ یادیں بہت رنج پہنچانے والی اور بہت حسرت پیدا کرنے والی ہیں۔ لیکن ایسی حالت میں بھی امامؑ نے امید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

"عبداللہ بن امید اور ناامیدی کے درمیان سوچتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کو جو حالات درپیش ہیں ان کے بارے میں فکر کرتے ہیں:

"کوفہ کا کیا حال ہوگا؟ کیا ہمارے دوستوں کے
لیے ابھی ایسے حالات موجود ہیں کہ وہ ہماری مدد
کو پہنچ سکیں۔ وہ اور ہم مل کر اس مقدس ہدف

کے لیے پیش قدمی کر سکیں۔ مجھے اطلاع دی گئی
ہے کہ آمد و رفت کے راستوں پر سخت کنٹرول قائم
کیا گیا ہے۔ سرحدوں اور شہر کے دروازوں کی نگرانی
کی جا رہی ہے۔ اس کے باوجود اگر ہمارے دوستوں
کو یہ معلوم ہو جائے کہ ہم کوفہ کے قریب پہنچ گئے
ہیں تو وہ اٹھ کھڑے ہوں اور حرکت میں آ جائیں۔
یہ بات مناسب ہے کہ ہم آخری بار ایک اور خط کوفہ
کے لوگوں کے نام لکھیں۔"

"قلم اور کاغذ لاؤ ——!"

سامان ملنے کے بعد امامؑ نے لکھا:

"خدائے بزرگ کے نام کے ساتھ یہ خط حسینؑ ابن علی
سے سلیمان، مسیب، رفاعہ، عبداللہ اور تمام
مومنوں کے نام بھیجا جا رہا ہے۔"

"میرے دوستو! آپ بخوبی جانتے ہیں کہ میرے نانا رسول خدا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"لوگ کسی ظالم بادشاہ کو دیکھیں کہ اس نے خدا کی
حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال کر دیا ہے، وہ سنت
رسولؐ کے خلاف کام کرتا ہے اور لوگوں کے ساتھ
گناہ اور ظلم کے طریقے سے معاملہ کرتا ہے، اس کے
باوجود وہ کچھ نہ کہیں اور کوئی اقدام نہ کریں —— تو

اللہ تعالیٰ انھیں اس جگہ بھیجے گا جس جگہ کے وہ مستحق ہیں۔ یعنی دوزخ۔

"میرے ساتھیو! آپ کو معلوم ہے کہ بنی امیہ نے شیطان کی اطاعت کی ہے اور وہ خدا کے فرمان سے سرکشی کرتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ انھوں نے زمین پر فساد برپا کیا۔ اس حد تک انھوں نے احکام خدا کو معطل کیا ہے اور حلال و حرام کو بدل دیا ہے۔"

"دوستو! آپ واقف ہیں کہ میں خلافت کے لیے سب سے زیادہ اہل ہوں اور وراثت، عدالت اسلامی کے سایے ہی میں یہ ممکن ہے کہ استحکام اور حکومت کے ذریعے حق حاصل کی جائے۔"

"کوفہ کے لوگو! یہ تم ہی تھے جنھوں نے بڑی تعداد میں خطوط لکھے اور اپنے پیغامبر یہاں بھیجے اور تم ہی نے اپنے ان دعوت ناموں میں دل کش اور امید بخش باتیں لکھی اور کہی تھیں!"

"میں تمھاری ہی دعوت کو قبول کرتے تمھاری جانب آیا ہوں۔ اگر تم اپنے وعدہ وفا کرو تو یہ بہتر ہے۔ اس صورت میں تم نے زندگی میں اپنے حصے کا کردار ادا کر دیا ہے اور ظلم و ستم سے نجات حاصل کرنے کے لیے سعادت کی راہ طے کرلی ہے۔"

"اس کے برعکس اگر تم ہمارا ساتھ دینے پر شرمندہ ہوئے اور تم نے عہد توڑ دیا تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ یہ وہی تم تھے جنھوں نے میرے باپ اور بھائی کے ساتھ اور میرے چچا زاد بھائی کے ساتھ بے وفائی کرکے بزدلی اور سعادت کے ملنے والے رستے کو پامال کیا تھا۔ تمھی جان لو اللہ ہی ہمیشہ میرا مددگار رہا ہے

اور مجھے تمھاری کوئی ضرورت نہیں۔ والسلام"

خط مکمل ہوگیا، اپنے ایک ساتھی کو آواز دی:

"قیس! تم یہاں آؤ! اس خط کو لو اور بڑی احتیاط کے ساتھ کوفہ ... دشمن ہونے کے وسیلے ... کو کامیاب ہونا کچھ مشکل نہ ہوگا۔"

قیس خط لے کر فوراً روانہ ہوگیا۔ افسوس کہ اسے سرحدوں کے محافظوں نے گرفتار کر لیا اور ابن زیاد کے حکم کے تحت موت کی سزا دے دی گئی۔[1] ابا عبداللہ حسین کو جب قیس کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپ نے گریاں آنکھوں کے ساتھ آسمان کی طرف رخ کرکے فرمایا:

"اے ہمارے پروردگار! تو ہمیں اور ہمارے شیعوں کو اپنے مقام کرم کے پاس جگہ دے، اے خدا! ہمارے لیے اور ہمارے دوستوں کے لیے بہترین جگہ میں کوئی ٹھکانہ مقرر فرما۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔"

آئیے ہم کوفہ چلیں اور واپس آجائیں

جیسا کہ بتایا گیا ابن زیاد نے اپنی شیطانی سیاست کے ذریعہ کوفہ کو اپنا مطیع

---

[1] ترجمہ مناقب و بحار۔ ج ۴۴ ص ۳۸۱ طبع قدیم
[2] اسی کتاب کے صفحہ ۲۰۰ کا فٹ نوٹ دیکھیے۔

[illegible] کے قتل ہونے کے بعد باقی شخصیتوں [illegible] تامل سے
کام [illegible] ایک خاص طرح کا سکوت وخاموشی کوفہ پر مسلط ہوگئی۔ [illegible]
بڑی [illegible] ہوگئی۔ [illegible] بہت کامیاب معلوم ہوتا تھا لیکن اس کے چہرے سے ذرا
سی بھی خوشی [illegible] اطمینان کا اظہار نہیں ہوتا تھا۔ [illegible] حکومت جو ہر طرف اور
دروازوں کے کواڑوں سے [illegible] تمام شہر پر مسلط ہوگئی تھی۔ وہ
لوگوں کے آزادی کے فطری جذبے سے متصادم تھی۔

[illegible] کی جانب [illegible] اطاعت پر [illegible] طرح قابو پا
چکا تھا۔ ایک خط [illegible] کی طرف سے پہنچا جس میں [illegible] کے ساتھ حسینؑ
کے بارے میں احکامات دیے گئے تھے۔

[illegible] حسینؑ کا راستہ روک کر حکومت کے سر پر سے ایک بڑے خطرے کو دور
کر دینا چاہیے۔

[illegible] کی [illegible] خلافت [illegible] کا راستہ
روکا جائے۔

کیا حسینؑ کے ساتھ تم بھی [illegible] کا سلوک کریں جو [illegible] کے ساتھ کیا
گیا تھا ———؟

کیا حسینؑ کو بھی سخت سیاست کے ذریعے کچلا جا سکتا ہے ——— ؟ [illegible]
کے بارے میں محتاط [illegible] کا رویہ اختیار کرنا چاہیے ؟

[illegible] کی حالت میں خود بخود اور [illegible] تلاش کرنے کی [illegible] تھا
[illegible] حاضر ہو۔ وہ مدینہ کے گورنر کا ایک خط لایا تھا۔

ولید نے لکھا ہے :

"جناب ابن زیاد ! مجھے اطلاع ملی ہے کہ حسینؑ عراق

کی طرف آ رہے ہیں۔ تم پوری طرح محتاط رہو۔ ایسا نہ ہو
[illegible]
چھوٹی سی لغزش سے تمہاری دنیا اور آخرت تباہ ہو
[illegible]
[illegible]
جائے گا۔"

[illegible]

[illegible]

[illegible]

حسینؑ نے کربلا میں پڑاؤ ڈال دیا ہے اور میں
ان کی نگرانی کر رہا ہوں۔ ہماری ذمہ داری سے
آگاہ فرمائیں :

[illegible]
ساتھ حسینؑ کے ساتھ [illegible]
[illegible] ثابت ہوگا۔

[illegible]
محبت کا مرکز ہے آسان نہیں ہے۔

"دوسرا یہ ہو سکتا ہے کہ اگر سہل انگاری سے کام لیا گیا اور ہم نے اس سلسلے میں کوئی قدم نہ اٹھایا تو زیادہ عرصہ نہیں گزرے گا کہ حسینؑ بڑھتے اور قریب آجائیں گے اور لوگ ان کا استقبال و احترام کرنے پر آمادہ ہوں گے۔ اس طرح تو ہماری تمام محنت ضائع ہو جائیں گی اور کوفہ و عراق پھر ہمارے اور یزید کے ہاتھوں سے نکل جائیں گے"

ابن زیاد نے سوچا:

"حر کے عمل سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ حسینؑ ہمارے زیر نظر ہیں اور ہمارے زیر اختیار ہے"

"اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟ دوسری جانب مشکل اور سنگین مسئلہ ہے حسینؑ جو تقریباً ہمارے قابو میں آچکے ہیں انھیں آزاد کر دیا جائے یا ان کے بارے میں کوئی قدم نہ اٹھانا مناسب ہوگا۔۔؟"

"اگر حسینؑ کے حالات کا دنیائے اسلام کو علم ہو گیا تو ہر طرف سے اقدامات کا آغاز ہو جائے گا اور یقیناً ایک بڑا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ حسینؑ کو ہمیشہ نظر بندی میں رکھا نہیں جا سکتا۔ اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ ایک جماعت ان کی جانب روانہ کی جائے۔ اگر حسینؑ نے بات مان لی اور ہتھیار ڈال دیے تو بہتر ہے ورنہ بصورت دیگر جنگ اور خون خرابے کے سوا کوئی راستہ باقی نہیں رہے گا۔"

"مگر پہلے میں کسی ایسے آدمی کو تلاش کیا جائے جس کے لیے لوگوں کی حمایت حاصل کی جا سکے۔ اگر کوئی مشہور و معروف شخص حسینؑ کے ساتھ جنگ کے لیے تیار ہو جائے تو باقی لوگوں کو روپیہ

دے کر اور اچھی امیدیں دلا کر آمادہ کیا جا سکتا ہے۔"

وہ سوچ رہا تھا کہ ابن زیاد نے ایک معروف شخصیت کو یاد کرنا شروع کیا پھر اچانک رک کر اس نے کہا:

"میں نے کوشش کر لی۔ مجھے وہ شخص مل گیا جس کی مجھے ضرورت تھی — عمر ابن سعد وقاص کہاں ہے؟"

لوگوں نے بتایا:

"اسے حکومت رے کا سربراہ بنایا گیا ہے اور وہ اس کا نظم و نسق سنبھالنے کے لیے جا رہا ہے"

ابن زیاد نے اسے حاضر کرنے کا حکم دیا اور ہدایت کی۔

"اگر وہ راستے میں بھی ہے تو اسے واپس لے کر آؤ"

عمر حاضر ہو گیا ——— ابن زیاد نے اس سے مخاطب ہو کر کہا:

"عمر! تم کیوں ہمارے ساتھ کام نہیں کرتے۔ تمھیں جو وقار اور عظمت حاصل ہے اس کے باوجود ہماری مدد کیوں نہیں کرتے؟ اس وقت جو مشکل درپیش ہے وہ صرف تمھارے ہاتھوں ہی حل ہو سکتی ہے مجھے یقین ہے کہ تمھیں عقل اور تدبیر خاص سے جو حصہ ملا ہے اس سے کام لے کر اس بحران کو تم بخوبی ختم کر سکو گے۔"

"امیر! آخر کیا مسئلہ ہے؟"

"کوئی ایسی بات نہیں بس حسینؑ کے عراق آنے کا مسئلہ ہے۔ شاید تمھیں بھی اس کی اطلاع ہوئی —

[illegible] دیا ہے [illegible]
میں نے بہت تلاش کیا مجھے تم سے بہتر کوئی شخص نہیں
[illegible] کہ تم ہی وہ واحد آدمی ہو جو اس
[illegible] انداز میں انجام دے سکتے ہو۔"

[illegible] کہا:

"میں معذرت چاہتا ہوں میری خواہش ہے کہ آپ یہ
[illegible]

[illegible]
نے اپنی انگلی رکھ کر مقصد حاصل کر لیا۔

[illegible]

اسی راہ سے قابو میں لایا جا سکتا تھا۔

ابن زیاد نے کہا:

"عمر! پھر رے کے انتظام کے لیے آپ کو جو فرمان
دیا گیا تھا اسے واپس کر دیں حسینؑ کے بارے میں
بھی کام کچھ زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اسے ہم کسی اور
[illegible]
کے لیے آپ کی قابلیت سے استفادہ کرنا چاہتے
تھے ــــــ؟"

[illegible]
[illegible] کہے گا

"جناب ابن زیاد! آپ اس قدر جلد مجھ سے ناراض
ہو گئے [illegible]"

ابن زیاد نے کہا:

"میں ناراض نہیں ہوں۔ بس مجھے تم سے یہی کہنا تھا
رے کے فرمان کو واپس کر دیں۔ نہیں اپنی ذمہ داری
معلوم ہے۔"

عمر سعد نے کہا:

"مجھے آپ اس بارے میں سوچنے کا کچھ تو وقت دیں؟"

[illegible]

"[illegible]
پیش آئے۔ ہم بھی آپ کو کربلا بھیجے گے زیادہ
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]"

ابن سعد نے کہا

سوچنے کے لیے کچھ مہلت دی جائے تو کوئی حرج
نہیں ہوگا۔"

کچھ رد و کد کے بعد طے پایا کہ صرف ایک رات کی مہلت دی جائے تاکہ ابن سعد بھی اچھی طرح غور کرلے اور صبح کے وقت جب سرکاری کام شروع ہو تو اپنے فیصلے سے مطلع کردے۔

لالچ اور اندھاپن

"حب الشیء یعمی ویصم"

علمِ نفسیات کے ماہرین کے مطابق کسی ایک چیز سے شدید تعلق اور محبت اس چیز کی خرابیوں اور برائیوں کو دیکھنے اور سننے سے روک دیتی ہے۔ آنکھ اس چیز کی برائیوں کو دیکھنے اور کان سننے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ لیلیٰ کتنی ہی بدصورت کیوں نہ ہو مجنوں کی آنکھ کے لیے وہ نہایت حسین اور دلکش ہے۔

رے کی حکومت حاصل ہے اور ممکن ہے حسینؑ کے قتل کے عوض ہی ملے۔ لیکن ابن سعد کے لیے اس قیمت پر بھی سودا سستا ہے۔ ایک عاقل کی کوئی چیز اگر شرافت اور ضمیر کو پامال کرکے ہی مل سکتی ہے تو ابن سعد کے نقطۂ نظر سے اس میں کوئی حرج نہیں۔ حکومت اور ریاست سے محبت ہے۔ یہ تمام چیزیں صرف حکومت کے لیے درکار ہیں اور حکومت تمام چیزوں کے لیے۔

علمِ نفسیات کے قاعدے کے مطابق وہ رات بھر غور و فکر کرتا رہا۔ وہ جس قدر عقل و شعور کی روشنی میں غور کرکے اس کام کی برائیوں کو دیکھنا چاہتا، اسی قدر اس کی آنکھیں مدھم ہوتی چلی جاتیں اور اس کے تصور میں وہ مناظر گھومنے لگتے جو رے کی حکمرانی کے دوران اسے میسر ہونے والے تھے۔ کبھی اسے قیامت کے حساب و کتاب کا خوف آتا لیکن رے کی حکومت کی دھوم دھام اس کے ذہن پر غالب آجاتی۔

حکومتِ رے کی ان رعنائیوں اور دلفریبیوں نے آخر اس کی آنکھوں کے سامنے ایک موٹا پردہ تان دیا۔ ایسا پردہ کہ اسے حکومتِ رے کے سوا کوئی اور چیز دکھائی نہیں دیتی تھی۔

أأترك ملك الري والري منيتي
ام ارجع مأثوما بقتل حسين

"کیا میں رے کی حکومت سے دستبردار ہو جاؤں
حالانکہ وہ میری آرزوؤں کا منتہا ہے۔ یا کربلا
چلا جاؤں اور حسینؑ کو قتل کرکے گنہگار بن جاؤں؟"

ایک ایسا انسان جو پہلی بار ریاست کے سراب میں ہی کہہ دیتا ہے کہ مجھے معاف کردو۔ آخرکار بتدریج نرم پڑ گیا اور ایک شیطانی وسوسے کا شکار ہو کر پستی میں گر گیا۔

عمر سعد سوچنے لگا:

"ہم کربلا جاتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ یہ
بحران بہر صورت صلح و صفائی کے ساتھ حل ہو جائے
اور رے کی حکومت بھی ہاتھ سے نہ جانے پائے۔"

اس نے یہ نہ سوچا کہ ان ناہموار ڈھلوانوں پر چلتے ہوئے پیر بھی پھسل سکتا ہے اور آدمی کسی ایسے مقام پر پہنچ سکتا ہے جہاں پر رکنا اور پیچھے ہٹنا دونوں ناممکن ہو جائیں۔ بلکہ آگے بڑھنے کا مطلب اور زیادہ تیزی سے جہنم، پستی اور بدبختی کے گڑھے میں گرنا ہو۔

اس نے اس خیال سے کہ وہ اس بحران کو صلح و صفائی کے ساتھ حل کرنے میں یقیناً کامیاب ہو جائے گا اور جنگ کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔ کربلا جانے

کی ذمہ داری قبول کر لی۔

[illegible]

روانہ ہو گیا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] کربلا کی جانب روانہ کیا۔

[illegible]

①	حُر بن یزید ریاحی	[illegible]
②	عمر بن سعد وقاص	۴۰۰۰
③	[illegible]	۱۰
④	شیث بن ربعی	[illegible]
⑤	محمد بن اشعث کندی	۱۰
⑥	شمر بن ذی الجوشن	۴۰۰۰

[illegible] مقصد کیا ہے؟

[illegible]

حسین ابن علیؓ نے اس کا جواب دیا:

"کوفہ کے لوگوں نے مجھے دعوت دی ہے اور میں نے ان کی دعوت قبول کر لی ہے۔ اگر وہ اپنی اس دعوت پر پشیمان ہیں تو میں کوئی اور راستہ اختیار کروں گا۔"

[illegible] آپ سوچتے ہوں گے کہ اگر وہ لوگ حسینؓ کی بات سے اتفاق کرتے [illegible] حسین ابن علیؓ [illegible] ہاتھ بڑھا دے اور جنگ سے [illegible]؟

لیکن اس بارے میں ہم ایسا نہیں سوچتے ہیں۔

[illegible]

عمر سعد [illegible] وہ خود کو کامیاب سمجھ رہا تھا۔ [illegible] کو ملا گیا تھا۔ [illegible]

ابن زیاد نے عمر سعد کو [illegible] میں لکھا تھا:

"خدائے بزرگ نے فتنہ کی آگ کو خاموش کر دیا۔ [illegible] اس بات پر آمادہ ہیں کہ دوسرے مسلمانوں کی طرح کسی سرحد میں جا کر آزاد زندگی بسر کریں اور [illegible] تو وہ آپ کے یا یزید کے ہاتھ پر بیعت کر لے گا"

[illegible]

[illegible] بیعت کر لیتا۔ لا واللہ۔

[illegible] تھا۔ وہ کہتا تھا اگر حسین نے بیعت نہ کی تو پھر ایک بڑا خطرہ ہے۔

لیے تیار ہیں۔"

اگرچہ کہ ابن زیاد خوش ہوا لیکن شمر نے کہا:

"یہ خط نصیحت آمیز اور مشفقانہ ہے۔"

[illegible]

ہو جاتا ہے کے مصداق کہا:

"جناب ابن زیاد! یہ کیسی تجویز ہے۔ حسینؓ آپ کی

[illegible]

ابن زیاد اس بات سے بہت متاثر ہو کر کہنے لگا:

[illegible]

بات کا حق حاصل ہے کہ اس کا سر قلم کر کے پورے
لشکر کا کنٹرول خود اپنے ہاتھ میں لے کر حسینؓ کا کام
تمام کر دو۔ یا جنگ۔ یا بیعت۔ ابن جوشن! تم
درست کہتے ہو۔ عمر سعد پہلے ہی کربلا جانا نہیں چاہتا
تھا۔ بعد میں وہ کربلا جانے پر آمادہ ہو گیا۔ اب حسینؓ
کے ساتھ نرمی برت رہا ہے۔ میں نے حکم دیا ہے کہ

[illegible]

کربلا کی طرف چلیں

[illegible]

اس پر عمل درآمد ہونے لگا۔

ابو عبداللہ کے ساتھ عمر سعد کی ملاقات اور مذاکرات کا دن ختم [illegible] [illegible] ... ابو عبداللہ نے ایک دو دفعہ ابن زیاد کے لشکر سے خطاب کیا اور وعظ و نصیحت کو اپنے [illegible] ابن زیاد کے وعدے اور [illegible] حسینؑ کے ملاقاتی ارشادات انھیں متاثر نہ کرسکے۔

وقال ابو عبد الله الحسين عليه
السلام. الناس عبيد الدنيا والدين
لعق على السنتهم يحوطونه ما درت
معايشهم فاذا محصوا بالبلاء قل
الديانون۔

• حسین بن علیؑ نے فرمایا: "لوگ دنیا کے بندے
ہیں اور دین ان کے دور زبان ہے لیکن صرف
اس وقت تک جب تک کہ وہاں کی مادی زندگی
سے ہم آہنگ ہو لیکن آزمائش اور مصیبت کے
وقت دیندار کم ہی ہوتے ہیں۔

کربلا کی فضا

کربلا پر ایک خاص فضا طاری ہے۔ جنگل میں ایک پورا شہر آباد ہوگیا ہے ایک طرف لشکر حسینؑ کے خیمے اور [illegible] کا منظر پیش رہتا ہے۔

تو دوسری طرف ابن زیاد کے لشکروں کے سردار ہیں۔ [illegible] لشکر کے [illegible] جگہ منتخب کرکے تنصیبات قائم کرتا ہے ایک جماعت کو پانی روکنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔

حسین بن علیؑ کے ساتھی بار بار جاتے اور شدید جھڑپوں کے بعد [illegible] آتے۔ عباس کو سقائی کا لقب دیا گیا۔ ابوالفضل العباسؑ۔

فریقین کے مختلف افراد کے درمیان دلچسپ ملاقاتیں ہوتیں۔ دونوں طرف سے عجیب دلائل پیش کیے جاتے۔

ابو عبداللہؑ کے جانثار بار بار آپ سے جنگ میں ابتداء کی اجازت طلب کرتے لیکن آپ فرماتے:

• "میں جنگ کی ابتدا نہیں کروں گا۔"

راتوں کو ابو عبداللہ اور ابن سعد کی ملاقاتیں ایک خاص اہمیت اختیار کرگئی تھیں۔ مسئلہ پیچیدہ ہوگیا تھا۔ [illegible] عمر سعد ہی نہیں لشکر کے بہت سے سردار اپنے دلوں میں حسینؑ سے جنگ کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ [illegible] بیشتر جبر و قہر کی بنا پر اس میدان میں وہ آئے تھے۔

سب حالات کے کسی حل کا انتظار کر رہے تھے۔ شاید کام بغیر کسی خونریزی کے ٹھیک ہو جائے۔ [illegible] امید [illegible] کہ عمر سعد آپ کے ساتھ جنگ نہیں کرے گا۔ اور وہ اس کی ملاقاتوں سے بہت خوش تھا یہاں تک کہ کربلا کی فضا بدل گئی۔

•

دوسری طرف حسینؑ کے اہل و عیال مظلومیت میں مبتلا تھے۔ ابن زیاد کے لشکروں کے بیوی بچے ساتھ نہیں تھے لیکن فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے بیوی بچوں کے ساتھ آئے تھے۔ خصوصاً اس دن سے ان کی مصیبتوں [illegible]

[illegible] ایک سخت مسئلہ [illegible] تھا۔

[illegible]

دشمن پر بھی پانی بند نہیں کیا جاتا۔

[illegible]

ہیں اور پانی تک کو بند کر رہے ہیں!

[illegible]

[illegible]

نام پر اسلام کے قطعی احکام کو پامال کرتے ہیں۔

شمر کہتا ہے

"مجھے جو حکم ملا ہے اس کے مطابق کوئی فیصلہ کن
بات ہونی چاہئے، یا جنگ یا بیعت"

عمر سعد نے اس حکم کو جاری کرنے کے لیے اپنی حیثیت [illegible] سے پوری طرح کام لیا حکومت کی اسی لالچ کی بنا پر اس نے کہا:

"کوئی حرج نہیں میں خود اس فرمان کو رو بعمل لاتا
ہوں لیکن یہ معلوم ہونا چاہئے کہ تو اس بحران کو
مصالحت کے ذریعہ حل ہوتے نہیں دیکھنا چاہتا۔"

ابن سعد کی آواز بلند ہوئی۔

یا خیل اللہ ارکبی وبالجنة ابشری

"اے لشکر خدا سوار ہو جاؤ اور جنت کی راہ پر قدم
بڑھاؤ۔"

افسوس [illegible] فرمان پر اور نفرین اس فرمان کے جاری کرنے والے پر [illegible] کے منہ میں خاک کہ جس نے نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاتلوں کے لشکر کو لشکر خدا کے نام سے پکارا۔

یہ لوگ جب تک اپنے کاموں پر دین کا رنگ نہیں چڑھاتے اور حق کی طرفداری کا روپ نہیں دھارتے ان کا کوئی کام نہیں بنتا۔

عمر سعد کی اس آواز نے ریت [illegible] بھائی کے پاس آئیں۔

حسین نے اپنے بھائی عباس کو بلایا اور کہا۔

"جلدی سے دوستوں کی ایک جماعت کے ساتھ جاؤ

"ذرا معلوم کرو کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ کیا واقعہ پیش
آیا ہے ——؟ تازہ خبر کیا ہے ——؟"

فوراً حکم بجا لایا جاتا ہے۔

عباسؑ اور ان کے ساتھی موقع پر پہنچے اور پوچھا:

"کیا بات ہے —— کیوں شور مچا کر جنگ کے
لیے آمادہ ہو گئے ہو؟"

ان لوگوں نے کہا:

"عباس! ابھی ابھی یزید کا فرمان آیا ہے جس میں
فیصلہ کن اقدام کرنے کی ہدایت کی گئی ہے: جنگ
یا بیعت۔"

"ذرا صبر کرو۔ صورت حال سے اپنے امامؑ
اور فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آگاہ کرتا
ہوں ——"

ساتھی کھڑے رہے اور عباسؑ نے واپس جا کر صورت حال امامؑ سے بیان کی۔

"میرے بھائی عباس — آپ دیکھیں اگر ممکن ہو
تو آج کی رات کے لیے مہلت حاصل کریں۔ اس
وقت نماز اور قرآن کی طرف میری توجہ بہت
زیادہ ہے۔"

عباس ابن علیؑ واپس آ گئے۔ بہت رد و بدل اور تکرار کے بعد اس بات پر اتفاق ہوا کہ یہ رات بھی دوسری راتوں کی طرح گزر جائے اور کام کل تک ملتوی کر دیا جائے۔

کیسی روشن رات اور کیسا تاریک دن

کربلا کا آفتاب غروب ہو گیا۔ حسب معمول مغرب کی نماز ادا کی گئی۔ سب لوگ اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔

ایک طرح کا سکوت اور وحشت ماحول پر مسلط تھی۔ بچے آہستہ آہستہ سو گئے —— زینبؑ اپنے بھتیجے کی تیمارداری میں مصروف تھیں جو کچھ دنوں سے بخار میں مبتلا تھا۔ وہ اس کے بستر کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں خیموں کے اطراف پہرہ دینے والے محافظ اپنی ڈیوٹی پر جانے کے لیے آمادہ ہو گئے۔

اچانک حسینؑ کی مقدس آواز بلند ہوئی:

"میرے اصحاب! میرے ساتھیو! آؤ میں تم سے
کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔"

علی بن الحسینؑ بستر بیماری پر دراز باپ کی آواز سن رہے ہیں۔

"پھوپھی جان! مجھے اجازت دیجیے کہ میں قریب
جا کر اپنے بابا جان کی ہدایات سنوں۔"

آپ نے بستر کے سامنے پڑے ہوئے پردے کو ذرا اوپر اٹھا دیا تاکہ باپ کی آواز کو اچھی طرح سن سکیں۔

حسین ابن علیؑ —— زہراؑ کا با سعادت فرزند جو اب ایک ۵۷ سالہ بوڑھا تھا، اپنے ملکوتی جوش اور خستہ چہرے کے ساتھ اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہوا:

جان سوز حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

"میں نے ایسے باوفا دوست کبھی نہیں دیکھے ویسے
محبت کرنے والے بیوی بچوں کی مثال نہیں ملتی
مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو بہترین اجر اور
اعلیٰ ترین ثواب عطا فرمائے گا۔"

اس کے بعد حسینؑ نے اپنا اصل مقصد بیان کرتے ہوئے کہا:

"اب میری زندگی کے دن باقی نہیں رہے ہیں۔ یہ ظالم
جو تم لوگ دیکھتے ہو، اس کے مقابل میں اپنی زندگی
کی کوئی قیمت نہیں سمجھتا لیکن میں تم سے یہ کہنا چاہتا
ہوں رات کی تاریکی فضا پر چھا گئی ہے۔ کسی کو تم سے
کوئی سروکار نہیں۔ یہ قوم صرف میرے خون کی پیاسی
ہے۔ تم لوگ بلاوجہ خود کو ہلاک مت کرو۔ تم سب اس
بیابان سے چلے جاؤ حتیٰ کہ میرے بیوی بچوں کو بھی
ساتھ لے جاؤ اور اس صحرا سے نکل جاؤ میں تمہیں اس
کی اجازت دیتا ہوں میری جانب سے ذرا بھی رکاوٹ
نہیں ہے۔"

سب سے پہلے حسینؑ کے فرزندوں، بھائیوں اور بھتیجوں نے روتے ہوئے یک زبان ہو کر کہا:

"حسینؑ! خدا وہ دن نہ لائے کہ ہم آپ کے بغیر
زندہ رہیں۔ امید ہے کہ ہم ایسا دن نہیں دیکھیں گے
ہم ہرگز آپ کے ساتھ اور آپ کے ہمرکاب رہ کر
شہادت پانے سے محروم نہیں ہونا چاہتے۔"

ان کے بعد اصحاب اور دوستوں میں سے ہر ایک نے سوز و گداز اور جوش و جذبہ سے بھری ہوئی باتیں کر کے آخری بار اپنی وفاداری کا عہد کیا۔

تاریک رات جو روشن ضمیروں کے دل کی روشنی سے نور حاصل کر رہی تھی، گزر گئی۔

وہ رات جو عشق حقیقی کے عالی ترین مراتب کا آئینہ دار تھی، محبت کرنے والے اور محبوب کے تعلق کی تفسیر کرتی تھی، گزر گئی۔

وہ تاریک اور روشن رات گزر گئی ——— وہ مقدس رات گزر گئی۔
لیکن تسبیح و زمزموں ——— آسمانی نغموں ——— تلاوت قرآن ———
اور ——— نماز و استغفار کے ساتھ۔

وہ حیرت انگیز رات جو انسانی تاریخ میں اپنے مقام کے اعتبار سے بے نظیر تھی آخر صبح میں بدل گئی۔

دسویں محرم کا دن آپہنچا ———

حق و آزادی کے علمبرداروں کی زندگی کے آخری دن کا سورج طلوع ہوا۔ دسویں محرم ۶۱ھ[1] کے آفتاب نے ہدایت کے مشعل برداروں کے معصوم اور حسین چہروں پر اپنی کرنیں بکھیر دیں لیکن جب یہی آفتاب غروب ہونے لگا تو وہ اپنا دامن انہی پاکیزہ نفوس کی لاشوں پر سے کھینچ رہا تھا جو ستم گروں اور ظالموں کی حکومت کا نشانہ بنے تھے۔

یہاں یزید کا فتح نامہ نہیں لکھا جاتا۔ یہاں استبدادی حکومتوں کی بدکاریوں کا تذکرہ نہیں کیا جاتا۔ یہاں حوادث عاشورہ کی جزئیات بیان

---

[1] اس دن حسینؑ کی عمر مقدس ستاون سال اور ساڑھے چھ ماہ گزر چکے تھے۔

کرنے سے بھی احتراز کروں گا۔

لیکن یہ روشن آفتاب

یہ درخشاں ستارے جانتے ہیں،

ان سے پوچھو ——— ،

پوچھو کہ یزید اور ابن زیاد کی قاہر و جابر حکومت کے گناہ گار ہاتھوں نے حریت و آزادی کے طرفداروں اور مردانِ حق کے ساتھ کیا کیا ——— ؟

آپ اس آفتاب و ماہتاب سے پوچھیے ———

کہ ———

ابن زیاد اور یزید کی حکومت کی چمکتی تلواروں،

اور ———

نیزوں نے کیا کیا ——— اور ——— کمینوں نے فرزندانِ رسولؐ خدا اور زہراؑ کے جگر گوشوں کے ساتھ کیا سلوک کیا ؟

آپ آفتاب و ماہتاب سے پوچھیے،

کہ ———

کیا دشمن نے معصوموں اور بڑوں پر کوئی رحم کیا یا قتل و کیا خون نے دین، قانون ——— اور ——— ضمیر کی کوئی پابندی کی گئی ؟

ابھی آفتاب طلوع ہی ہوا تھا کہ عمر سعد نے شیطانی حق سے آواز عمل اور جنگ کا فرمان صادر کر دیا گیا۔

تیروں کی بوچھار و بارش نے حسینؑ کے طرفداروں میں سے پچاس افراد کو خاک و خون میں تڑپا دیا۔

تیروں کے چلنے کی بوچھار ختم ہوئی اور اس وقت کے آداب و رسوم کے مطابق

لڑائی شروع ہوئی۔

میں ایک ایک کے بارے میں بات نہیں کروں گا۔ بلکہ خلاصے کے طور پر کہوں گا روز عاشور کا آفتاب جب غروب ہونے لگا تو اس سرزمین پر یہ دیکھا کہ حسینؑ کے خیمے میں کوئی مرد نہیں ہے بلکہ حرم گاہ عالی بیت میں حسینؑ کے بیوی بچے سرگرداں پریشان ہیں اور ان کے خیموں کو غارت و تاراج کر کے جلا دیا گیا ہے۔

ہاں یہ معلوم نہیں ہے کہ عاشورے کا آفتاب جب غروب ہو رہا ہو اس نے علی بن حسینؑ کے سوا کسی کو بھی دیکھا۔ وہ ستارے جو فلک میں رہتے تھے رات جب یہ بھی ستاروں کو جمع کر رہا تھا تو وہ رو آزادی کے شمعدان و سرو قامت جوانوں کے سرخ و شعلہ چہروں کو چومتے ہوئے گشت کر رہی تھیں۔

اسیروں کے محروم ہاتھوں سے اسلام کی کریہہ صورت عمل میں آ گیا۔ شہادت کی شب کو زینبؑ زحمت کے ساتھ اپنے بھائی کے یتیم بچوں کو اپنے پاس جمع کر کے نصف شب تک ان کو تسلی دینے میں مصروف رہیں۔

علی بن الحسینؑ کہتے ہیں :

"میری پھوپھی زینبؑ ہر رات کھڑے ہو کر نوافل ادا کرتی تھیں لیکن اس رات اس قدر رنج و غم کا سامنا کرتے ہوئے وہ نصف شب تک بچوں کی دلجوئی میں مصروف رہیں اور پھر انھوں نے بیٹھ کر نوافل ادا کیے۔

پھر بھی زینبؑ کھڑے ہونے کی طاقت نہ رکھتی تھیں وہ اپنے پیروں پر کھڑی نہیں ہو سکتی تھیں۔ اس رات انھوں نے روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ بیٹھ کر نماز ادا کی۔ نوافل پڑھنے کے لیے وہ قبلہ رو ہو کر

اٹھیں اور اپنے لرزتے ہوئے ہاتھوں کو تکبیر کے لیے
بلند کیا اور بڑی رقت انگیز آواز میں انھوں نے اللہ
اکبر کہا ۔

میں تصور بھی نہیں کر سکتا کہ مکتب اسلامی میں تربیت پانے والی عورتوں کا یہ عالی ترین نمونہ زینب بنت علیؑ نماز ادا کرنے کے لیے کھڑی ہو کر اٹھیں تو ان کے دل کی کیا کیفیت تھی ـــــــــ اور اس وقت وہ کیا سوچتی تھیں۔ جب انھوں نے اللہ اکبر کہا ہوگا تو خدائے بزرگ و برتر نے اس خاتون کی روح اور عظمت کا کیا عالم دیکھا ہوگا اور اس خاتون نے خدائے بزرگ سے کیا مانگا ہوگا ـــ؟

"اے خدا میں تجھے علیم و خبیر کی حیثیت سے پکارتی
ہوں۔ تو ہر شخص سے بہتر دیکھتا اور سنتا ہے۔ دیکھ رہا
حق کے دشمنوں نے ہمارے ساتھ کیا سلوک کیا؟
تو سب سے بہتر دیکھنے والا ہے دیکھ کہ میرے بھائی
زمین پر پڑے ہوئے ہیں اور میرے فرزند خاک و خون
میں آلودہ ہیں۔ میرے بھائی کے یتیم بچے میرے
اطراف جمع ہیں اور میرا بیمار بھتیجا بخار میں کس طرح
جل رہا ہے ؟"

"بار خدایا! عدالت کا ہاتھ کب باہر آئے گا اور کب
یزید کی ظالم حکومت کا تختہ الٹ دے گا؟ اے
پروردگار! یہ رنج والم و مصیبت میں نے اس روز
کی حد میں برداشت کیے تھے کہ اپنی آنکھوں

سے ہدایت کے چراغ کو روشن ہوتا دیکھ سکوں۔"

دختر علیؑ حسینؑ کی تحریک کو آگے بڑھاتی ہیں

اب جدوجہد حسین نئی صورت میں داخل ہوئی۔

اب زینبؑ کی باری تھی ـــــــ حسین ابن علیؑ نے اپنی جدوجہد کو اس مرحلے تک پہنچایا تھا اور اس کے بعد کا کام اپنی بہن زینبؑ کے حوالے کر دیا تھا۔

اب اس بعد کے مرحلے کے لیے بھی پیمانہ کو عمل مرتب کیا جانا چاہیے تاکہ وہ تحریک حسینی کے اصل مقصد کو پورا کر سکے۔ ذرا سی غفلت اور بے پروائی پورے معرکۂ کربلا کو بنی امیہ کے حق میں تبدیل کر سکتی ہے اور پاک شہیدوں کے خون کو بے نتیجہ بنا سکتی ہے۔

زینبؑ کو اب ایک ہی سے مردانہ دل و دماغ کے ساتھ کام شروع کرنا ہے مصیبتوں کی طرف سے آنکھیں پھیر کر اور عورتوں کی گریہ و زاری کی رسم سے منہ موڑ کر بڑے بڑے حوادث سے فائدہ اٹھانا ہے اور دین کو تقویت پہنچانے کے لیے تبلیغ و اشاعت کا فریضہ ادا کرنا ہے۔

یہ زینب ہی ہے جو اس گیر و دار میں ہر موقع سے فائدہ اٹھا سکتی ہے اور ظالم حکومت کے خلاف آواز بلند کرکے اور اس کی بدعملیوں پر سے نقاب اٹھا کر حقائق کو آشکار کر سکتی ہے۔

یہ علیؑ کی بیٹی ہے ـــــــ جسے یزید اور ابن زیاد جیسے ملعونوں کے وسیع پروپیگنڈے کے پیچھے چھپے ہوئے جھوٹ اور مغالطوں کو لوگوں کے ذہنوں

سے نکالنا اور حقائق کو واضح کرنا ہے۔

یہ زینبؑ ہے جس نے لوگوں کو سمجھا دیا کہ ابن زیاد کی مسند ظالمانہ سیاست نے یہ جھوٹا پروپیگنڈا کیا کہ ہم اسلام اور اسلامی مفادات کے محافظ ہیں اور یہ کہ ہم سے جنگ کرنا دین اسلام سے بغاوت ہے۔ ہم پیغمبرؐ کا خاندان ہیں اور وحی ہمارے گھر میں نازل ہوئی اور ہم سے بڑھ کر کس کا دل پیغمبرؐ کے دین اور مکتب فکر کے لیے تڑپ سکتا ہے — ہم دین کی تقویت کے لیے کام کرتے ہیں — یہ وہ حقائق ہیں جنہیں زینبؑ کو بے نقاب کرنا ہے۔

حسینؑ نے جو فقرہ کہا تھا کہ میں نے خواب میں دیکھا — خدا نے چاہا ہے کہ میرے بیوی بچے اسیر ہوں — بلاشبہ یہ بیوی بچوں کی اسیری ہی ہے جس نے حسینؑ کے مشن کو اس کے انجام تک پہنچایا اور اصل مقصد کو آشکار کیا۔

زینبؑ بنت علیؑ کے کندھوں پر تبلیغ و شجاعت کی ایک بھاری ذمہ داری رکھی گئی ہے۔ کربلا کے بچے ساتھیوں کی سرپرستی اور قافلہ سالاری کا بوجھ بھی اس کے کندھے پر ہے — یہ کیسا بھاری بوجھ اور کیسا سنگین فرض ہے۔

ایک عام عورت کا دل اور دماغ اس طرح اس ذمہ داری کے بوجھ کو برداشت نہیں کر سکتا — لیکن زینبؑ بنت علیؑ جس نے زہراؑ کی گود میں تربیت پائی ہے۔ وہ علیؑ اور زہراؑ کے گھر میں پلی، پوری زندگی سنگین جنگ میں گزاری اور جنگ و تند سیاست کے میدان میں اپنا سارا وقت گزارا ہے زینبؑ نے زہراؑ کے دامن میں پرورش پائی ہے۔ وہ زہراؑ کہ جس نے منصب فدک اور مسلمانوں کے حقوق سے حکومت وقت کو شکست دی اور ان حربوں کو بیٹھے

تاریخ اسلام کا حصہ بنا دیا۔

زینبؑ علیؑ کی دختر بلند — دامن زہراؑ کی پروردہ زینبؑ عبداللہ جعفر جیسے نیک، معروف و ممتاز انسان کی رفیقۂ حیات — عون اور محمد جیسے فرزندوں کی ماں — اس عظیم زینبؑ نے کربلا کی جدوجہد کو مکمل کیا اور کربلا کے اس واقعہ کو اس کے حقیقی نتیجہ تک پہنچایا۔

جیسا کہ ہم نے کہا۔ اس تحریر کا مقصد داستان سرائی نہیں ہے۔ ہم تو حسینؑ کے اصل مقصد کو بیان کرنا چاہتے ہیں۔

اس مقام تک ہم حسینؑ کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے پہنچے اور یہ جانا کہ حسینؑ کو اپنے مقدس مقصد کی تکمیل کی فکر تھی — حسینؑ کے پیش نظر ایک ہی بات کی فکر تھی اور وہ اسلام اور مسلمانوں کا مستقبل تھا اور ان کا مقصد اسلامی مقدسات کی بقا اور حفاظت تھا۔

زینبؑ کے قدم بقدم

یہاں سے ہم زینب کبریٰؑ کو قافلہ کا سربراہ پاتے ہیں کہ اس قافلے کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں جو مدینہ سے روانہ ہوا تھا اور اب کربلا سے مدینہ کی طرف روانہ ہو جائے گا۔

اس قافلے کی مدینہ سے کربلا تک حسین ابن علیؑ نے رہنمائی کی تھی اور اب یہ کربلا سے مدینہ تک زینب کبریٰؑ کی قیادت میں سفر کرے گا۔ ہم بھی اس قافلے کے ساتھ چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ زینبؑ اپنے بھائی کے مقصد کے لیے کہاں تک پیش قدمی کرتی ہے اور ظالم و ستمگر کی بنیادوں کو ڈھانے کے لیے کس طرح مقدمات فراہم کرتی ہے؟

ہم زینبؑ کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ وہ کس طرح اس دور کی دنیائے اسلام کو ہلا کر رکھ دیتی ہے اور دکھاتی ہے کہ ثروت کے نشے میں چور سیاہ افکار رکھنے والے افراد کو مسلمانوں پر حکومت کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

ہم زینبؑ کے ہمراہ سفر کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ زینبؑ نے کس طرح دنیائے اسلام کو سمجھایا ہے۔ اگر باغی اور منحرف افراد کے ہاتھ میں مسلمانوں کی قیادت رہی تو اسلامی مقدسات اور مسلمانوں کا استحکام دونوں ہی خطرہ میں رہیں گے۔

زینب کبریٰؑ اپنے عزیزوں کی لاشوں کے پاس سے گزرتی ہے۔ اگرچہ وہ انہیں برہنہ و بے کفن زمین پر پڑا ہوا دیکھتی ہے لیکن پھر بھی بڑے فخر اور انسانی عظمت کے ساتھ [illegible] کوفہ کی راہ پر چل پڑتی ہے۔

وہ جانتی ہے کہ زندگی کے نشیب و فراز میں بالآخر حق کے طرفداروں کی فتح ہے اور مظلوم شکست خوردہ ہی فاتح قرار پاتے ہیں۔

وہ جانتی ہے کہ ان پیکروں کو یوں ہی بے گور و کفن نہیں چھوڑ دیا جائے گا بلکہ ان کے مزاروں پر گنبد اور بارگاہ تعمیر کیے جائیں گے۔

اسے معلوم ہے کہ یہاں نہ صرف گنبد و بارگاہ کی تعمیر ہوگی بلکہ شہیدوں کی یہ قتل گاہ عدل کے طالب اور ستم رسیدہ اور عابدوں کی منزل مقصود بن جائے گی اور دنیا بھر سے حریت کے حامی، اولادِ نبی کے طرفدار اور خدا و رسولؐ کا احترام کرنے والے اس کی زیارت کے لیے آئیں گے۔

وہ اپنے بیمار بھتیجے سے کہتی ہے:

"عزیزم! زیادہ پریشان نہ ہو، رنجیدہ مت ہو،

مطمئن رہو —— یہ منظر اسی حالت میں نہیں رہے گا میرے بھتیجے —— ! میرے عزیز! میں نہ صرف اپنے ناناؐ کی احادیث اور باپ اور بھائی کے ارشادات اور ان کے مطالب سے واقف ہوں بلکہ دنیا کا راہ و رسم بھی ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ راہ خدا میں قتل ہونے والے شہید لوگوں کے دلوں میں جگہ پاتے ہیں اور آزادی و حریت کی راہ میں جانیں قربان کرنے والے انسانی دلوں میں زندہ رہتے ہیں۔"

"عزیز بھتیجے! بلاشبہ جب تم ایک روز اس بیابان سے گزرو گے تو دیکھو گے کہ دوستوں کی محبت کے سائے میں یہ صحرا ایک باوقار اور خوبصورت شہر میں تبدیل ہو چکا ہے اور کسی روز جب تم اس قتل گاہ پر سے گزرو گے تو دیکھو گے کہ وہ ایک باشکوہ بارگاہ کی صورت اختیار کر چکی ہے۔"

زینبؑ اپنے عزیزوں، بھائیوں، بھتیجوں اور بیٹوں کو خاک پر چھوڑ کر قیدی اور اسیر کی حیثیت سے کوفے کے راستے پر روانہ ہو جاتی ہے۔

دختران علیؑ نے کوفہ کو ہلا کر رکھ دیا

کوفہ کا دروازہ قریب آ گیا۔ تماشہ دیکھنے والوں کا ایک ہجوم نظر آ رہا ہے

گویا حکومت و عیش و نشاط کا ایک موقع میسر آگیا ہے۔

وہ کس قدر عیش و نشاط میں مصروف ہیں۔

جبکہ زینب کبریٰ کی سوچ کا انداز کچھ اس طرح ہے

"میں ان لوگوں کے دلوں کو کچھ اس طرح بیدار کروں گی کہ ہنسنے اور جشن منانے کی بجائے وہ رونے لگیں گے۔ ان کی روح کو اس طرح تڑپا دوں گی کہ وہ اس قدر جلدی سرور و نشاط و راہ و رسم میں نہ رہ سکیں گے۔ جب میں انہیں جھنجوڑ کر بیدار کر دوں گی تو وہ کہیں گے کہ انھوں نے ابن زیاد کی پیروی کر کے کس قدر حماقت کا ثبوت دیا ہے۔"

"یہ لوگ مادی زندگی۔ دولت اور ریاست بھی چاہتے ہیں، ظالموں کے چنگل سے آزادی کی بھی خواہش رکھتے ہیں؛ فرزند رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دعوت دے کر بلاتے بھی ہیں اور پھر حالات کو اس انتہا پر بھی پہنچا دیتے ہیں۔ میں اپنے بیان اور استدلال کے ذریعہ اس طرح انہیں متوجہ کروں گی کہ وہ اپنی قدر و قیمت اور ایمان و دین محسوس کر سکیں گے۔ میں ان کے دلوں میں یزید اور ابن زیاد کی حکومت کے خلاف جنگ کے بیج بو دوں گی۔"

"گو کہ میں ایک قیدی اور اسیر کی حیثیت سے اس شہر میں قدم رکھ رہی ہوں اور دوسروں کی نگرانی میں ہوں اس کے باوجود جو بھی فرصت مجھے میسر آئے گی میں اس سے استفادہ کروں گی۔"

جب قافلہ شہر میں داخل ہو گیا۔ زینبؑ نے دربار پہنچنے سے پہلے کوفی عورتوں کی صف سے فائدہ اٹھایا، اور تماشا کرنے والے ہجوم کو خطاب کرنے لگیں۔

لوگوں کو ایک آواز سنائی دی۔ انہیں ایسا محسوس ہوا جیسے خود علیؑ ان سے مخاطب ہوں ـــــ وہی لہجہ ـــــ اور ـــــ آواز کا وہی آہنگ۔ لوگوں کے کان علیؑ کی آواز سے بہت مانوس تھے ـــ سب متوجہ ہو گئے۔

"کیا یہ علیؑ ہیں جو خطاب کر رہے ہیں ـــــ؟"

اب لوگ رک گئے اور حیران ہو کر کہنے لگے،

کیا یہ علیؑ کی بیٹی ہے ـــــ؟

کیا یہ زینب کبریٰ، کوفہ کی ملکہ ہے ـــــ؟

کیا یہ زہراؑ کی بیٹی ہے؟ جو مردانہ منطق کے ساتھ یہ خطاب کر رہی ہے؟"

زینبؑ نے لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"کوفہ کے لوگو! مکر و حیلہ و مکر یاد رکھنے والو! اپنے حال پر گریہ کرو۔ تمہاری آنکھیں ہمیشہ روتی رہیں۔ تم نے اس مشہور بڑھیا کی مانند ایمان کا دھاگا کاتا تھا اور اسے مضبوط بنانے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے جاہلیت کی طرف لوٹ گئے تھے ـــــ؟ اس کے بعد بھی تم اس خیال میں ہو کہ تمہارا ایمان باقی ہے؟ کیا اس کے بعد تمہارے اندر کوئی فضیلت

باقی رہی ہے؟ تمھاری زندگی ٹھیک ان خودرو
پودوں کی طرح ہے جو غلاظت و کثافت میں
اُگتے ہیں ——— انھیں کچھ احساس ہے کہ
تم نے کیا کیا اور اپنی آخرت کے لیے اپنے آگے
تم نے کیا بھیجا ہے؟ تم نے غضب الٰہی کو دعوت
دی جس کے حکم سے تم ہمیشہ دوزخ میں جلوگے۔
تم رو رہے ہو۔ بے شک تمھیں رونا ہی چاہیے
اب تم خوشی کی روح کو کبھی نہ پا سکو گے۔ تم نے
فرزند رسولِ خاتم الانبیاء کی یادگار، جوانانِ اہل جنت
کے سردار کو قتل کر دیا؟
جس ہدایت کے چراغ اور راست کی پناہ گاہ کو شہید
کر دیا۔ وہ جماعت جس کے قائد و عمال اس قسم
کے ہوں وہ ہمیشہ سعادت سے دور رہے گی۔
ملتِ یہود کی طرح ہمیشہ کی بدبختی تمھارا مقدر بن
چکی ہے۔ تم جانتے ہو کہ کس طرح تم نے خدا کے پیغمبر
کے دل کو دکھ پہنچایا ہے اور کیسے پاکیزہ خون کو
تم نے بہایا ہے اور کیسی حرم محترم کو تم نے بے سر
بنایا ہے۔؟"

زینبؑ نے اس قدر مؤثر خطاب کیا کہ اہل کوفہ حیران ہو گئے اور نالہ و زاری کرنے لگے۔ زینب نے پورے کوفہ کو اس طرح بیدار کر دیا کہ حکومت کے خلاف ایک دور رس تحریک کی بنیاد پڑ گئی اور لوگ حسینؑ کے مقدس م

کے قریب ہو گئے۔ زینبؑ نے لوگوں کے دلوں اور ذہنوں کو اس طرح بیدار کر دیا کہ ایک خطرناک تحریک کی داغ بیل پڑ گئی جس نے اس کے چھ ماہ بعد ہی کام شروع کر دیا۔ (توابین کی تحریک)

ایک شخص کا بیان ہے کہ کوئی بوڑھا شخص اس کے پاس کھڑا تمام تر ہوش و حواس کے ساتھ زینبؑ کی طرف متوجہ ہو کر تقریر سن رہا تھا۔ وہ اچانک زار و قطار رونے لگا اور کہنے لگا:

"میرے ماں باپ تمھارے خاندان پر قربان ہوں،
تمھارے بوڑھے، تمھارے جوان، تمھاری خواتین
تمھارے مرد سب پر شرف رکھتے ہیں اور سب
سے بہتر ہیں۔"

زینبؑ بات ختم کر چکی تھیں۔ حکومت اب تک ان سوالات سے خاموش بیٹھی تھی اور لوگوں کو منتشر کر سکتی تھی۔ جب ام کلثوم نے اپنی بہن سے سلسلۂ سخن ہاتھ میں لیتے ہوئے لوگوں سے خطاب کرنا شروع کر دیا۔ کوفیوں اور حکومت کو کوفیوں کے تعلق سے خوب رسوا کیا۔

امام سجاد علی بن الحسینؑ نے بھی اپنی کمزوری اور علالت کے باوجود بحث کو آگے بڑھایا۔ اپنے تعارف کے بعد ابن زیاد کی حکومت کے جرائم کو یکے بعد دیگرے گنوانے کے بعد فرمایا:

"تم لوگوں کو شرم نہیں آتی؟ کل تم کس منہ سے
پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سامنا کرو گے۔
رسولؐ کے فرزند کو دعوت دے کر بلاتے ہو اور
پھر اس کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو؟"

نہ ملا۔ تم اور یزید نے مل کر ان کے دوستوں اور
اصحاب کے ساتھ شہید کر دیئے ہو اور ان کے بیوی بچے
کو قیدی بنا کر اس طرح سے لیجا رہے ہیں ان کا [illegible]
کرتے ہو۔ [illegible]"

اس مسلسل کی جانے والی تقریروں نے جو ایک نیا اور موثر(?) انداز کلام رکھتی تھیں اس طرح کوفہ کو متاثر کر دیا کہ گریہ و زاری کے بعد لوگوں نے کچھ کچھ آوازیں بلند کرنی شروع کر دیں اور حکومت کے خلاف کچھ باتیں بھی کیں پھر علی ابن حسینؑ کو انھوں نے پیشکش بھی کی:

"ہم آپ کے حکم کی اطاعت کرنے اور آپ کے دشمنوں
سے جنگ کرنے کے لیے حاضر ہیں۔"

اس پر امام سجادؑ نے کہا،

"تم نے ابھی ابھی میرے باپ کے ساتھ کیے جانے
والے تمہارے حیلہ و مکر کو دیکھا ہے۔ تمہاری
مہمان نوازی اور بے وفائی میری آنکھوں کے سامنے ہے
اس کے باوجود تم ایک دوسرا شیطانی نقشہ کھینچ رہے
ہو۔ اگر تم سچے ہو تو ہماری اس بربادی میں حصہ
دار اور نہ ہمارے خلاف کوئی بات کہہ کر ہمیں نقصان
پہنچاؤ۔ ہم تم سے یہ نہیں چاہتے کہ تم ہمارے معاون بن
کوئی کام کرو اور ہماری طرفداری کرو۔"

(مجھے تمہاری طرف سے کسی بھلائی کی امید نہیں کم از کم نقصان
تو نہ پہنچاؤ۔)

لوگ ابھی کوفہ میں [illegible] موجود تھے اور [illegible] دیکھیں کہ کربلا کے اسیر اپنے [illegible] کے متعلق [illegible] تو خواہ یہ معاملہ [illegible] اس سے بے خبر [illegible] حکومت کے خلاف [illegible] زیادہ [illegible] ہو سکتی ہے۔ [illegible] ضروری ہے کہ لوگوں کی توجہ [illegible] ہٹا دیا جائے اور کسی اور طرف پھیر دی جائے [illegible] کو شکست دی جا سکے۔

چنانچہ شہیدوں کے سروں کو نیزوں پر اٹھا کر اسیروں کے [illegible] تاکہ لوگ اس تماشے میں مصروف ہو جائیں اور اسیروں کو [illegible] دیا جائے۔

ابن زیاد کے اس [illegible] تدبیر کی [illegible] ایک ساعت [illegible] میں [illegible] کے سر نیزوں پر اٹھائے اسیروں کے قافلے کے ساتھ [illegible] سب کے [illegible] امام حسینؑ کا مقدس سر تھا جس کی طرف لوگ [illegible] متوجہ تھے۔ اس لوگوں کا ذہن [illegible] بدل گیا۔

لوگ ایک دوسرے کو ان سروں کی جانب توجہ دلاتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ
"یہ کس کس کے سر ہیں؟!"

اس طرح قیدیوں کے اس قافلے کو قصر دار الامارہ(?) تک پہنچایا گیا۔

دوسرا موقع

ابن زیاد کی مجلس پوری طرح آراستہ تھی۔ سرکاری حکام سب موجود تھے۔ سردار اور لشکر کے کمانڈر جو کربلا سے واپس آئے تھے تمام حاضر تھے۔ تقریباً دربار عام [illegible] دیا گیا تھا تاکہ دوسرے طبقات کے لوگ بھی شرکت کر سکیں۔ حسینؑ کے مقدس سر کو ابن زیاد نے اپنے سامنے رکھا تھا۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

ہو گئے۔

[illegible]

[illegible]

ہیں اور سب ان کے اطراف جمع ہیں؟

لوگوں نے بتایا:

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کے بارے میں کیسا پایا۔"

زینب نے جواب دیا:

"میں نے خدا سے نیکی کے سوا کچھ نہیں دیکھا ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

کا اظہار کریں گے۔ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

زینبؓ! تجھے حسینؓ اور اس کے ساتھیوں کے قتل

ہونے سے بڑی مسرت اور خوشی حاصل ہوئی؟"

[illegible]

زینبؓ نے کہا:

"ستم پیشہ لوگ ظلم اور اپنے جرم سے لذت حاصل

کرتے ہیں۔ تو نے ہمارے بھائی، میرے بھتیجوں اور
سب مجاہدوں کو قتل کیا اور تو نے میری زندگی کے
بیشتروں کو کاٹ دیا اور تو نے میری زندگی کی بنیاد کو
اکھاڑ دیا اور اپنی لذت حاصل کی اور اسے بیان کر
کے بھی تو لذت حاصل کرتا ہے۔ ٹھیک ہے اگر تیری
کیفیت و لذت ان ہی کاموں سے ہے جو تو انجام دیتا
ہے تو یہ تو ہے اور یہ تیرے کام اب تو اور کیا کہتا
ہے ۔۔۔؟"

ابن زیاد جناب زینبؑ کے کلمات کی خوبصورتی سے بہت متاثر ہوا اور کسی قدر بات بناتے ہوئے اس نے بات کا رخ پھیرا اور کہنے لگا:

"زینبؑ اپنے باپ کی طرح خطابت کی دھنی ہے اور
مسجع و مقفیٰ زبان میں بات کرتی ہے۔"

زینبؑ نے کہا،

"عورتوں کو سخن پردازی سے کیا سروکار؟"

گفتگو یہاں ختم ہوئی ابن زیاد نے حقیقت سے جانے کی کوشش کی۔

اس کے بعد ابن زیاد نے امام سجادؑ کی طرف رخ کر کے کہا:

"یہ کون ہے؟"

لوگوں نے بتایا:

"یہ علی ابن الحسینؑ ہیں۔"

ابن زیاد نے کہا:

"مجھے تو بتایا گیا تھا کہ علی ابن الحسین کو خدا نے کربلا میں

ہلاک کر دیا۔"

امام سجادؑ نے فرمایا:

"بے شک میرا ایک بھائی تھا۔ اس کا نام بھی علی ہے
تیرے لشکریوں نے اسے قتل کر دیا۔"

ابن زیاد نے کہا،

"نہیں اسے تو خدا نے ہلاک کیا۔"

امام سجادؑ نے قرآن کی ایک آیت شریفہ تلاوت فرمائی جو اس کے لیے ایک دندان شکن جواب تھا۔ آپ نے اس آیت کی قرأت فرمائی

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ
لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ
قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ ۔۔۔ الخ

(سورۂ زمر، آیت ۴۲)

ابن زیاد نے ناراض ہو کر بلند آواز سے کہا:

"تم خوب جرأت رکھتے ہو، میرے ساتھ حجت
کرتے ہو؟"

اور پھر چلا کر کہا:

"اسے لے جاؤ اور اس کی گردن مار دو ۔۔۔"

زینب کبریٰؑ نے جب یہ صورت حال دیکھی تو وہ علی بن الحسینؑ کے پاس پہنچ گئیں اور ان کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر کہا،

"ابن زیاد! تجھے شرم نہیں آتی ہمارے ایک
فرد کو بھی زندہ نہیں رہنے دیا، یہ ناممکن ہے کہ میں

"مجھے اپنے بھائی کے فرزند کو قتل کرنے دوں۔ اگر چاہے
تو مجھے قتل کر دے کہ اس کے بعد تیرا جی چاہے کر۔"

ابن زیاد نے بڑے تعجب سے اس منظر کو دیکھا اور یہ محسوس کر کے کہ زینبؑ اپنی اس بات میں بہت سنجیدہ ہے اور قتل ہونے کے لیے تیار ہے۔ مجبوراً اس نے اپنا خیال بدل دیا۔

ابن زیاد نے کہا:

"درست ہے قرابت کا رشتہ کتنا مضبوط اور ناقابلِ
شکست ہے۔"

علی ابن الحسینؑ نے کہا:

"پھوپھی جان زینبؑ، آپ پرسکون رہیں اور بات نہ
کریں، میں خود اس سے بات کرتا ہوں۔"

اور چند قدم آگے جا کر کہا:

"ابن زیاد! تو مجھے قتل کی دھمکی دیتا ہے، کیا نہیں
جانتا کہ قتل ہونا ہماری عادت اور شہادت ہماری
فضیلت ہے ......"

ابن زیاد نے جب دیکھا کہ اس گفتگو سے اسے نقصان پہنچ رہا ہے تو پھر وہ خاموش ہو گیا اور کوئی جواب نہ دیا۔

شاید اسی موقع پر ابن زیاد، حسینؑ کے مقدس سر کی جانب متوجہ ہوا تھا اور اپنی چھڑی سے آپ کے لب اور دندانِ مبارک کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بے ہودہ اور متکبرانہ باتیں کی تھیں اور اسی وقت اچانک ایک جانب سے ایک بزرگ اور باوقار شخص نے گرج کر کہا:

"ابن زیاد! اپنی چھڑی کو ہٹا لے۔ خدا کی قسم میں نے
کتنی ہی بار اپنی آنکھوں سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کو دیکھا کہ وہ ان معصوم ہونٹوں کو چومتے
تھے۔"

اس کے ساتھ ہی وہ بزرگ زار و قطار رونے لگے اور سب ان کی جانب متوجہ ہو گئے۔

ابن زیاد نے جو صورت حال کو اپنے خلاف دیکھا اور سوچا کہ اگر اور زیادہ بات بڑھ گئی تو زید بن ارقمؓ کو جو شہرت حاصل ہے اس کا نتیجہ ہمارے نقصان اور رسوائی پر منتج ہوگا۔ لہٰذا اس نے للکار کر کہا

"زید گریہ نہ کرو، تم بوڑھے ہو گئے ہو اور تمہاری
عقل کم ہو گئی ہے۔ کیا تم اس فتح پر رو رہے ہو
جو خدا نے ہمیں عطا کی ہے؟ اگر تم اس قدر بوڑھے
نہ ہوتے تو میں ابھی حکم دیتا کہ تمہاری گردن مار
دی جائے۔"

بس یہ زید بن ارقمؓ صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا جو اٹھ کر مجلس سے باہر آ گئے اور اونچی آواز سے کہنے لگے:

"اے ملتِ عرب! اس کے بعد تم قیدی اور غلام
بن کر رہو گے کہ تم نے فاطمہؑ کے بیٹےؑ کو قتل کرتے
دیکھا اور ابن مرجانہ کو حاکم اور گورنر بنا لیا ہے تاکہ تمہارے
نیک لوگوں کو قتل کرے اور اوباشوں کو تم
پر مسلط کرے ...... اے عرب کے باشندو!"

تم نے خود کو ذلت اور بدبختی کے حوالے کر دیا ہے
اور اس حالت پر راضی ہو کر بیٹھ گئے ہو۔ وہ
جماعت سعادت اور خوش نصیبی سے دور ہو جائے
جو اس ذلیل کے کام انجام دے اور اس ظالم حکمراں
سے راضی رہے۔"

مجرم کا اعتراف

جلسہ ختم ہو گیا۔ حکم دیا گیا کہ ان قیدیوں کو مسجد اعظم کے نزدیک ایک مکان میں ٹھہرا دیا جائے تاکہ صورت حال کی مرکز کو اطلاع دے کر تازہ ہدایات حاصل کی جا سکیں۔

جلسہ تو ختم ہو گیا لیکن ابن زیاد کے چہرے سے صاف ظاہر محسوس ہو رہا تھا کہ جو کچھ پیش آیا وہ اس سے مطمئن نہیں ہے۔

ابن زیاد نے خلوت میں ایک خصوصی مجلس طلب کی۔ اس مجلس میں چند خاص افراد اور مشیروں کے علاوہ عمر سعد بھی موجود تھا جسے کربلا کی فتح کا اصل ذمہ دار سمجھا جاتا تھا اور اس کی عقل و تدبیر ہی سے ابن زیاد کو یہ فتح حاصل ہوئی تھی۔

ابن زیاد نے عمر سعد کو مخاطب کر کے کربلا روانگی کے وقت لکھے گئے اپنے اس خط کی واپسی کا مطالبہ کیا جس میں اس نے حسینؑ کو قتل کرنے کی ہدایت تحریر کی تھی۔

ابن سعد نے معذرت طلب کرتے ہوئے کہا:

"آپ کے خط کے ذریعہ آپ کا حکم معلوم کرنے

کے بعد اس خط کی جانب میری توجہ باقی نہیں رہی تھی۔ میں نے آپ کے حکم کو بالآخر نافذ کر دیا اور اس گیر و دار میں وہ خط کہیں ضائع ہو گیا۔"

(خط ضائع)

ابن زیاد کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور اس نے کہا:

"تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ ایک خط جسے فرمان اور سرکاری دستاویز کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی حفاظت نہیں کی گئی اور وہ ضائع ہو گیا۔ مجھے یقین ہے کہ تم نے کسی خاص مقصد کی خاطر اسے اپنے پاس محفوظ رکھا ہے اور تم چاہتے ہو کہ سارا گناہ میری گردن پر رکھو تاکہ کل جب بڑی بوڑھی عورتیں بھی کہیں تو وہ یہی کہیں کہ تم بالکل بے قصور تھے اور میں ہی مجرم اور قصور وار ہوں۔ بہرحال تمہارے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ تم وہ خط مجھے واپس کر دو۔"

یہ سن کر ابن سعد سخت ناراض ہوا اور اس نے کہا:

"اے ابن زیاد! میں نے تمہیں نصیحت کی۔ خدا کی قسم۔ اگر تمہاری جگہ میرا باپ بھی ہوتا تو میں اس نصیحت کا حق ادا کیے بغیر نہ رہتا لیکن تم نے خود میری نصیحت پر کان نہ دھرا۔ اس میں میرا کیا قصور ہے؟ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تو بس

سارے وقت سے خوش نہیں ہے۔ جب ہی تو اس طرح کی باتیں کر رہا ہے۔"

[illegible] سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "میں بغیر کسی تمہید کے تجھ سے کہتا ہوں کہ میدان جنگ سے واپس ہونے والا مجھ سے زیادہ کوئی شخص بدبخت نہیں ہے۔ میں نے تیری اطاعت کی۔ تیرا فرمان بجا لایا۔ لیکن میں نے رب العالمین کی نافرمانی کی اور کربلا کے اس واقعہ کے رونما ہونے کا سبب بنا۔ اب جبکہ تیر کمان سے نکل چکا ہے کوئی دوسرا راستہ باقی نہیں رہا ہے۔"

ابن زیاد کے ایک بھائی عثمان نے جو اس میٹنگ میں موجود تھا کہا —

"بلاشبہ ابن سعد درست کہتا ہے۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ میں حسینؑ کے قتل کو پسند نہیں کرتا تھا۔ خواہ زیاد کے بیٹے قیامت تک دوسروں کے چنگل میں گرفتار رہتے۔ میرے بھائی عبیداللہ، اس نے تجھے نصیحت کی تھی لیکن تو نے خود اس کی نصیحت ٹھکرا دی اور اس بڑے اور سنگین جرم کا تو مرتکب ہوا۔"

خدا چاہے تو دشمن بھی خیر بن جاتا ہے

[illegible] بڑے حیران تھے۔ اب معلوم ہو رہا تھا کہ وہ سب عقل و شعور سے محروم ہو چکے ہیں ابن زیاد کا [illegible] ——— زینبؑ ——— ام کلثومؑ ——— اور ——— علی بن حسینؑ کی [illegible] ہو رہے تھے۔

[illegible] کو درست قرار دے رہے تھے:

"ہم نے خود کو ابن زیاد کا غلام اور قیدی بنا لیا ہے ——— کیسا [illegible] یہ کیسا بڑا گناہ تھا ——— [illegible] تھا جو رونما ہوا ——— ؟ ہم کیسے لوگ ہیں ——— ؟ ہم نے خود حسینؑ کو دعوت دی ——— ہم نے خود آپ کے نمائندے مسلمؑ کے ہاتھ پر بیعت کی ——— اور پھر ہم ابن زیاد [illegible] ——— تو خود کربلا گئے۔ اب ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ [illegible] صاحب جنت علیؑ نے ہمارے بارے میں بالکل درست کہا کہ ہم نے ایمان کے دھاگے کو کاٹا اور پھر ہم

ہی نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیے۔"

یہ اور ایسے ہی دوسرے واقعات تمام ہی لوگوں کے دلوں میں تازہ تھے اور زبانوں سے بھی ان کا تذکرہ ہو رہا تھا۔

ابن زیاد نے اپنے تسلط کو مضبوط بنانے اور اس قسم کی مخالفت کا سدباب کرنے اور مخالفانہ پروپیگنڈہ کو بے اثر بنانے کے لیے لوگوں کو مسجد میں ضروری باتیں سنانے کے بہانے طلب کیا۔

دوسرے دن لوگ —— وہی لوگ —— وہی لوگ جنہوں نے گزشتہ دور میں بدعتوں کی پرواہ نہیں کی تھی —— وہی لوگ جنہوں نے کربلا کے علاقے میں جو کچھ پیش آیا سے دیکھا اور سنا تھا —— وہی لوگ ایک بار پھر مسجد میں جمع ہو گئے۔

مسجد لوگوں سے بھر گئی۔ ابن زیاد اپنے خاص محافظ دستے کے ساتھ جو پولیس کے حکام، فوج کے کمانڈروں اور کچھ دوسری نمایاں شخصیتوں پر مشتمل تھا، مسجد میں داخل ہوا۔

ابن زیاد منبر پر گیا۔ حمد و ثنا کے بعد اس نے معاویہ اور اس کے بیٹے یزید کی تعریف کی اور کہا:

"خدا کا شکر ہے کہ جس نے حق اور اہل حق کو آشکار کر دیا اور امیر المومنین یزید کو فتح اور اس کے دوستوں کو نصرت عطا فرمائی"

پھر ابن زیاد نے سید الشہداء کی توہین کرتے ہوئے اپنے اس فقرے کا اضافہ کیا:

"خدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹے کو اور جھوٹے کے فرزند کو ہلاک کر دیا۔"

ایک نابینا کی جرأت

ابھی اس کا یہ فقرہ مکمل نہیں ہوا تھا کہ ایک مرد آزاد مسجد کے ایک کونے سے اٹھا اور ابن زیاد کی بات کاٹتے ہوئے اس نے کہا:

"اے ابن مرجانہ! شرم کر اور حیا کر۔ جھوٹے —— تو جھوٹا ہے اور تیرا باپ جھوٹا ہے اور وہ شخص جھوٹا ہے جس نے تجھے یہاں بھیجا اور تجھے حکومت دی —— اے خدا کے دشمن! خدا سے ڈر اور احتراز کر —— پیغمبر کے فرزندوں کو تو قتل کرتا ہے اور پھر مسجد کے منبر پر یہ ساری غلط بیانیاں کرتا ہے۔ تجھے اس بات کا حق حاصل نہیں ہے کہ تو فرزندان پیغمبر کے بارے میں اس طرح کی جسارتیں کرے۔"

ابن زیاد سخت حیران ہوا، یہ کون ہے جو اس قدر جری ہے اور میرے خاندان کی حکومت کی مخالفت کی ہمت رکھتا ہے۔ تھوڑی دیر اس نے صبر کیا اور دیکھا کہ یہ شخص اپنی تنقید جاری رکھے ہوئے ہے۔

تو سخت جھنجلا کر چلایا:

"یہ کون ہے جو بکواس کر رہا ہے اسے گرفتار کرو۔"

عبداللہ بن عفیف کندی نے خود جواب دیا:

"یہ میں ہوں جو تجھ سے مخاطب ہوں اے دشمن خدا تو خود کو مسلمان سمجھتا ہے؟ اور ایمان دار

خیال کرتا ہے ——؟ تو اس خاندان کی شان
میں جسارت کرتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن
میں تعریف کی ہے اور ان کی پاکیزگی کا ذکر کرتے
ہوئے ان کے بارے میں آیۂ تطہیر نازل کی۔"

یہ کہہ کر عبداللہ بن عفیف نے نعرہ بلند کی:

"واخوتاہ! کہاں گئے مہاجر و انصار کے فرزند؟
تاکہ اس باغی اور ستمگر سے جس پر خدا اور رسولؐ
نے لعنت بھیجی ہے انتقام لیں۔"

عبداللہ بن عفیف نے یہی نہیں [illegible] سے تمام لوگوں کو اپنی جانب متوجہ کر لیا اور ابن زیاد کی توقع کے برعکس مجلس کو خاندان پیغمبرؐ کے حق میں کر دیا۔

ابن زیاد سخت برہم ہوا اور پولیس کو حکم دیا:

"اس شخص کو گرفتار کر کے میرے سامنے لاؤ میں
ہی اس کے کیے کی سزا دیتا ہوں۔"

یہ حکم سنتے ہی مامورین نے حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن عفیف کے فرزند اور قبیلہ ازد کے جوانوں نے مداخلت کی اور گرفتار کرنے سے پہلے ان کو نکال کر مسجد سے باہر لے گئے۔

عبداللہ بن عفیف ازدی علیؑ کے خاص اور وفادار دوستوں میں سے تھا۔ اس نے اسلام کی راہ میں جہاد کیا تھا۔ وہ جنگ صفین میں اپنی دائیں آنکھ سے اور جنگ جمل میں علیؑ کے ہمرکاب لڑتے ہوئے بائیں آنکھ سے محروم ہو گیا تھا۔ اور دونوں آنکھوں سے محروم ہونے اور شہادت علیؑ کے بعد میدان سیاست

سے دستبردار ہو کر اپنا زیادہ وقت کوفہ کی مسجد اعظم میں عبادت میں اور دینی تعلیمات میں مصروف رہتا تھا۔

ابن زیاد نے جب یہ دیکھا کہ مسجد اعظم میں ایک ایسا غیر متوقع واقعہ پیش آ گیا اور اس نے جو خوشیاں طلب کی تھیں اس کا سارا مزہ خاندان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچ گیا اور مسجد میں جمع ہونے والے لوگوں کے قلوب اور ان کے ذہن فرزند رسولؐ اور شہدائے کربلا کی جانب متوجہ ہو گئے تو اس نے ہر چہ بادا باد کی سیاست کو سختی سے نافذ کرنا شروع کر دیا اور حکم دیا:

"اس نابینا کو گرفتار کر کے ہر قیمت پر میرے حوالے
کیا جائے اس نے آج تیز و تند باتیں کر کے بڑی
جسارت کی۔ ہم نے اس کی عمر اور قبیلہ کا بڑا لحاظ کیا
لیکن وہ اور زیادہ جسری ہو کر تیز و تند باتیں
کرتا رہا۔"

عبداللہ کو گرفتار کرنے کے لیے جو سرکاری فوج کا دستہ حرکت میں آیا تو اسے عبداللہ کے قبیلے کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا اور دونوں کے درمیان جھڑپیں ہوئیں جس کے نتیجے میں چند لوگ ہلاک ہو گئے۔

آخر کار ابن زیاد کے آدمیوں نے اس کے گھر کا دروازہ توڑ دیا اور اندر گھس گئے جبکہ عبداللہ نے اپنی کوئی بیٹی کے ہاتھ سے تلوار [illegible]

۔ آپ دیکھیے ایک ڈکٹیٹر کس قدر جبر پسند ہوتا ہے کہ سرکاری قوت کو ایک نابینا کو گرفتار کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے اور کس ظالمانہ طریقے سے گرفتار کر کے قتل کر دیتا ہے۔ وہ پھر بھی ان کارروائیوں کو اسلام اور حکومت اسلامی کی طرفداری قرار دیتا ہے۔

نے کہا سے ... کر دیا اور تب ان ... سے باہر نکلا تو اسے گرفتار کر کے گورنر ہاؤس پہنچا دیا گیا۔

ابن زیاد نے عبداللہ کی طرف رخ کر کے کہا:

"خدا کا شکر ہے کہ تو ذلیل ہوا اور پکڑا گیا۔"

عبداللہ نے جواب دیا:

"میں کیوں ذلیل ہوا؟ خدا کی قسم اگر میری آنکھیں ہوتیں تو میں ابھی تجھے بتاتا کہ میں ذلیل ہوا ہوں یا نہیں۔"

ابن زیاد نے یہ بات اچھی طرح سمجھ لی تھی کہ عبداللہ کی گرفتاری، اس تقریر کی بنا پر جو اس نے مسجد میں کی تھی پروپیگنڈے کے اعتبار سے اس کے حق میں خسارے کی بات ہوگی اور ہمدردی اس کے مخالف قبیلوں کے دلوں کو بھی متاثر کر دے گی۔ ابن زیاد یہ چاہتا تھا کہ ایک عمدہ منصوبے کے تحت اور موثر پروپیگنڈے کے ذریعے عبداللہ کی باتوں کے اثرات کو زائل کر دے۔ اس مقصد کے لیے اس نے ایک ایسا منصوبہ بنایا کہ عبداللہ عفیف کا قتل عدل، صداقت اور صحیح وجوہ کی صورت میں لوگوں کے سامنے آئے۔

اب اس نے عبداللہ کی طرف رخ کر کے کہا:

"اے ابن عفیف! عثمان کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟"

عبداللہ نے اس کی توقع کے خلاف پوری جرأت کے ساتھ جواب دیا:

"اے عبد بنی علاج! اے ابن مرجانہ! تجھے اس سے کیا غرض کہ عثمان اچھا تھا یا برا تھا۔ اس نے

اچھا کیا یا برا کیا، تو ... اللہ تعالیٰ اس کے اور اپنے بندوں کے درمیان عدل کے مطابق معاملہ کرے گا۔"

عبداللہ نے تو یہی بات پر کھیل چکا تھا اور اب کسی مدد کی ضرورت نہیں تھی ابن زیاد کی طرف سے دوسرا سوال کیے جانے سے پہلے ہی اس نے اسے مشکل میں ڈال دیا:

"ابن مرجانہ! اگر تو سچ کہتا ہے تو مجھ سے یہ پوچھ کہ میں تیرے اور تیرے باپ کے بارے میں اور یزید اور اس کے باپ کے بارے میں کیا خیال رکھتا ہوں؟ تاکہ میں ان حقائق کا ذکر کروں جنہیں زبان پر لانے کی اجازت نہیں۔"

ابن زیاد نے جان لیا کہ عبداللہ کن باتوں کی طرف جانا چاہتا ہے اور یہ باتیں اس کی اور اس کے خاندان کی رسوائی کا سبب بن سکتی ہیں۔ اس نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ اس بات کو منقطع کرتے ہوئے کہا:

"عبداللہ! میں اب تجھ سے کوئی بات نہیں کرنا چاہتا اب تو اپنی موت کا مزا چکھ۔"

اس پر عبداللہ نے اس قدر بلند آواز سے ... کہا کہ تمام اہل مجلس نے اسے سن لیا:

"اے اللہ تیرا شکر ہے، ابن زیاد! میں نے تیرے اس دنیا میں قدم رکھنے سے پہلے اپنے خدا سے دعا کی تھی کہ دین کی راہ میں شہادت مجھے نصیب فرمائے

اور یہ کہ میں شقی ترین لوگوں کے ہاتھ مارا جاؤں۔
میں نے گزشتہ جنگوں میں شرکت کی لیکن مجھے
شہادت نصیب نہ ہوئی جب سے میری دونوں
آنکھیں جاتی رہی ہیں تو میں شہادت سے مایوس ہو
گیا تھا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر
عنایت فرمائی اور میری دعا قبول فرمائی اور میں
تیرے ہاتھوں جام شہادت نوش کروں گا۔"

ابن زیاد نے مسلسل پیش آنے والے ایسے واقعات کے بعد جب عبد اللہ بن عفیف کی باتوں کو سنا تو وہ مغلوب الغضب ہو گیا اور اسے خود پر ہوش نہیں رہا۔ (ایک اور گناہ پچھلے گناہ کو زائل نہیں کرتا) اور اس نے بڑی خشونت کے ساتھ حکم دیا کہ اسے مار دو اور اس کی گردن اڑا دو۔ سپاہی عبداللہ کو لے گئے اور اسے شہید کر دیا۔

لمحۂ فکریہ

محترم قارئین آپ خود سوچیے اور دیکھیے۔ ابا عبداللہ الحسینؑ کا اندازہ کس قدر درست تھا۔ وہ اپنے بیوی بچوں کو کیوں میدان کربلا میں لے کر گئے تھے اور ان تمام نصیحتوں اور مشوروں کی کوئی پرواہ نہیں کی۔

حسینؑ اس لیے بیوی بچوں کو اپنے ساتھ لائے تھے کہ میدان جنگ میں شکست و شہادت کے بعد بھی کامیابی کی راہ کھلی رہے۔ تا کہ آپ کے اہل و عیال اور یہی قیدی اس موقع سے استفادہ کرتے ہوئے آپ کی شہادت کے بعد لوگوں کے سامنے حقائق کو پیش کریں اور ایک عوامی تحریک پیدا کر دیں۔

یہی ممکن تھا کہ وہ یہی سب اپنے حسابات اور مفادات کے ذریعہ کبھی ایسی حرکت پیدا کریں کہ جس قدر ممکن ہو روکنے کی کوشش کی جائے اور زیادہ مفسدہ ہو اور وہ زیادہ خطرناک حد تک چلی جائے۔

یزید کی ظالم و استبدادی بنیاد کو ڈھانے کے لیے اور لوگوں کو ایک حقیقی اسلامی حکومت سے آشنا کرنے کے لیے اس کے سوا اور کوئی راہ نہیں ہے کہ بیوی بچوں کو بھی ساتھ لے جایا جائے۔

اگر ہم کامیاب ہوئے تو کیا کہنے لیکن اگر ہم شکست کھا جائیں تو بیوی بچوں کی گفتگو اور بیان بہت سے لوگوں کے دلوں میں بیداری پیدا کرے گی۔ ہو سکتا ہے کہ ظالم حکومت کی بنیادیں لرزنے لگیں۔ اور ہو سکتا ہے اسلامی حکومت کے لیے جد و جہد آگے بڑھ سکے۔

اگر اس کے نتیجے میں عوام پیچھے ہٹ گئے اور مسلمان معاشرہ اسی طرح ظلم و ستم کا شکار ہو گا اور مقدس نبی کی اولاد کی سربراہی انسانی معاشرہ سے محروم ہو گئے تو انھیں قوت حاصل ہوتی چلی جائے گی اور حقیقی اسلامی حکومت وجود میں آجائے گی۔

آل عصمت کے قیدیوں کے خطبات جس قدر موثر اور حقائق کی تشریح کرنے والے تھے۔ پھر یزید کی گفتگو، اس کے بعد عبداللہ بن عفیف کا واقعہ سب یزید اور اس کی حکومت کو متزلزل کرنے کا سبب بنے۔

اسیران کربلا نے یزید اور ابن زیاد کی حکومت کے خلاف ان تبلیغات سے بھرپور فائدہ اٹھانا شروع کیا۔ ابن زیاد اور ابن سعد کے درمیان جو تلخ باتیں ہوئیں جو وصیت ہوئی اس سے بھی ہوتا ہے کہ عمر سعد کی وصیت کا خط اور اس نے خود ابن زیاد کے طرفداروں پر ... تھا۔ دوسرے ... ہیں جو گئے یہ واقعہ

ہوں گے۔ بس کچھ حسینؑ کے بیوی بچوں کے آپ کے ساتھ کر دینے کی وجہ سے پیش آسکا۔

اب ہم کوفہ کو خیرباد کہہ کر قافلہ حسینی کے پیچھے پیچھے اور اس کے اصل رخ کی جانب بڑھتے ہوئے شام کا رخ کرتے ہیں۔

اگر آپ بھی ہمارا ساتھ دیں تو بسم اللہ!

یزید سے ہدایت طلبی

ابن زیاد نے واقعہ کی تفصیلات یزید کو لکھیں اور اسیروں کے بارے میں اس کی ہدایت طلب کی اور ایک خط کے ذریعہ مدینہ کے گورنر کو بھی اس نے حالات سے مطلع کیا۔

شام کی جانب سے جواب دو تین دن کے بعد حکم دیا گیا کہ قیدیوں کو اسی طرح مقتولوں کے سروں کے ساتھ شام روانہ کرو۔

لیکن مدینہ میں اس حادثہ کا ایک دوسرا ہی ردعمل ہوا۔ قریش کے محلے اور خاندان پیغمبر علیہ السلام کے گھروں سے اس طرح گریہ وزاری کی آوازیں بلند ہوئیں کہ وہ پورے شہر پر اثرانداز ہوگئیں اور ہر شخص شہادت حسینؑ کی خبر سن کر اس کے ذمہ داروں پر لعنت اور نفرین بھیجتا اور یزید کی حکومت کو برا کہتا۔ اور نفرت آمیز نگاہوں سے دیکھتا تھا۔

ایک مسجد میں بزرگوں کی ایک جماعت تشریف رکھتی تھی ان میں سے ایک نے عبداللہ بن جعفر کی طرف رخ کر کے کہا۔

"میں تمہیں تسلی دیتا ہوں میں نے سنا ہے کہ
تمہارے بیٹے بھی وہاں شہید ہو گئے۔ ان مصیبت

کہ آپ حسینؑ کی آنکھوں سے دیکھیں۔"

عبداللہ حضرت نے بلا وسوسہ کر کہنے خلیفے میں آئے اور کہنے والے کو لاجواب کرتے ہوئے کہا۔

"میرے لیے یہ بات باعث افتخار ہے کہ میرے
بھی میرے بچے تو حسینؑ کے ہمرکاب تھے اور وہ
ان کی حمایت کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ خدا کی
قسم! اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ معاملہ اس حد تک پہنچ
جائے گا تو میں بھی ضرور حسینؑ کے ساتھ جاتا۔"

صرف عبداللہ جعفری ہی نہیں شاید کسی کو بھی یہ خیال نہیں تھا کہ یہ معاملہ اتنا بے جرم اور ظلم کو اس انتہا تک پہنچا دے گی۔ ہر شخص یہی سوچتا تھا کہ یہ معاملہ سنگین اور خطرناک ہے لیکن کسی کو گمان بھی نہیں تھا کہ وہ اس حد تک جا پہنچے گا۔

ابن زیاد کے حکم سے قافلے کو کوفہ سے شام کی جانب روانہ کر دیا گیا۔ اس قافلے کو شام تک لے جانے کے لیے جس شخص کو ذمہ دار بنایا تھا وہ سب سے سخت اور تند مزاج تھا اور یہی اس کی خوبی تھی وہ شہیدوں کے سروں پر مامور افسر سے کچھ کم نہ تھا۔ اس فوجی اور تند مزاجی کا یہ ثبوت ہے کہ علی ابن حسینؑ جو دونوں ہاتھ باندھے ہوئے جاتے تھے۔ سارے راستے میں انھوں نے ان افسروں سے ایک بات بھی نہیں کی۔

دربار شاہی اس قافلے کا منتظر تھا کیونکہ یہ یزید کی فتح و کامرانی کی علامت نظر آرہا تھا۔ دربار کو حکومت نے مخصوص عیش و عشرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ سب سپاہی کو ملک وال قرار دے کر علیہ دربار شاہی کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے تھے۔ مگر اس وقت کوئی عقل بھی شہر میں داخل ہوتا تو سب سے پہلے احساس ہوتا کہ

گویا وہاں کوئی جشن تھا، بہار، باجے اور عید کا سا سماں ہے۔
یہ انتظار اس وقت ختم ہوگیا۔ اسیروں کا قافلہ شہیدوں کے سروں کے ساتھ ساعات کے دروازے سے شہر میں داخل ہوا۔ ہزاروں تماشبین اس قافلے کے استقبال کے لیے جمع ہوگئے۔

قافلہ ایک رتھ جلوس کے ساتھ سڑکوں اور گلیوں سے گزرتا ہوا دارالحکومت کے وسط میں پہنچ گیا۔ حکومتِ یزید کے بلند ہونے کی طرف اس کی رہنمائی کی گئی۔ دمشق میں اس وقت جشن کی سی کیفیت تھی۔ قافلے کے پہنچتے ہی دربار کا انتظار ختم ہوگیا۔

شاہانہ مجلس

یزید جواہرات سے مزین تاج پہنے تخت سلطنت پر بیٹھا تھا۔ معززین اور درباری اپنی مخصوص کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ دوسرے ملکوں کے حاکموں کے سفیر اس موقع کی مناسبت سے شام آئے ہوئے تھے وہ بھی دربار میں موجود تھے۔ مجلس شاہانہ شکوہ و جلال لیے ہوئے تھی۔

اسیروں کو لانے کا حکم دیا گیا۔ عورتوں اور بچوں کے لیے تخت کے پیچھے جگہ مخصوص کی گئی تھی۔ حضرت علی ابن الحسینؑ دائیں جانب اسیروں اور مجلس کے درمیان کھڑے تھے۔

ابا عبداللہ کے مقدس سر کو ایک طلائی برتن میں یزید کے سامنے رکھا گیا یہ وہی سر تھا جس نے سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا لی تھی۔ ہر شخص سوچ رہا تھا کہ یہ سر کس کا ہے؟ درباری اسیروں کا کیا حال ہے؟ سروں کی تابش کی حالت اور [illegible] سر کی نورانیت سے یزید بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

جس شخص نے حسینؑ کے سر کو اٹھا رکھا تھا یزید کی خوشامد کرتے ہوئے اس نے کہا:

"مجھے اس قدر انعامات اور سونا چاندی اس خدمت کے صلے میں دیجیے کہ وہ میرے گھوڑے کی رکاب تک پہنچ جائیں کیونکہ جس شخص کو قتل کر کے اس کا سر میں آپ کے پاس لایا ہوں وہ لوگوں میں بہترین تھا اور اس کا نسب عالی ترین تھا۔"

یزید نے کہا:

"اگر یہ شخص بہترین تھا تو تم نے اُسے کیوں قتل کیا؟"

اس نے کہا

"میں نے آپ کے لیے اور آپ کے انعامات کی خاطر اسے قتل کیا۔"

یزید نے فوراً حکم دیا کہ:

"اس کو لے جاؤ اور قتل کر دو۔"

زحر بن قیس جو اس فتح کی خوشخبری لے کر آیا تھا [illegible] واقعہ کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔

یزید پوری توجہ کے ساتھ اس کی رپورٹ کو سنتا رہا۔ کبھی خوشی کے آثار اس کے چہرے پر ظاہر ہوتے اور کبھی ناگواری کے۔ یہاں تک کہ زحر بن قیس کی رپورٹ ختم ہوگئی۔

یزید نے سر اٹھا کر کہا:

"میں تم لوگوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں لیکن حسینؑ"

وشق کیے جو کبھی تو میری خوشنودی حاصل کر سکتے تھے۔ اگر میں بذاتِ خود ان سے ملتا تو یقیناً انہیں معاف کر دیتا۔ اگر میں وہاں ہوتا تو کسی قیمت پر حسینؓ کے ساتھ جنگ اور انہیں قتل کرنے سے اتفاق نہ کرتا۔ یہ ابن زیاد کی غلطی تھی۔ ابن مرجانہ کو اللہ اپنی رحمت سے دور رکھے کہ اس نے کام کو اس انتہا تک پہنچا دیا، لیکن اب کوئی چارہ نہیں، قضائے الٰہی تھی سو گزر گئی۔"

اس کے بعد یزید نے اہل مجلس کی جانب رخ کر کے اور حسینؓ کے مقدس سر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا:

"حسینؓ مجھ پر اپنی بزرگی جتاتے تھے وہ کہتے تھے میرے نانا میرے باپ اور میری ماں، یزید کے دادا، باپ اور اس کی ماں سے برتر ہیں اور خود کو وہ مجھ سے بہتر قرار دیتے تھے۔

ان کا مقصد یہ تھا کہ میں یزید سے بہتر ہوں۔ اسی سے ہماری خلافت و سلطنت پر ان کی آنکھیں لگی ہوئی تھیں۔ یہی باتیں ان کے قتل کا سبب ہیں۔ ان کا کہنا صحیح تھا کہ میرے نانا یزید کے دادا سے بہتر ہیں۔ ان کا یہ کہنا بھی درست ہے کہ ان کی ماں میری ماں سے بہتر ہیں۔ لیکن انھوں نے میرے باپ سے

اپنے باپ کو بہتر اور مجھ سے خود کو بہتر کہہ کر غلطی کی تھی۔ انھوں نے یہ نہیں دیکھا کہ میرے باپ نے ان کے باپ کے ساتھ جنگ کی اور اللہ تعالیٰ نے حق کو روشن کر دیا اور ملک میرے باپ کو عطا کیا۔ انھوں نے خود کو مجھ سے بہتر قرار دیا مگر شاید حسینؓ نے قرآن کی یہ آیت نہیں پڑھی۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ"

یزید ان کلمات کو بڑی خود اعتمادی کے ساتھ اور بڑے اطمینان کے ساتھ ادا کر رہا تھا۔ آہستہ آہستہ وہ جوش میں آگیا اور غرور و نخوت سے بھر گیا اور اپنی مبارک سی شاہانہ چھڑی سے حسینؓ کے لب و دندان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تاسف کے الفاظ زبان پر لایا اور کہنے لگا:

"حسینؓ! دنیا کو تم نے کیسا پایا ___؟
کیسے خوبصورت لب و دندان تھے ___!
کس قدر جلدی یزید کے آثار تمہارے چہرے پر
ظاہر ہوگئے۔"

اس کے بعد یزید نے چند اشعار پڑھے جن سے اس کے جذبات و احساسات کا اظہار ہوتا تھا۔

لیت اشیاخی ببدر شہدوا　　جزع الخزرج من وقع الاسل

فاھلوا واستھلوا فرحا　　ثم قالوا یا یزید لا تشل

یزید ان اشعار کو پڑھتا جاتا تھا اور اپنی چھڑی سے حسینؓ کے لب و دندان

ل غیرت اشارہ بھی کرتا جاتا۔ یکایک خلافِ توقع ایک شخص آگے بڑھا اور بلند آواز سے اس نے کہا:

"یزید! ان قیدیوں کو رہا کرو۔ خدا گواہ ہے کہ میں نے خود دیکھا رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لبوں کو چومتے تھے اور کہتے تھے نفرین ہو تیرے قتل کرنے والے پر۔"

حاضرین نے اس شخص کو ستودہ کیا اور یزید نے یہ محسوس کر کے کہ مجلس دگرگوں ہو جائے گی حکم دیا:

"اس شخص کو یہاں سے لے جاؤ —"

سپاہی اسے کھینچتے ہوئے باہر لے گئے۔

دخترِ علیؑ نے دربار کو تسخیر کر لیا

محسوس یہ ہونے لگا تھا کہ یزید دوبارہ اپنی گفتگو شروع کرے اور ناگہاں ایک گوشے سے آواز بلند ہوئی۔ حاضرین مجلس ایک دوسری آواز کی جانب متوجہ ہو گئے۔

یہ حمد و ثنا کے بعد ایک طویل خطبہ شروع کرنے والی زینب بنت علی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھیں اور یزید کو مخاطب کر کے کہا

"یزید! اللہ تعالیٰ نے قرآن میں فرمایا ہے
ثُمَّ كَانَ عَاقِبَةَ الَّذِينَ أَسَاءُوا السُّوأَى أَنْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ اللَّهِ وَكَانُوا بِهَا يَسْتَهْزِئُونَ ——— جن لوگوں

نے برائیاں کی تھیں ان کا انجام بہت برا ہوا آخر کار وہ اللہ کی آیات کو جھٹلانے اور ان کا مذاق اڑانے لگے۔ (سورہ روم آیت ۱۰)

"یزید کیا تو اس خام خیالی میں مبتلا ہے کہ تیرے ظلم سے ہم پر زمین تنگ ہو گئی اور جب ہم رسن بستہ اسیروں کی حیثیت سے یہاں آئے تو ہم خدا کی نظروں میں چھوٹے ہو گئے اور تو خدا کی نظروں میں بڑا ہو گیا۔"

"یزید کیا تو یہ سوچتا ہے کہ تجھے یہ فتح اس منزلت و مقام کی وجہ سے حاصل ہوئی جو تو خدا کے پاس رکھتا ہے؟"

"تو خیال کرتا ہے کہ خدا تجھے دوست رکھتا ہے اس لیے یہ سعادت اس حد تک پہنچی اور اسی لیے تیرا دماغ آسمان پر پہنچا اور تو اپنے سامنے دیکھ کر کے اور سینہ پھلا کر خوش و خنداں اس فتح کا ڈنکا بجا رہا ہے؟!"

"یزید تو نے یہ باور کر رکھا ہے کہ اگر دنیا تیری مرضی کے مطابق گردش کرتی ہے اور جنگ میں تجھے فتح حاصل ہوئی ہے اور تو ہمارے حق اور ہماری حکومت کو غصب کر سکتا ہے تو یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ تو خدا کا محبوب ہے؟! تیری بڑی غیرت ہے؟! کچھ اپنی رفتار کو آہستہ کر اس قدر تیز مت چل۔ کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟ کیا تو نے ان آیات کو فراموش کر دیا ہے کیونکہ

جاتا رہا ہے، خدا نے اپنی کتاب میں ارشاد فرمایا ہے:

"وہ ڈھیل جو ہم انھیں دیے جاتے ہیں یہ کافر اسے اپنے
حق میں بہتر نہ سمجھیں ہم تو انھیں اس لیے ڈھیل
دے رہے ہیں کہ یہ خوب دل کھول کر گناہ سمیٹ لیں، پھر
آخرکار ان کے لیے سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے۔"[1]

(سورۂ آلِ عمران آیت ۱۷۸)

"یزید! اس شخص کے بیٹے جس کو میرے نانا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آزاد کیا[2] تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ تو بادشاہ عادل ہے؟ کیا یہ عدالت ہے کہ تیری عورتیں اور لونڈیاں پردہ میں اور آزاد ہوں لیکن رسولِ خدا کی بیٹیاں اس طرح ایک عام مجلس میں حاضر کی جائیں! افسوس ہے تجھ پر اور تیری اس عدالت پر، کیا تو سمجھتا ہے کہ تو عادل ہے، تیرے حکم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیٹیاں اور فرزند قیدیوں کی حیثیت سے شہر شہر پھرائے جائیں اور پھر تیرے پاس لائے جائیں؟"

یہاں زینبؑ کا اشارہ خود یزید کی جانب تھا۔ پھر زینبؑ نے چند جملے یزید کے بارے میں کہے۔ زینبؑ کہتی ہیں:

۱؎ لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ

۲؎ فتح مکہ کی داستان کی طرف اشارہ ہے اور رسول خدا کے قول کی طرف اشارہ ہے۔ انتم الطلقاء۔

"اس شخص سے کیا امید رکھی جا سکتی ہے، کیا اس شخص سے
جس نے پاک ہستیوں کا کلیجہ چبایا اور جس کا گوشت
شہداء کے خون سے بنا ہے؟

اور یہ تیرے لیے کس طرح ممکن ہے کہ تو بزرگوں کے ساتھ دشمنی نہ کرے جب کہ تو بغض اور کینہ سے ان کی طرف دیکھتا ہے اور اس کے دندان پر جو اہلِ بہشت کے جوانوں کے سردار ہیں ضرب لگاتا ہے؟

بے شک تو کیوں نہ ضرب لگائے اور کیوں نہ اشعار
پڑھے ــــــ کاش میرے بزرگ بدر میں ہوتے اور دیکھتے
تیرے دل کو آرام ملتا ہے اور تیرا کینہ ٹھنڈا ہو گیا ہے؟"

زینبؑ تقریر کر رہی تھیں اور تمام اہلِ مجلس پر ایک عالم تحیر اور سکوت طاری ہو گیا تھا۔ زینبؑ کی آواز کے تسلسل نے اس طرح دربار والوں کو سحر میں لے رکھا تھا کہ دربار والوں کو بات کاٹنے کی جرأت نہیں ہو رہی تھی۔ زینبؑ اس قدر واضح اور دلنشین بحث کر رہی تھیں اور ان کی تقریر اس قدر منطقی اور مدلل تھی کہ اس نے پوری مجلس کو مسخر کر دیا تھا۔

زینبؑ کی بحث جب اس مقام پر پہنچی تو انھوں نے آسمان کی طرف سر بلند کیا اور تمام شہداء کے سامنے کہا

۱؎ جو جملے اپنے اشعار میں گزشتہ صفحوں میں مثلاً ضمن میں ہم نے اشارہ کیا تھا زینبؑ نے کس طرح کے انداز سے یزید کو ذلیل کیا۔ اشارہ اس کی دادی ہندہ کی طرف ہے جس نے حمزہ کا کلیجہ نکال کر اس کے منہ میں ڈالا تھا۔

"اے پروردگار! جن لوگوں نے ہمارا حق غصب کیا ہے وہ تو ان سے واپس لے۔ بارالہا! جن لوگوں نے ہم پر ظلم کیا ہے ہمارا خون بہایا ہے اور ہمارے مددگاروں کو قتل کیا ہے تو ان سے انتقام لے۔"

زینبؑ نے ایک بار پھر یزید کی جانب رخ کرتے ہوئے تقریر جاری رکھی:

"یزید! خدا کی قسم جو کچھ ظلم تو نے کیا ہے تو نے اپنے خلاف کیا ہے۔ تو نے اپنی ہی شخصیت کا گوشت نوچا ہے اور اپنی ہی کھال ادھیڑی ہے۔ وہ وقت نزدیک ہے کہ تجھے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے لایا جائے گا اور تیرے دامن پر رسول کا خون لگا ہوا پایا جائے گا۔ تو یہ گمان نہ کر کہ راہ حق کے شہدا مردہ ہیں۔ وہ زندہ ہیں اور خدا کے ہاں سے انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ تیرے لیے بس یہی کافی ہے تیرا فیصلہ کرنے والا خدا اور تیرا دشمن رسول خدا ہیں۔"

"یزید! تجھے آج بالکل معلوم ہو جائے گا کہ کس شخص نے تیرے لیے راہ ہموار کی اور تجھے مسلمانوں کے سروں پر سوار کیا۔ بے شک ظالموں کے جانشین ہمیشہ برے لوگ ہوتے ہیں۔"

"یزید! میں تھکی ہوئی اور مصیبت زدہ ہوں خیال نہ کر کہ تجھ سے بات کرتے ہوئے میں تیرا کوئی خیال کروں گی۔ خواہ میرے لیے زحمت اور تکلیف

زیادہ سے زیادہ فراہم کی جائے۔ تو میری نظر میں بہت چھوٹا ہے تو اس سے بڑھ کر بدتر ہے کہ میں اس پر تیری سرزنش کروں اور تجھے الزام دوں میں بہت کمزور بھی ہوں لیکن کیا کروں کہ میری آنکھیں گریاں اور میرا سینہ سوزاں ہے۔"

"کس قدر حیرت کی بات ہے کہ شیطان کی جماعت اور تیرے باپ کے آزاد کردہ لوگوں کے لڑکوں نے خدا کی جماعت کو قتل کیا ہے اور ان کے ہاتھ ہمارے خون سے آلودہ ہیں اور ان کے منہ اور ان کی باچھوں سے ہمارے جگر زخمی ہیں؟"

زینبؑ مسلسل بولتی رہیں اور اس مقام پر پہنچیں اور بڑے جوش اور وضاحت کے ساتھ انہوں نے کہا:

"یزید! تو جو بھی کوشش کرنا چاہتا ہے کر لے اور تو جس قدر حیلہ و مکر سے کام لینا چاہتا ہے لے لیکن خدا کی قسم یہ ناممکن ہے کہ تو ہمارے نام کو مٹا سکے اور ہمارے مکتب کو ڈھا سکے تیرے لیے چند روز سے زیادہ مہلت نہیں ہے اور ہمارے مکتب کے مقدسات جو انسانی فطرت سے ہم آہنگ ہیں، تباہ نہیں کر سکتا۔ یہ تیری قدرت اور شان و شوکت چند روزہ اور یہ تیری حکومت و سلطنت عارضی ہے۔ یہ دن گزر جائیں گے اور دوسرے میدان عمل سامنے آئیں گے۔ یزید

اس دن جب رنگ شفق پر خون چھپ جائے
تو تیرا ٹھکانا کہاں ہوگا؟"

یزید: خدا کا شکر ہے کہ ہمارے پیشرو سعادت کے ساتھ گزر گئے اور ان کے بعد ہمارے حصے میں رحمت و شہادت آئی۔ ہم خدا سے ان کیلئے زیادہ سے زیادہ ثواب طلب کرتے ہیں اور بہت زیادہ عنایت مانگتے ہیں۔ وہی خدائے واحد مہربان ہے۔"

اس قدر کہنے کے بعد زینبؑ تھک گئیں۔ وہ بنیادی باتیں کہہ چکی تھیں، اس لیے خاموش ہو گئیں۔

یزید زینبؑ کی ان تمام باتوں کے مقابل اس طرح مجذوب اور مسخر ہو کر بیٹھا ہوا تھا کہ نہ صرف یہ کہ وہ زینبؑ کی بات کو کاٹ نہ سکا بلکہ سخت متاثر نظر آ رہا تھا۔ تقریر ختم ہونے کے بعد صرف یہ کہہ کر اس نے اپنا ردعمل ظاہر کیا:

"مصیبت زدہ افراد کس قدر اچھے آپ سے گزر
چکے ہیں، یہ موت کو آسان سمجھ رہے ہیں اور حشرات
کی نیند ذرا بھی پرواہ نہیں......"

پھر اس نے علی ابن الحسینؑ کی طرف رخ کیا۔ گویا وہ زینبؑ کی باتوں کا جواب دینا چاہتا تھا۔ اس نے فرزند حسینؑ کو آواز دی اور کہا:

"اے فرزند حسینؑ! یہ تمہارا باپ تھا کہ جس نے
قطع رحمی کی۔ ہمارے حق کا لحاظ نہ رکھا اور سلطنت
کے بارے میں ہم سے جھگڑا کیا اور معاملے کو اس نتیجہ
پر پہنچا دیا۔"

امام سجادؑ نے ایک آیت قرآن کی تلاوت فرمائی، یزید نے جواب میں ایک دوسری آیت پڑھی[۱] پھر خود کو اس بحث سے الگ رکھا اور محسوس کر لیا کہ اس گفتگو کا جاری رکھنا اس کے لیے نقصان دہ ہوگا۔ لہٰذا اس نے اہل مجلس کی جانب رخ کیا اور کہا:

"آپ کی رائے میں ان اسیروں کے ساتھ میں کیا
سلوک کروں؟"

ہر شخص نے کچھ نہ کچھ کہا اور یزید کی خوشنودی کے لیے میٹھی میٹھی باتیں کیں یہاں تک کہ نعمان بن بشیر نے کہا:

"یزید! دیکھ اگر پیغمبر خداؐ اس وقت یہاں ہوتے
تو ان کے ساتھ کیا کرتے ــــ؟ تو بھی ویسا
ہی سلوک کر۔"

یزید نے کہا:

۱۔ علی ابن الحسینؑ نے یہ آیت پڑھی کہ ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتاب من قبل ان نبراھا ان ذلک علی اللہ یسیر۔ (سورہ حدید آیت ۲۲) ترجمہ: کوئی مصیبت ایسی نہیں ہے جو زمین پر یا تمہارے نفس پر نازل ہوتی ہو اور ہم نے اس کو پیدا کرنے سے پہلے ایک کتاب میں لکھ نہ رکھا ہو۔ یزید کا اشارہ تھا کہ تمام کام یہ ہیں۔ یزید نے یہ آیت تلاوت کی وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفو عن کثیر۔ (سورہ شوریٰ آیت ۳۰) ترجمہ: تم لوگوں پر جو مصیبت بھی آتی ہے تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی سے آتی ہے اور بہت سے قصوروں سے وہ ویسے ہی درگزر کر جاتا ہے۔

"تو درست کہتا ہے۔"

اس کے بعد اس نے نرمی شروع کردی کہ جس کے نمونے آپ آگے دیکھیں گے۔

آپ کا فیصلہ

محترم قارئین! اب آپ بخوبی فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ حسینؑ اپنے بیوی بچوں کو کیوں ساتھ لائے تھے؟

کیوں امامؑ نے ایک ایسے سفر میں جس کے متعلق خود بھی پیش بینی کرتے ہوئے کہا تھا اور دوستوں نے بھی توجہ دلائی تھی کہ خطرناک ہوگا اور ممکن ہے کہ معاملہ سنگین نتائج پر جا پہنچے۔ اس کے باوجود وہ بیوی بچوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔

اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کیوں حسینؑ نے دوستوں کی نصیحت اور مشوروں کی جانب توجہ نہیں دی اور انھیں مختلف اور مناسب حال جواب دیتے ہوئے خاموش کرتے رہے۔ اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ ایک ایسے خطرناک سفر پر روانہ ہوگئے۔

یہی بیوی بچے تھے جنھوں نے نہایت کم اور مختصر مواقع سے بہترین طریقے پر استفادہ کیا اور حسینؑ کے اصل مقصد سے لوگوں کو آشنا کیا۔

یہی زینبؑ تھیں (بڑی بہن اور قافلے کی خواتین میں سب سے بڑی)، جنھوں نے شہر کوفہ کو اپنی تقاریر سے متاثر کیا، اور عراق کی گورنری کو ملزم اور قصور وار ٹھہرایا اور اسے رسوا کیا۔

یہی زینبؑ ان کی چھوٹی بہن اور بھتیجے تھے جنھوں نے اپنے مسلسل خطابات

سے یزید اور اس کی زندگی کے پروپیگنڈے کے غبارے سے ہوا نکال دی اور اس کے دربار کو لوگوں کی نظروں کے سامنے بے نقاب کردیا۔

اگر یہ بیوی بچے حسینؑ کے ہمراہ نہ ہوتے تو شکست اور قتل ہونے کی صورت میں اس جنگ سے معمولی سا بھی فائدہ حاصل نہ کیا جاسکتا۔

حسینؑ نے سوچا کہ بیوی بچوں کو ساتھ رکھنا ہے۔ اگر ہم فتح و نصرت سے ہمکنار ہوتے ہیں تو کیا کہنے، بصورت دیگر وہ ہمارے ہدف کی تشریح و توضیح کریں گے اور ہماری جد و جہد کو بہتر تعبیر دے سکیں گے۔

حسینؑ کے یہی بیوی بچے تھے کہ یزیدی حکومت کے حساس ترین مرکز میں موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے پوری جرأت کے ساتھ تمام حقائق کو واضح طور پر لوگوں کے سامنے کھول دیا۔

اسی زینبؑ نے بے مثال اور واضح کلمات کے ذریعے دربار یزید کے حاضرین کو مسخر کرلیا اور یزید کے منہ پر اس کے تمام جرائم کو بے نقاب کردیا۔

حسینؑ کی بڑی بہن اور علیؑ کی دختر یہی زینبؑ تھیں کہ اس ساری مصیبت کو برداشت کرنے اور قید و بند میں اس طویل راہ کو طے کرنے کے باوجود مجلس شاہانہ سے مرعوب نہ ہوئیں اور نہایت شجاعت کے ساتھ تمام حقائق کو بیان کیا اور یزید کے ناکام حیلوں کو مسمار کرکے رکھ دیا [illegible] انھوں نے یزید کی حکومت کی بنیادوں کو [illegible] اور حسینؑ کی جد و جہد کو مثبت نتائج سے ہمکنار کردیا تھا۔

اب آپ اس بات کا مطلب اچھی طرح سمجھ لیں گے جو امامؑ نے [illegible] محمد بن حنفیہ کے جواب میں یہ جو کہا تھا کہ میں نے خواب دیکھا ہے کہ بیوی بچے اسیر ہوں گے تو اس کی کیا تعبیر تھی۔

زینبؑ نے اس دلیل و برہان سے حالات میں کہ شکست اور فتح کی صورت بیان کی تھی۔ ... جو کربلا کے میدان تک کا ہے ... سے زیادہ، تھا کر وہ دنیا کے سامنے اسلام کو سوچنے پر مجبور کریں اور یزید کی حاضر۔ حکومت کے جرائم بیان کر کے ظلم و استبداد کی بنیادوں کو ڈھانے کے اسباب فراہم کریں اور اس کے نتیجہ میں اسلام اور مسلمانوں کو مفاد پرستوں کے چنگل سے نجات دلائیں تاکہ پھر آزاد انسان معاشروں میں نافذ ہو سکیں۔

اصل ہدف اسلام کو شکوک سے نجات دلانا ہے۔ اس کے لیے بنی امیہ کے ظلم و استبداد پر مبنی حکومت کا سقوط ضروری ہے۔ بلاشبہ یہ ہدف بڑا مشکل اور بھاری ہے لیکن حقیقی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ اس سے تمام مشکلیں آسان ہو سکتی ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ اس ہدف کو حاصل کرنے کے لئے جہد کرنا پڑے گا اور خون دینا ہوگا قید، مصیبتیں برداشت کرنی ہوں گی لیکن اس کے سوا کوئی دوسری راہ موجود نہیں ہے۔ اسلام کے مطالب پھیرنا بھی ممکن نہیں ہے۔ ہم شہید ہوں گے، بے وطن رہیں گے، قید ہوں گے مگر آخر ہم مقصد حاصل کر لیں گے۔

محترم قارئین، زینبؑ کے کلمات کا ایک بار دوبارہ مطالعہ فرمائیں۔ اس کے منطقی اور مدلل جوابات پر غور فرمائے بغیر حقیقت نہیں کہا جاسکتا۔

یہ زینبؑ ہے جس نے ایسی موثر منطق اور فیصلہ کن باتوں سے نہ صرف عام لوگوں اور اموی ملک کی سرپرستوں، شیعوں کے دلوں کو جلا کر رکھ دیا تھا بلکہ یزید کے دل و دماغ کو بھی لرزا دیا تھا۔

حقیقتاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ زینبؑ کے دمشق اور کوفہ میں بنیادی کلمات ہی تھے

کہ جو اسی وقت سے یزید کی سیاسی حکومت پر اثر انداز ہونے لگے تھے اور اسی نے حسینؑ اور ان کے مقدس مقاصد کے لیے لوگوں کے ذہنوں اور افکار میں شائستہ جگہ پیدا کر دی تھی۔

پورے وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ بعد میں یزید کی حکومت کے خلاف جو شورشیں برپا ہوئیں وہ بنی امیہ کی حکومت کو مکمل ختم کرنے کا ذریعہ بنیں اور ان شورشوں نے حضرت حسینؑ سے مدد حاصل کی تھی جس کے سر اور زبان کو روز سے لوگوں کو زینب کبریٰ نے آگاہ کیا۔

مختصر ہم یہ کہیں گے کہ زینبؑ کی منطق نے حق عمل کو سرکوب ... اسلام کو بچانے میں اور شہادت حسینؑ کے بعد کی تحریکوں اور انقلابات میں بڑا کردار ادا کیا ہے۔

بلاشبہ ان نتائج کو اس روز حسینؑ کے دوستوں کو سمجھ میں بھی آسکتا تھا اور وہ ان اسرار کو اس دن اور ان حالات میں نہیں سمجھ سکتے تھے لیکن زمانے کی رفتار نے حقائق کو آشکار کر دیا اور بتا دیا کہ حسین بن علیؑ کا اہل و عیال کو ساتھ لے جانا ایک باریک بینی پر مبنی تھا کیونکہ اس کے بغیر تمام مشکلیں اور تبلیغ بے نتیجہ ثابت ہو سکتی تھیں۔

سیاست بدل گئی

یزید نے اپنی سیاست کو بدل دیا۔ اس نے سوچا یہ پے در پے واقعات ممکن ہے کہ لوگوں کے افکار پر اثر انداز ہو کر ان میں عام ناراضگی پیدا کر دیں اور حالات کو کسی خطرناک موڑ پر پہنچا دیں اس لیے حسینؑ کے پسماندگان کے ساتھ نرمی، ملاطفت محبت اور شفقت کا سلوک کر کے خطرے کا راستہ روکنا چاہیے۔

"اے خطیب! شرم کر۔ تو نے لوگوں کی خوشنودی کی خاطر خدا کے غضب کا سودا کیا ہے۔

اے جہنمی خطیب! خاموش رہ۔ تیری ان باتوں کے ساتھ جہنم میں تجھے جگہ ملے۔"

پھر علی بن حسینؑ نے یزید کی طرف رخ کر کے فرمایا۔

"مجھے اجازت دے کہ میں لکڑی کے اس ڈھانچہ پر جا کر کچھ باتیں کہوں جن میں خدا کی رضا بھی ہو اور اہل مجلس بھی ثواب حاصل کریں۔"

یزید نے دوٹوک طور پر کہا۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا آپ اپنی جگہ تشریف رکھیں۔"

قریب بیٹھے ہوئے لوگوں نے کہا۔

"امیر اجازت دیجئے کہ وہ منبر پر جائیں۔ دیکھیں کیا کہتے ہیں؟"

یزید نے کہا۔

"اگر ان لوگوں کو موقع مل گیا اور ان کی زبان کھل گئی تو یقیناً وہ ہمارے خلاف بولیں گے۔"

لوگوں نے کہا:

"اس کمزور سے جوان میں ایسی کیا طاقت ہو سکتی ہے کہ وہ آپ کے خلاف بولے اور وہ بھی ایسی مجلس

ـــ ایسا منبر جس پر خطیب نے جا کر لوگوں کی طرف رخ کر کے ... سے لکڑی ـــ ... کی جاتی

یزید نے ایک نیا حکم جاری کیا۔ جس کے ذریعے تمام پابندیاں اٹھا لی گئیں۔ حسینؑ کی بیٹیوں اور خواتین کو قابل احترام قرار دیا گیا۔ حسینؑ کی بڑی بہن کے ساتھ بڑی عزت و احترام سے پیش آنے کی ہدایت کی گئی۔ یزید نے ان کی اصلی حالت بدل دی۔ علی ابن حسینؑ جو امام کی یادگار ہیں انہیں وراثت کا مستحق قرار دیا گیا اور فیصلہ آپ پر چھوڑ دیا گیا کہ خاندان حسینؑ کہاں رہائش اختیار کرے گا۔ آپ نے مدینہ کو ترجیح دی۔

طے ہوا کہ چند روز بعد جب تھکن اور تکلیف دور ہو جائے گی تو سفر کے انتظامات مکمل کیے جائیں گے۔

اب روزانہ علی بن حسینؑ کو یزید کی مجلس میں شریک کرنے لگا۔ کبھی وہ آپ کو اپنے ساتھ مسجد لے جاتا۔ شام میں قیام کے دوران ایک جمعہ بھی آگیا۔ اس وقت کے آداب و رسوم کے مطابق یزید کو خود نماز جمعہ پڑھانا تھا۔ وہ علی بن حسینؑ کو بھی اپنے ساتھ مسجد لایا۔ لوگوں کی ایک بہت بڑی جمعیت نماز جمعہ کے لیے مسجد میں موجود تھی۔

خطیب منبر پر گیا اور اس نے دستور کے مطابق جو معاویہ کے زمانے سے رائج تھا یزید اور اس کے اجداد کی بہت زیادہ تعریف کرنی شروع کر دی اور پھر علیؑ اور ان کے بیٹوں پر تنقید کرنے لگا اور اس وقت کی بات کی مناسبت سے خطیب نے حادثہ کربلا کی طرف بھی اشارہ کیا اور خاص جسارت کے ساتھ بنی امیہ کی خوشامد اور چاپلوسی کو انتہا پر پہنچا دیا۔

یزید کی توقع کے خلاف اور خطیب اور لوگوں کی توقع کے خلاف اور اس مجلس اور صلوٰۃ کے حالات کے خلاف علی بن حسینؑ نے۔ اسی پیرائے میں حاضرین میں آواز بلند کی۔

میں بحث کرے۔ آپ انہیں منبر پر جانے دیں ہم
دیکھیں تو کہ وہ کیا کہتے ہیں۔؟"

یزید نے کہا:

"تم ان لوگوں کو نہیں جانتے۔ یہ پیغمبر کے خاندان
سے ہیں اور اہلِ علم و فن میں سے ہیں اور بہت کم
کوئی شخص ان جیسے علم سے بہرہ مند ہے۔"

بالآخر لوگوں کے اصرار پر اور میرا خیال ہے کہ یزید پر دربار کے دعوت کا اور
بیت کی پر دباؤ کا اثر تھا، اسی لیے اس نے رضامندی ظاہر کی۔
علی بن الحسینؑ نے منبر پر جا کر پہلے حمد و ثنا کی اور اس کے بعد فرمایا:

"سامعین مجلس! پروردگار عالم نے ہمیں چھ چیزیں
عطا فرمائی ہیں اور ہمیں سات چیزوں پر برتری
عطا کی ہے: اس نے ہمیں ——— دانش ———
بردباری ——— بزرگی ——— فصاحت
——— شجاعت ——— اور اجتماعی
ہر دلعزیزی مرحمت فرمائی ہے۔"

"اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ امتیازات عطا کیے ہیں:
خدا کے برگزیدہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم میں سے
ہیں۔ صدیق بزرگ ہم میں سے ہیں۔ جعفر طیار ہم میں
سے ہیں۔ شیر خدا اور شیر رسول اللہ (علی) ہم میں سے
ہیں۔ اس امت کے دو سبط ہم میں سے ہیں ———
(حسن و حسین)۔"

"میں ان لوگوں سے اپنا تعارف کرتا ہوں جو مجھے نہیں جانتے
ہیں۔ میں مکہ و منیٰ کا فرزند ہوں۔ میں زمزم و صفا کا فرزند ہوں۔
میں اس شخص کا فرزند ہوں جو زکوٰۃ اپنی عبا میں چھپا کر فقرا
کے لیے لے جاتا تھا۔ میں اس بہترین شخص کا فرزند ہوں جس نے احرام
کا لباس پہنا، سعی کی، طواف کیا اور جس نے لبیک کہا اور
حج ادا کیا۔ میں اس شخص کا فرزند ہوں جسے مسجد حرام سے مسجد
اقصیٰ لے جایا گیا جو سفرِ معراج پر گیا۔ میں اس کا فرزند ہوں جسے
جبرئیل سدرۃ المنتہیٰ تک لے گئے۔"

"میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرزند ہوں
میں علی مرتضیٰ کا فرزند ہوں جس نے [illegible]
کفار سے جنگیں کیں یہاں تک کہ وہ کلمہ لا الٰہ الا اللہ
پڑھنے لگے۔ میں اس شخص کا فرزند ہوں جس نے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کی یہاں تک کی
یہاں تک کہ اس کی تلوار ٹوٹ گئی اور اس کو رسول کی
تلوار ذوالفقار عنایت کی گئی۔ یہ وہ شخص ہے ———
جس نے اسلام میں دو ہجرتیں کیں [illegible]
میں فاطمہ خیر النساء العالمین کا فرزند ہوں۔"

علی بن الحسینؑ نے اس قدر اپنے حسب و نسب اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم اور علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہرا کے فضائل کا ذکر کیا کہ دربار میں بیٹھے لوگوں کو مکمل طور پر
اپنی جانب متوجہ کر لیا۔ دربار میں بیٹھنے والوں کے چہروں کا رنگ بدل گیا ہے
ایک خاص تاثر کے ساتھ انہیں دیکھنے اور آنسو بہانے لگے۔ (حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یزید نے محسوس کیا کہ ممکن ہے کوئی فتنہ برپا ہو جائے۔ پھر یہ کہ نماز کا وقت قریب آ گیا تھا۔ یزید نے پوچھا:

"موذن کہاں ہے کہ اذان دے؟"

اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی اور علی ابن الحسینؑ کی بات منقطع ہو گئی — اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کا کلمہ ختم ہوا۔

علی بن حسینؑ نے فرمایا:

"خدا نے مجھے دین سے بخشا ہے اور میرا پورا وجود اس کی وحدانیت پر شاہد ہے۔"

جیسے ہی موذن نے اشہد ان محمداً رسول اللہ کہا، علی ابن الحسینؑ نے یزید کی طرف رخ کیا اور بلند آواز میں فرمایا:

"یزید! محمدؐ میرے جد ہیں یا تیرا؟ — اگر تو یہ کہتا ہے
کہ محمدؐ تیرے جد ہیں تو یقیناً تو جھوٹ کہتا ہے
اگر وہ میرے جد ہیں تو تو نے کیوں ان کے
فرزند کو قتل کیا اور ان کے خاندان کو اسیر کیا؟"

معاشرہ [illegible] ان کا مقصد تھا۔ وہ اپنا تعارف کرانا چاہتے [illegible] کے خلاف [illegible] کا مقصد [illegible] کی طرح [illegible] گمراہی کا دور کرنا تھا۔

پھر کیوں تو نے میرے باپ حسینؑ کو شہید کیا اور ان
کے بیوی بچوں کو قیدیوں کی حیثیت سے کیوں یہاں
طلب کیا؟"

اذان ختم ہو گئی اور علی بن الحسینؑ بھی منبر سے اتر آئے۔ یزید نے عجلت کے ساتھ نماز ادا کی اور دارالحکومت لوٹ گیا۔

یزید نے بخوبی محسوس کر لیا کہ ان اسیروں کا یہاں رہنا کسی طرح بھی اس کے مفاد میں نہیں ہے کیونکہ یہ بہرصورت باتیں کریں گے، یہ یہاں رہیں گے تو لوگوں سے گفتگو کریں گے جو اس کے لیے نقصان کا سبب ہوگی۔ ممکن ہے کہ وہاں میں داخل ہونے والوں کو دوسری مصیبت کھڑی ہو جائے۔ حسینؑ کے ساتھیوں کی موت سے فائدہ اٹھا کر ہمارے خلاف تبلیغ کرتے ہیں۔ ان حالات میں سختی اور تندی مناسب نہیں ہے۔ جب ہم حسینؑ کے قتل کی تلافی اس قدر جلدی نہیں کر سکتے تو پھر دوسرے کاموں کا کیا سوال پیدا ہو سکتا ہے؟

آخر کار اسی احساس کی بنا پر یزید کی سیاست مکمل طور پر تبدیل ہو گئی اس نے دوستی اور محبت کا طریقہ اختیار کر لیا اور علانیہ اپنی جلسوں میں ابن زیاد و پسر مرجانہ کی گردن پر اس گناہ عظیم کی ذمہ داری رکھنے لگا۔ حالانکہ اس نے ابن زیاد کے نام خط لکھا تھا جس سے قارئین واقف ہو چکے ہیں۔

یزید نے بشیر کو طلب کیا اور قافلہ حسینیؑ کی روانگی کے انتظامات کا حکم دیا اور ہدایت کی کہ:

"ان سب کو نہایت توجہ اور احترام کے ساتھ
مدینہ پہنچایا جائے۔"

یہ قافلہ مدینہ واپس پہنچتا ہے

حسبِ سابق، مددگار بشیر بن نعمان دمشق سے مدینہ جانے والا راستہ طے کر کے اس منزل تک پہنچ گئے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر علی بن الحسین نے بشیر کو بلا کر فرمایا:

"کیا یہ ممکن ہے کہ تو شہر میں جا کر ہماری آمد کی اطلاع دے دے؟"

بشیر کی آواز مسجدِ مدینہ میں گونجی:

"یا اہلِ یثرب! لامقام لکم۔
یثرب کے لوگو! اب یثرب رہنے کے قابل نہیں
حسین کے فرزند، حسین کی غم زدہ بہنوں اور بیٹیوں
کے ساتھ تمہاری طرف آ رہے ہیں اور ابھی زندہ
شام پر ہیں۔"

ابھی شعر کی بات پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ لوگوں کا سیلاب اس جانب رواں ہوگیا۔

مدینہ نے حسین کو سات آٹھ ماہ سے نہیں دیکھا تھا اور رنجیدہ خبریں لوگ سنتے رہے تھے۔ لوگ یکدم حرکت میں آ گئے۔ گریہ و زاری کی آوازیں بلند ہوئیں۔ لوگ استقبال کے لیے دوڑے۔ ایسا جوش و خروش پیدا ہو گیا کہ محمد بن حنفیہ جو قریب ترین شاہدین میں سے تھے وہ بھی بڑی زحمت کے بعد اپنے بھتیجے سے مل سکے۔ میں تصور نہیں کر سکتا کہ جس وقت مدینے کے باہر محمد بن حنفیہ ہجوم کو

چیرتے ہوئے راستہ بنا رہے تھے اور علی بن حسین کے قریب ہو رہے تھے اور جب یہ دونوں عظیم شخصیتیں ایک دوسرے سے ملیں اور جس وقت چچا نے بھتیجے کو گلے لگایا، اور شہادتِ حسین کی خبر اس کی زبان سے سنی تو اس وقت اس منظر کی کیا کیفیت تھی؟ اور اطراف میں موجود حسین کی بیٹیوں اور عورتوں کی کیا حالت ہوگئی تھی؟ اور بنی ہاشم کا حال کیا تھا؟ عوام کی کیا حالت تھی؟ میرے لیے اس کا تصور کرنا ممکن نہیں۔

ان دنوں کوئی ٹیپ ریکارڈر نہیں تھے کہ اس وقت کے ان رقت آمیز حالات کو ریکارڈ کیا جا سکتا اور آج ہم انھیں سن کر یہ دیکھتے کہ سب نے دل کس طرح تھامے ہیں۔ لیکن شب و روز کے اس دور کی ٹیپ نے جو حیرت انگیز ریکارڈ رکھا ہے، چھوٹے سے چھوٹے رجحانات اور گہری سے گہری ہر چیز محفوظ کر رکھی ہے تاکہ مناسب مواقع پر دیا دلوں کے کانوں تک انھیں پہنچا کر ستمگروں کے ظلم و جبر کو جس انتہا پر پہنچا دیا گیا ہو بے نقاب کرتا رہے اور اس کے نتیجے میں ان ظالموں کا راستہ تنگ ہو جائے اور وہ اسلام اور مسلمانوں پر ہمیشہ کے لیے اپنا اقتدار مسلط کرنے کا عزم پورا نہ کر سکیں۔

قافلۂ حسینی چند ماہ بعد اپنے اصل وطن میں واپس آیا، شہر میں داخل ہوا اور اسیرانِ کربلا نے پھر سے اپنے گھروں میں آباد ہو کر نئی زندگی کا آغاز کر دیا۔

میں بیان نہیں کر سکتا ان گھروں کے رہنے والوں نے واپس آنے کے بعد در و دیوار کو کیسا پایا۔ لیکن زبانِ حال بتا سکتی ہے کہ جب حسین کے بیوی بچوں کی نگاہ حسین کے کمرے، ان کی عبادت کی جگہ اور ان کے سونے کی جگہ پر پڑتی ہوگی تو ان کے دل کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی؟

بس سوال کا جواب آپ روبن حال سے حاصل کریں۔ علی بن الحسین کو یہ حق
حاصل تھا کہ وہ بہت گریاں رہیں۔

اگر ان کی دلداری کی جاتی ——— تو،
وہ کہتے:
"تشنگی کس طرح دیکھنے کے مانند ہو سکتا ہے؟
تم نے تو صرف سنا ہے ———
کہ ———
ظالم دشمنوں کے ہاتھ نے میرے باپ اور بھائیوں کو تشنہ
قتل کر دیا ———،
لیکن ———
میں نے تو یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے!"

آپ اس کی تصدیق کریں کہ علی ابن الحسین کو حق حاصل تھا کہ وہ کہے:
"میں بچوں کی العطش کی آواز کو ———
کیسے فراموش کر سکتا ہوں ———؟
جو،
اس وحشت انگیز حالات میں میرے کانوں تک پہنچی تھی۔"

آپ خود اس وقت کے حالات کا تصور کر کے اس بات کو تسلیم کریں کہ حسین کی باوفا رفیقۂ حیات کو یہ حق حاصل تھا کہ وہ کہے:
کہ میں کبھی سائے میں نہیں بیٹھوں گی۔ کیونکہ ان ظالموں نے حسین کے مقدس بدن کو دھوپ میں جلتا پڑا رہنے دیا۔

بلاشبہ انسان زندگی کے بہت سے حوادث کو جلد فراموش کر سکتا ہے اور دکھ سے

خود کو نجات دے سکتا ہے لیکن کبھی کوئی ایسا حادثہ خواہ وہ چھوٹا ہی کیوں نہ ہو بعض ایسے حالات میں رونما ہوتا ہے کہ زندگی بھر کسی قیمت پر اُسے نہیں بھلایا جا سکتا۔

مدینہ سوگوار ہے

بالآخر سیاست بدل گئی حکومت نے پسماندگان حسین کو مجلس ماتم
منعقد کرنے کی اجازت دے دی ہے،
مدینہ کے گورنر نے بھی اپنی رضامندی ظاہر کی ہے ———
لیکن ———
ان مجالس کی نوعیت اور کیفیت کے بارے میں آپ خود سے جائزہ
خیال سے کام لیں ———
کہ ———،
علی بن الحسین ——— اور ——— زینب کبریٰ
اس وقت کس حال میں تھے،
اور ———
جو لوگ تسلی دینے آتے تھے وہ ان سے کیا کہتے تھے؟
مجالس عزا تشکیل پاتیں ———، لوگ تعزیت کے لیے آتے ——— وہ
تسلیات ———،
لیکن کیا حکومت نے اس بات کی اجازت دی،
کہ ———
یزید کے فرزندوں کے ان جرائم کو علانیہ زیر بحث لایا جائے

جو انھوں نے اسلام کے نام پر کربلا میں کیے تھے ——؟

کیا اس بات کی اجازت دی گئی ——

کہ ——

کوئی بھی شخص سر بر جا کر حسینؑ کے قتل و شہادت کے واقعہ

کو بیان کرے ——،

اور ——

امام حسینؑ کے شہادت کا علی الاعلان تذکرہ کرے ——؟

کیا مدینہ کے گورنر نے اس بات کی اجازت دی ——

کہ ——

علی ابن الحسینؑ —— یا —— دوسرے لوگ ——

مجالس عزا میں واقعہ کربلا کے بارے میں معقول بحث کریں

اور ——

حکومت سے حسینؑ اور ان کے دوستوں کو ——

قتل کرنے کی دلیل ——

اور ——

جواز طلب کریں ——،

کیا حکومت نے یہ اجازت دی ——

کہ ——

حوادث کربلا کے بارے میں بحث کی جاسکتی ہے ——

اور ——

تجزیہ و تحلیل کے ساتھ اس واقعہ کے بارے میں تنقیدات پیش

کی جاسکتی ہیں ——

یا ——

صرف اس بات کی اجازت تھی کہ لوگ گریہ کریں،

اگر ——

مجلس عزا میں گریہ کی حد سے باہر قدم رکھا جاتا تو فوراً اسے

روک دیا جاتا اور خطیب کو فسادی، اور مصالح مملکت کا مخالف قرار دے کر

گرفتار کر لیا جاتا ——،

اور ——

جیل میں بھیج دیا جاتا ——،

کیا مدینہ کی مجالس عزا میں ہماری مجالس کی طرح صرف گریہ ہوتا ہے۔

یا ——

شہدائے کربلا کے مقدس اور بلند مقصد کے بارے میں بھی

بحث ہوتی ہے ——؟

میں نہیں سمجھتا کہ یزید کی اس آمرانہ حکومت نے [illegible] کے

طرفداروں کے مدینہ کی مجالس عزا میں بنیادی سیاسی بحثوں کی اجازت دی ہوگی

یہ صحیح ہے کہ یزید کی سیاست میں تبدیلی آگئی تھی [illegible]

بہتر سمجھتا تھا

لیکن ظالموں کی سیاست بدلتی ہے ——

تو ——

کسی دوسری سیاست کے مفاد کے لیے وہ ایسا کرتے ہیں ——

اس لیے نہیں ——،

کہ وہ باطل کی طرف سے حق کی جانب آ رہے ہیں،

اور ——

کفر کا راستہ ترک کر کے ایمان کا رُخ کر رہے ہیں۔

کسی ذکی، موہوب اور کیفیت کے ساتھ مدینہ میں مجالس عزا برپا ہوں تب بھی

اس دوران کی خصوصیات سے واقفیت حاصل نہیں کر سکتے۔

ہمارا مقصد ان مجالس کی خصوصیات معلوم کرنا اور مرثیہ خوانوں کے پیچھے جانا

نہیں ہے بلکہ ہم داستانِ کربلا کے حوادث اور نتائج کے بارے میں گفتگو کرنا

چاہتے ہیں۔

ہم چل کر دیکھتے ہیں کہ یہ کارواں جو چند ماہ قبل ایک خاص حالت و کیفیت

کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوا تھا اور آج اس حالت میں واپس آیا ہے وہ اپنے

ساتھ کیا سوغات لایا ہے؟

کیا غم و اندوہ، رنج و الم، افسردگی و دل شکستگی کے سوا ——

کوئی اور چیز بھی ——

اس کے ساتھ ہے ——؟

جو کارواں اپنے عزیزوں کے ساتھ گیا ——

اور پھر وہ ——

ان سے محروم ہو گیا ——

اور،

اس حال میں واپس آیا ——

تو ——،

اسے اس کا کیا صلہ و فائدہ ملا ——؟

قافلۂ کربلا کی سوغات

بلاشبہ یہ کارواں اپنے عزیزوں کو کھو بیٹھا ——

اور ——

اس نے بڑا رنج اور مشقت بھی برداشت کی ——

لیکن یہ اپنے ساتھ ایک قیمتی سوغات بھی لایا ——

اس کارواں کو اس مقصد میں کامیابی حاصل ہوئی کہ اس نے عالمِ اسلام

کو بیدار کر دیا —— اور —— ظالموں کی حکومت کو رسوا کر دیا۔

اس کارواں نے ہر موقع سے استفادہ کرتے ہوئے ——

اور ——

حکومتِ یزید کے خلاف پے در پے تبلیغات کرتے ہوئے

بنی امیہ کے مقام اور موقف کو

خطرات سے دوچار کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

یزید اس خیالِ خام میں مبتلا تھا ——

کہ ——

خودسری اور ستمگری کے ذریعہ عوام کی ناراضگی اور غصہ کا مقابلہ

کیا جا سکتا ہے —— اور ہر حکومت کو طول دیا جا سکتا ہے۔

اور ——

گناہ کی تلافی گناہ سے کی جا سکتی ہے۔!

یزید نے اپنے اس غلط طرزِ فکر کے ساتھ حسینؑ کی تحریک کا مقابلہ کیا اور

بربریت اور وحشتناک خونریزی کا مرتکب ہوا ——

مدینہ جیسے مقدس شہر میں قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا ——

خدا کے گھر ——

کعبہ کو خراب کیا ——،

مسلم عوام کے دینی جذبات کو اس نے اس طرح مجروح کیا کہ ان کے زخموں کا پھر کوئی اندمال نہ ہو سکا۔

عراق ایک انقلابی آگ میں جلتا رہا۔ مدتوں اسے ——

امن و سکون میسر نہ آیا،

یزید کے غلط طرز فکر و عمل کے خلاف عوام کا ردعمل ——

بنی امیہ کی حکومت کو ——

سقوط و زوال سے قریب لاتا رہا۔

اس کاروان کے مدینہ سے کربلا ——

اور ——

کربلا سے مدینہ تک سفر نے پوری مملکت پر ایسا گہرا اثر ڈالا ——

کہ،

جیسے بنی امیہ کی حکومت کے خلاف ——

ایک عام لام بندی وجود میں آگئی ہو —— اور بالآخر اسی چیز نے ان کی حکومت کو سقوط سے دوچار کر دیا۔

بالاستمرار کربلا اور اس کے اسیروں کو یہ کامیابی حاصل ہوئی کہ انھوں نے

ماحول کو تبدیل کر دیا ——

اور ——

ایک دوسری حکومت کے لیے ——

میدان ہموار کر دیا،

تاکہ ——

اس موقع سے فائدہ اٹھا کر حقیقی اسلام اور معارف اسلامی کو پھیلا سکیں۔

یقیناً کربلا اور اس کے اسیروں کو یہ کامیابی حاصل ہوئی،

کہ ——

انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کو سقوط کے خطرے سے ——

نجات بخشی ——

اور ——

آئندہ نسلوں کو دین نبی کی مقدس روح سے آشنا کیا۔

ہم اس بحث کو دو شبہات ——

اور ——

ان کے جواب پر ختم کرتے ہوئے آخر میں ایک مختصر سی ——

علمی بحث ——

ضروری سمجھتے ہیں، انشاء اللہ ——

روشن خیال حضرات کے
حسینؑ پر اعتراض

جو لوگ خود کو روشن خیال کہتے ہیں امام حسینؑ پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"حسینؑ! تم نے اس بحران کے ذریعہ کیا نتیجہ حاصل کیا؟

سوائے اس کے ——

کہ تم نے خود کو ــــ اور ــــ اپنے دوستوں کو ــــ

قتل کرا دیا ــــ ،

بیوی بچوں کو قید کرا دیا ــــ

اس سے حکومت وقت اور زیادہ جری ہو گئی ــــ اس نے
اسلامی معاشرہ کے لیے مسلسل مشکلات پیدا کیں ــــ

مدینہ میں قتل عام کیا ــــ ،

اور ــــ

کعبہ کو خراب کیا ــــ ،

یہ صحیح ہے کہ حکومت بنی امیہ ختم ہو گئی لیکن اس کی جگہ ایک
عادلانہ حکومت بھی برسر اقتدار نہیں آئی ۔

بنی عباس کی حکومت بھی ۔ بنی امیہ کی حکومت سے کچھ کم نہ تھی
اس نے بھی بہت زیادہ ظلم وستم کیا ۔

حادثہ کربلا کے بعد حکومت اسلامی چند دنوں کے لیے بھی فرزندان علیؑ
کے ہاتھوں میں نہ آسکی ۔ بنی عباس کے خلفاء کے بعد دنیا نے ایک دوسرا روپ
دھار کر مقام خلافت اور سلطنت کے اداروں کو نقصان پہنچایا ــــ ،

اور بتدریج ــــ

اس حکومت کی وضع قطع کو تبدیل کر دیا ــــ ،

چنانچہ ــــ ،

آج تک دنیا ایک صد فی صد عادلانہ حکومت کی شکل نہیں
دیکھ سکی ہے ــــ ،

اس نقطہ نظر سے جب ہم تاریخ کا جائزہ لیتے ہیں تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے

حسینؑ کے اس قیام اور مبارزہ کا کیا نتیجہ برآمد ہوا ــــ ؟

اس قسم کی مخالفتوں کا کیا ثمر مل سکا ــــ ؟

ان طاقتوں کے ساتھ جنگ نے ایک جماعت کے لیے مصائب
کے سوا اور کیا نتیجہ پیدا کیا ــــ ؟

روشن خیالوں کے لیے روشن جواب

یہ درست ہے کہ حادثہ کربلا کے بعد اسلامی معاشرے کی صد فی صد
عادلانہ حکومت کی شکل نہیں دیکھی ۔

یہ بھی صحیح ہے کہ بنی عباس کی حکومت بنی امیہ سے کچھ کم نہ تھی ۔

یہ بھی درست ہے کہ دنیا کے حالات بدل گئے ــــ

اور ،

حکومتوں نے ایک دوسرا رنگ اور طرز اختیار کر لیا ــــ

اور ــــ

فرزندان علیؑ ــــ ،

زمام حکومت ہاتھ میں لے کر ایک مثالی اسلامی حکومت
قائم نہ کر سکے ــــ ،

لیکن ــــ

تاریخ کا مثبت نظر سے بھی مطالعہ کیا جانا چاہیے ــــ
گزرے ہوئے زمانے اور جبر زندگی کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیے ۔
بحیثیت مجموعی حوادث زندگی کا مطالعہ ہمیشہ منفی نگاہ ہی سے نہیں ہونا چاہیے
مثبت پہلو بھی پیش نظر رکھا جائے ۔

اس سارے معاملہ پر اس حیثیت سے بھی نظر ڈالی جائے کہ اگر یہ مبارزہ
اور جنگ نہ ہوتی تو اسلام اور مسلمانوں کا کیا حشر ہوتا؟

اور ——

اسلامی زندگی کی تاریخ کس طرح آگے بڑھتی؟

اس قیام اور مبارزہ سے تاریخ کا راستہ کس طرح تبدیل ہوا؟

اور ——

مسلمانوں پر راہِ سعادت کس طرح کھلی؟

بلاشبہ حادثہ کربلا کوئی معمولی حادثہ نہیں تھا اور "طف" کا واقعہ
کوئی سادہ سا تاریخی واقعہ نہیں تھا۔

حکومتِ وقت سے حسین ابن علیؑ کا مقابلہ ایک گہرے اور دور رس
اثرات رکھنے والا مقابلہ تھا جو اسلامی اجتماعی زندگی کے عین وسط میں پیش
آیا۔ یہ ایک ایسا ٹکراؤ تھا جو زندگی کے وسیع سمندر کے عین درمیان رونما ہوا۔

حسینؑ کا قیام ایک چھوٹے سے دھماکے کی حیثیت رکھتا ہے جس نے پہلے تو
ایک استبدادی حکومت کے
اقتدار کے نشے میں چور ——،
دماغ پر ضرب لگائی۔

اور ——

بعد میں ایک وسیع اسلامی بادشاہت و آمریت کو ہلا کر
رکھ دیا ——،

اس قیام اور اس تحریک نے
اور —— اس مقابلہ و تصادم نے ایک

چھوٹی سی تحریک پیدا کی جس نے ——
کربلا کی زمین اور اس کے اطراف کے علاقوں کو ——
اپنی لپیٹ میں لے لیا ——
زیادہ دیر نہ گزری کہ ——
یہ تحریک کوفہ تک پہنچ گئی —— اور —— اس نے
پورے عراق کو اپنے حلقۂ اثر میں لے لیا ——
پھر شام بھی ——،

اور ——

گہری جڑیں رکھنے والی استبدادی حکومت کو نئی طرف متوجہ کیا

اور ——

اس وقت کی پوری دنیائے اسلام پر چھا گئی ——

یہ موج پہلی اس سست رفتار کے ساتھ بڑی پرسکون تھی اور اس میں چنداں
جوش و خروش نہ تھا۔ لیکن چھ ماہ بعد ہی یہ کوفہ سے ایک جوشیلی تحریک کی
حیثیت سے اٹھی۔ (توابین کی تحریک)

ایک سال بعد مزید جوش کے ساتھ مدینہ سے ——

اور،

اس کے بعد مکہ سے اٹھی —— یہاں تک کہ اس نے
یزید کی شہنشاہانہ حکومت کو لرزا دیا۔

اور پھر ——

زیادہ وقت نہیں گزرا کہ بنی امیہ کی پچاس سال سے زیادہ قائم
حکومت کا قصر زمین پر آ رہا ——،

قیامِ حسینؑ کا سب سے بڑا نتیجہ یہ تھا: —

کہ —

اس نے اسلامی معاشروں پر ظلم کرنے والی —

استبدادی حکومت

کی گرفت کمزور کر دی —

بنی امیہ کے خلاف استبداد کا عمل بے بس ہو گیا —

اسلامی ممالک کے حالات پراگندہ اور منتشر ہو گئے —

اور —

لوگوں نے جان لیا کہ اب بنی امیہ کا تختِ عمل قابلِ اعتبار نہیں۔

نئی عباسی حکومت میں برسرِ اقتدار آ گئے — اور — کسی قدر نرم حکومتیں وجود میں آئیں —

اور —

بتدریج ایسی حکومتیں قائم ہوئیں جو زیادہ عادلانہ تھیں۔

ہزاروں افراد پر مستقل علمی ادارے وجود میں آئے

فرزندِ حسینؑ امام صادقؑ کے درس کی مجلس ہر علمی مجلس سے زیادہ پرشکوہ تھی۔ دوسرے مکتبوں اور اداروں نے بھی کام شروع کر دیا

اس طرح —

اسلام کو سلطنت میں اثر و نفوذ حاصل ہوا —

سے یہ کے دربار کے اخراجات کا مقصد دانشوروں کی بحثوں کا موضوع بن گیا۔ اسلامی درباروں اور دوسرے ملکوں کے درمیان علمی و

تہذیبی روابط کا آغاز ہوا —

اور —

اسلامی علوم کا دوسرے علوم کے ساتھ موازنہ و مقابلہ شروع ہوا، جو اسلام کی ترقی کا ایک اہم عامل رہا ہے۔

حسینؑ کے ہونہار فرزند —

ائمۂ ہدیٰ —

اسی گیرودار میں مختلف حیثیتوں سے اسلامی اصل کتب اور مقدس معارفِ آسمانی کی روح کی تشریح اور ترویج میں مصروف رہے اور اسلام کو کامیابی سے بہرہ مند کیا۔

فرزندانِ حسینؑ کی ان ہی سرگرمیوں اور کوششوں نے جو موافق و ناموافق حالات میں انجام پاتی رہیں اسلام کی بنیاد کی حفاظت کی تاکہ اسے دلوں میں ایسی جگہ مل جائے —

کہ —

کوئی طاقت اسے دلوں سے نہ نکال سکے۔

یہ سرگرمیاں انقلابِ حسینیؑ اور شہادتِ حسینؑ کے سائے میں وجود میں آئیں۔ ان کوششوں کی وجہ سے معارفِ اسلامی کی روح کو اسلامی معاشروں میں قبولیت ملی۔ حسینؑ کی جدوجہد اسی مقصد کے لیے بتدریج ساری دنیا میں پھیل گئی

اور —

آج کی دنیا میں بھی اس کی پیش رفت جاری ہے —

اسی بنا پر یہ انقلاب یعنی حادثۂ کربلا لوگوں کی اس قدر توجہ کا مرکز بن گیا اور اسلامی تاریخ کے حساس ترین صفحات پر اس نے جگہ حاصل کر لی۔

تقدس مآب لوگ
حسینؑ کے لیے شبہات پیدا کرتے ہیں

وہ کہتے ہیں:

"حسینؑ عزیز! فرزندِ پیغمبرؐ!
تم ہم سے زیادہ فقہ اسلامی سے واقفیت رکھتے ہو،
تم ہم سے بہتر احکام اسلامی کی باریکیوں کو سمجھتے ہو،
تو پھر تم کیوں ضروری شرائط اور مقتضیات کا لحاظ نہیں کرتے۔"

"حسینؑ عزیز!
تم جانتے ہو، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی شرائط میں
سے ایک شرط کا تعلق ——
تاثیر کے احتمال سے ہے ——
پہلے یہ معلوم کرو کہ تمہاری باتیں اثر بھی کرتی ہیں یا نہیں ——
اپنی ذمہ داری کا تعین کرو۔ اگر تاثیر کا احتمال نہیں ہے تو پھر ——
امر بالمعروف اور نہی المنکر کا کوئی موقع نہیں ہے۔"

"ان حالات اور ان شرائط میں تم کس طرح ——
امر بالمعروف کر سکتے ہو ——
تم جانتے ہو کہ یزید کی خلافت و حکومت کا لائحہ عمل وہی ہے
جو ——
معاویہ کا تھا ——
یہ بھی تم جانتے ہو کہ معاویہ نے کسی کو زبان کھولنے کا حق نہیں

دیا تھا ——،
اس نے تمام مخالفین کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا تھا،
اور ——
ان کی سرکوبی کی تھی۔"

"ایسے خراب حالات میں،
اور ——
دشمن کے ایسے ماحول میں، —— اور —— حکومت
کے ایسے سخت طریقۂ کار کی موجودگی میں ——
جو کسی کا لحاظ نہیں کرتا ——
تو کس طرح فعال اگر —— امر بالمعروف و نہی عن المنکر
کا فرض انجام دیا جا سکتا ہے —— ؟"

"حسینؑ عزیز!
ان حالات میں نہ صرف یہ کہ تاثیر کا کوئی احتمال نہیں ہے۔
بلکہ ——
نتیجہ بالکل برعکس برآمد ہوگا۔"

"بس حکومت کے انحرافات پر تنقید یزید کو اور جری بنا دے گی۔
اور ——
تمہارے لیے —— اور —— دوسروں کے لیے؛
زحمت کے بہت سے اسباب پیدا کر دے گی۔"

"تم اگر چاہتے ہو، علی الاعلان یزید کے اعمال ——
اور ——

اخلاق پر تنقید کرو، تم اگر علانیہ یہ کہنا چاہتے ہو ——
کہ ——،
یزید شراب پیتا ہے،
جُوا کھیلتا ہے ——،
جنسی آوارگی میں مبتلا ہے —— اس لیے وہ ——
خلافت کا حق نہیں رکھتا،
اُسے ——
اس منصب سے ہٹ جانا چاہیے ——،
تو ظاہر ہے —— ۔
—— وہ بھی خاموش نہیں بیٹھا رہے گا —— وہ مقابلہ پر
آجائے گا —— اور بالآخر ہمیں اندیشہ ہے ——
کہ ——
نازک صورتحال پیدا ہو جائے گی ——
اور ——
تکلیف و اذیت کے اسباب پیدا ہو جائیں گے۔"

"خلاصہ یہ کہ حسین عزیز!
چونکہ ——
امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے لیے حالات سازگار نہیں ہیں
اور ——
ضروری شرائط مہیا نہیں ہیں تو تم پر یہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی
کہ کوئی بات کرو یا کوئی قدم اٹھاؤ۔"

حسین عزیز!
بالکل معدوم ہو جانے سے ناقص وجود کا باقی رہنا بہتر ہے۔
اب جبکہ تم مدینہ میں زندگی بسر کرتے ہو مومنوں کی ایک جماعت تمہارے ساتھ
ہے ——
کم و بیش ——
ان کی مجلسیں منعقد ہوتی ہیں —— اور —— ان مجالس
میں آپ کے نانا کی احادیث و روایات بیان کی جاتی ہیں۔
اور ——
لوگ بڑی حد تک اس سے استفادہ کرتے ہیں۔
"لیکن اگر تم یزید کے مقابلے کے لیے اٹھو گے تو وہ جری ہو جائے گا
اور اس رہے سہے کو بھی برباد کر دے گا —— اور —— تمام دینی
اداروں اور سرگرمیوں کو ختم کر دے گا۔"

"حسین عزیز!"
تمہارا یہ کام خطرناک اور نامناسب معلوم ہوتا ہے —— ہم
خواہش کرتے ہیں ——
اور ——
تم سے تقاضا کرتے ہیں ——
کہ ——
ابھی اور اپنے ساتھیوں کی جانوں کی حفاظت کے لیے رک
جاؤ —— اور کسی مناسب موقع کا ——
انتظار کرو۔"

تقدس مآبوں کو حسینؑ کا جواب

• جناب مقدس! جناب متشرع!
آپ مومن ہیں ——!
اور ——
اسلام کے لیے آپ کا دل تڑپ رہا ہے اور اس پر بھی آپ کہتے ہیں کہ بالکلیہ عدم سے ناقص وجود باقی رہنا بہتر ہے۔
• یہاں بحث امر بالمعروف —— اور —— نہی عن منکر کی ہیں؛
یہاں ——
ادائیگی فرض کے لیے شرائط کی موجودگی ——
اور ——
عدم موجودگی ——
کا سوال نہیں ہے ——
اگر آپ ذرا بھی غور کریں تو مسئلہ کے عنوان ہی سے اصل مطلب کو سمجھ سکتے ہیں ——۔
ایسا معروف کہ جس پر عمل نہیں ہوتا لیکن اسے معروف کی حیثیت سے پہچانا جاتا ہے۔
اس کے لیے حکم دیا جانا چاہیے ——
یعنی ——
اللہ تعالیٰ کے واجب احکام ترک کیے جاتے ہیں لیکن ان کے وجوب کو مانا جاتا ہے ——

ان کا حکم دیا جانا چاہیے۔
ایسا منکر جس کے لوگ مرتکب ہوتے ہیں ——
لیکن ——
اس کے منکر ہونے کے قائل ہیں ——
اس سے انھیں روکا جانا چاہیے۔
یعنی ——
لوگ اگر معاصی اور گناہوں کے مرتکب ہوں لیکن وہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ گناہ اور منکر ہے ——
تو،
انھیں اس سے روکا جانا چاہیے۔
اور ——
اس ضمن میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے شرائط کی رعایت کی جانی چاہیے ——
لیکن ——
اگر لوگ معروف کو منکر یا منکر کو معروف میں تبدیل کرنا چاہیں یعنی حلال کو حرام یا حرام کو حلال کرنا چاہیں۔
یہاں عمل کا سوال پیدا نہیں ہوتا کہ مراعات کی جائے ——
یہاں بحث قانون سے ہے ——
• موضوع بدعت ہے ——
دین میں بدعت کو داخل کرنا ——
ترک معروف —— اور —— ارتکاب منکر سے مختلف

چینا ہے۔

"جناب مقدس!

یزید کا لاکر عمل جیسا کہ ہم نے پہلے کہا ——

بدعت کے مسئلہ سے تعلق رکھتا ہے —— یعنی —— آمدہ

یہ ہوگا ——

کہ ——

اسلام یہ اور یہ ہے ——————

اور ——

اس کی دلیل یہ ہوگی کہ خلیفۃ المسلمین کا یہی عمل ہے ، ور

مسلمانوں نے خلیفہ کی پیروی کی ہے اور کسی نے اس کی مخالفت نہیں کی ہے"

"بدعت کے ظہور کے مسئلے میں

حدیث ——

"فعلی العالم ان یظہر علمہ"

پڑھی جانی چاہیے ——

نہ کہ یہ فقرہ ——

التقیۃ دینی و دین آبائی"

اسلام کے مکتب میں تو یہ کہا گیا ہے کہ اگر ثابت شدہ الٰہی قانون

دستبرد کی زد میں آجائے تو ہر عالم کا یہ فرض ہے

کہ ——

وہ اس کے خلاف بولے —— اور —— مخالفت کرے

ورنہ ——

قیامت کے دن آپ کی ... لینے کے لئے

تیار ہو جائے ——

یہ ہے

تقدس مآبوں کا جواب

اب ہم ایک چھوٹے سے علمی مسئلہ پر بحث کو ختم کرتے ہیں۔

ایک چھوٹی سی علمی بحث

کیا اللہ تعالیٰ نے حسینؑ اور ان کے دوستوں کو شہادت کے لیے

پیدا فرمایا ——

اور ——

ابن سعد —— اور —— شمر کو انھیں قتل کرنے کے لیے؟

کیا یہ ایسی داستان تھی،

کہ —— ،

وہ علم الٰہی سے نکل کر آسمانوں پر لکھی گئی؟

پیغمبروں کے علم میں آئی ——

اور ——

حسینؑ کے نانا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے

بارے میں فرمایا —— اور —— آپ کے والد اور آپ کی والدہ اور بھائی

۔ حسین بن علیؑ ... رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث کو پڑھے

تھا آپ کے ... کے نام خط میں لکھی تھی صفحہ ۲۲۱

کیا وہ شہادت جو خدا کے علم سے نکل کر آسمانوں میں لکھی گئی ——
اور ——
اس کی تمام خصوصیات سے حسینؑ خود واقف تھے ——
یہاں تک کہ ——
اپنے گرنے کی جگہ —— اور —— قتل گاہ کی بھی وہ
اطلاع دیتے ہیں ——
کیا یہ بات قابلِ تغیر ہے ——؟
کیا یہ درست ہے ——
کہ —— ۔
امامؑ جانتے تھے کہ شہادت کے سوا ان کا انجام اور کچھ نہیں
ہے اور بلاشک وہ قتل کیے جائیں گے ——'
کیا یہ صحیح ہے ——
کہ ——
امام عالم غیب تھے اور آئندہ تمام حوادث کا علم رکھتے تھے
اور کربلا کے واقعہ کو بھی تمام جزئیات کے ساتھ ——
وہ جانتے تھے۔
کیا امامؑ نے اسی علم غیب کی بنا پر کہتے تھے ——
صرف میرا بیٹا علیؑ ،
کربلا سے زندہ واپس ہوگا؟
اگر امامؑ یہ جانتے تھے ——
کہ ——

نے اس کے بارے میں کہا ——
اور ——
خود امام حسینؑ اس سے واقف تھے۔
کیا نظامِ مقدرات میں ایسا ہوتا تھا ... ؟
کیا یہ لکھا گیا تھا ——
کہ ——
حسینؑ اور ان کے دوستوں کو ابن سعد اور اس کے فرزندوں
کے ہاتھوں قتل ہونا ہے؟
یہ تک کہا جاتا ہے ——
کہ ——
ابن سعد ابھی چھوٹا بچہ تھا ——
جب وہ واقعہ کوفہ کی مسجد میں پیش آیا ——
اور ——
علیؑ نے سعد سے فرمایا:
کہ ——
تیرے گھر میں ایک (لڑکا) ہے جو میرے بیٹے حسینؑ کو قتل
کرے گا —— ،
اور ——
اس دن کے بعد سے ——
لوگ ،
ابن سعد کو اسی حوالے سے پہچاننے لگے تھے ——"

وہ قتل کیے جائیں گے،

یا ——

فلاں شخص ان کا قاتل ہوگا —— یا —— فلاں مقام

پر وہ شہادت پائیں گے ——

تو ——

کیا یہ چیزیں قابلِ تغیر نہیں تھیں ——

نہ امام اور نہ قاتل

کوئی چیز بھی خواہ اس کا تعلق زمان و مکان سے ہو یا دوسرے اسباب سے قابلِ تغیر نہیں؟

اگر ایسا ہی ہے جو حسینؑ کی باتوں میں اسے کم و بیش دیکھا جا سکتا ہے

تو پھر ان اقدامات کا کیا مقصد تھا؟

رات کے وقت مدینہ سے روانہ ہونا،

خطوط لکھنا،

مدد طلب کرنا،

بیانات کروانا،

مسلم کی شہادت کے دن سے ناواقف ہونا،

اور ——

کوفہ کی طرف جانا وغیرہ ۔ ۔ ۔

ان سب کا کیا مطلب ہے ——؟

آخر اگر امامؑ کو معلوم تھا تو انھوں نے کیوں اقدام کیا ——؟

اگر علم جانتے تھے ——

کہ ——

اس رات وہ ابن ملجم کے ہاتھوں شہید ہوں گے ——

تو ——

وہ مسجد کیوں گئے ——؟

اگر امام حسنؑ کو معلوم تھا کہ پانی زہر آلود ہے ——

تو ——

انھوں نے کیوں پیا ——؟

اگر حسینؑ جانتے تھے کہ کربلا کا راستہ ان کی شہادت پر ختم ہوگا ——

تو ——

وہ کیوں گئے ——؟

اگر وہ نہیں جانتے ہیں اور وہ بھی دوسروں کی طرح فطری راستوں پر چل کر اپنے کام انجام دیتے ہیں اتنے بہتر طور پر چلتے ہیں۔ جیسا کہ ساری داستان کی ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے ——

پھر ——

پیغمبرؐ اور امامؑ کے علم کے بارے میں جو روایات ہیں،

وہ کیا ہیں ——؟

اور ——

وہ ارشادات جو اس واقعہ کے بارے میں حسین بن علیؑ سے تعلق رکھتے ہیں ——

اور ——

جو پیشین گوئیاں آپ نے فرمائیں۔ ان کی کیا حیثیت ہے؟

خلاصہ یہ کہ یہ باتیں دو سوالوں کے گرد گھومتی ہیں :

(۱) ——— کیا پیغمبر اور امام دنیا کے آئندہ واقعات کے بارے میں علم رکھتے ہیں ؟

(۲) ——— کیا وہ واقعہ جسے پیغمبر یا امام جانتے ہیں تبدیل ہو سکتا ہے ——— ؟ اگر تبدیل نہیں ہو سکتا تو ان اقدامات کی کیا تعبیر کی جا سکتی ہے جو پیشین گوئیوں سے مطابقت نہیں رکھتے ؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے ———

کہ ——— ،

شیعہ نقطۂ نظر سے پیغمبر اور امام کو دو علم دیے گئے ہیں ،

ایک تو وہی علم طبیعی اور عمومی ———

جو ———

ہر انسان کو حاصل ہوتا ہے

اور ———

وہ مراتب زندگی اور شخصیتوں کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے

دوسرا علم ، اسے ہم علم خداداد کہہ سکتے ہیں ———

یعنی ———

وہ علم جو علم الٰہی سے مستقل ارتباط رکھنے کی وجہ سے حاصل ہوتا ہے ———

اور ———

اس ارتباط کے ختم ہوتے ہی یہ بھی ختم ہو جاتا ہے ۔

گزشتہ اور آئندہ واقعات سے متعلق انبیاء اور ائمہ کی اطلاعات ،

جہاں تک صورت علم غیبی سے تعلق رکھتی ہیں ———

وہ ———

صرف اسی ارتباط اور علم الٰہی کی وجہ سے ہیں ۔

یعنی ———

پیغمبر اور امام ، علم ربوبی سے ارتباط برقرار رکھتے وقت ،

بلندی سے دنیا پر نگاہ ڈال کر ———

حوادث و واقعات کو دیکھ کر خبر دے سکتے ہیں ———

لیکن ———

جب علم الٰہی سے ان کا یہ ارتباط ختم ہو جاتا ہے ———

تو ———

وہ اس کمال انسان کامل اور روشن ضمیر سے زیادہ علم نہیں رکھتے ۔

جو ایک حد تک عقل و معلومات کے سلسلے کے واسطے کو جانتا ہے ———

البتہ ———

اس صورت میں وہ غیب کی باتیں نہیں کہہ سکتے اور پردہ کے پیچھے کے واقعات کے بارے میں کچھ نہیں بتا سکتے ۔

اس اعتبار سے پیغمبر اور امام کے علم کے بارے میں جو احادیث اور روایات ہم تک پہنچی ہیں وہ صحیح ہیں ———

اور ———

وہ اقدامات ———

جو فطرت کے راستوں پر چل کر انجام دیے گئے ہیں اور باتیں

ہے ——

کربلا کے بعد سے متعلق، حسین ابن علیؑ نے کہی ہیں ——

وہ بھی صحیح ہیں ——

اور ——

وہ کام بھی صحیح ہیں ——،

جو قوانینِ فطرت کے مطابق انجام کر دیے گئے ہیں ——

البتہ ——

دوسرے سوال کے جواب میں ہمیں علمِ الٰہی کے بارے میں غور و
فکر کرنا ہوگا اور یہ معلوم کرنا ہوگا کہ اگر کوئی چیز علمِ الٰہی سے گزر جائے تو وہ قابل
تبدیل ہے یا نہیں؟

اگر ——

پیغمبر یا امام نے ——

علمِ نبی سے کسی واقعہ کے بارے میں جان لیا تو اس کا ٹلنا ممکن
ہے یا نہیں —— ؟

یہ الگ بات ہے کہ ایک سوال کے جواب سے موضوع حل ہو جاتا ہے اور
اصل مقصد روشن ہو جاتا ہے۔

اگرچہ کہ اس سوال کے جواب کے لیے علمی بحث کی ضرورت ہے۔

لیکن ——

تاریخ بینی سے اس کا جواب بہت روشن ہے اور تھوڑی سی توجہ
سے ایک سرسری ——

اور —— قطعی جواب دیا جا سکتا ہے۔

سوال یہ ہے

کہ ——

خدا جو کہ آئندہ حوادث کو دیکھتا ہے ——

اور ——

جانتا ہے ——،

کیا ان حوادث کے بارے میں بھی جو انسانوں کے ہاتھوں
سے وجود میں آتے ہیں ——

یہ جانتا ہے ——

کہ ——

فلاں انسان اس کام کو مجبور اور ناچار ہو کر انجام دے گا؟

یا ——

اپنی پسند اور اختیار کے ساتھ انجام دے گا ——؟

یعنی خدا جانتا تھا ——

کہ ——

ابن سعد اور شمر،

حسین ابن علیؑ کو قتل کر دیں گے —— لیکن —— کیا یہ
اختیار سے یا جبر سے ——؟

خدا جانتا تھا ——

کہ ——

حسین ابن علی اور اس کے دوست کربلا میں مقابلہ کے بعد
قتل ہو جائیں گے لیکن کیا جبراً یا اختیاراً؟

ظاہر ہے کہ علم اپنے معلوم سے اختلاف نہیں کرتا ـــــــ ،

یعنی ـــــــ

جیسا کچھ کہ واقع اور خارج میں ہوتا ہے علم ـــــــ

ویسا ہی ظاہر کرتا ہے ۔

فی الواقع ،

ابن سعد اور شمر ـــــــ

حسینؑ کے قتل کرنے میں مجبور تھے یا مختار ـــــــ ؟

حسین ابن علیؑ کربلا جانے ـــــــ

اور ـــــــ

مقاومت کرنے میں ـ مجبور تھے یا مختار ـــــــ ؟

حسینؑ اور ان کے دوست ـــــــ

شب عاشورا کو وہاں رہ گئے ـــــــ

اور ـــــــ

وہاں سے چلے جانے میں مجبور تھے یا مختار ـــــــ ؟

اگر ابن سعد اور شمر مجبور تھے تو پھر خود ہم نے بھی اس عمل کو
بُرا کیوں کہا اور دوسروں نے بھی ایسا کیا ـــــــ ؟

اگر حسین ابن علیؑ کربلا جانے اور قتل ہونے پر مجبور تھے تو پھر کیوں
ان کے مقدس مرتبہ کی تعریف کی جاتی ہے ـــــــ

اور ـــــــ

انھیں آزاد انسانوں کا رہبر اور انسانوں کا پیشوا ـــــــ

ـــــــ قرار دیا جاتا ہے ؟

اگر طرفین مجبور تھے ـــــــ

تو ـــــــ

پھر کیوں اس قدر شہدائے کربلا کی بزرگی بیان کی جاتی ہے ـــــــ

اور ـــــــ

اس کے دستہ داروں پر لعن و نفرین کی جاتی ہے ـــــــ

یا ـــــــ

ان کے کیفر کردار کو پہنچنے کی باتیں کی جاتی ہیں ؟

اور ـــــــ

جزا کی باتیں کی جاتی ہیں ـــــــ ؟

یہاں جبر و قدر کی بحث نہیں ہے کہ ہم دلائل سے ثابت کریں کہ
انسان اپنے ارادی کاموں میں مختار ہے ۔

لیکن ـــــــ

وجدان کی طرف تھوڑی سی توجہ سے اس مسئلہ کا حل معلوم کیا جا سکتا
ہے کہ حسینؑ اور ان کے دوست بھی مختار تھے ـــــــ

اور ـــــــ

ابن سعد اور شمر بھی ،

طرفین ارادہ و اختیار سے وہاں آئے تھے ، اور اسی دلیل کی
بنا پر وہ تعریف کے اور برائی کے مستحق قرار پاتے ہیں ـــــــ

اور ـــــــ

جزا و سزا کے ۔

اسی بنا پر ہم کہتے ہیں ـــــــ

کہ ——

خداوند جانتا ہے کہ فریقین اختیار کی رو سے ایسا کریں گے۔

علم الٰہی اسی اختیار کی بنا پر، اسی طرح علم پیغمبر و امام بھی ——

جو ——

انھیں علم الٰہی سے حاصل ہوتا ہے ——

اسی اختیار کی بنا پر ——

کسی فریق کو مجبور نہیں کرتا ——

یعنی ——

کام کے اندر تغیر کا امکان باقی ہے۔ علم الٰہی بھی اس کی مخالفت نہیں کرتا (یمحو اللہ ما یشاء و یثبت)

اور ——

پیغمبر اور امام اسی بنیاد پر ناموس طبیعت کے مطابق کارہا کو انجام دیتے ہیں۔ ——

لیکن ہم عمل ہونے کے بعد جان لیتے ہیں ——

کہ ——

یہ واقعہ خدا کے علم میں ایسا ہی تھا ——

البتہ ——

پیغمبر اور امام کا علم صحیح ہے کہ وہ علم الٰہی سے حاصل کیا جاتا ہے

لیکن ——

دونوں میں فرق ہے،

علم الٰہی میں محو و اثبات کی گنجائش ہوتی ہے ——

اور ——

وہ مکلف کے اختیار کے ساتھ موافقت کرے گا ——

لیکن ——

پیغمبر اور امام —— محو و اثبات کے مراتب کو نہیں جانتے،

جیسا کہ روایات میں اس پر بھی بحث کی گئی ہے فی الحال اس بحث سے ہمارا تعلق نہیں۔

اگرچہ داستان کربلا پر علم الٰہی کی رو سے بحث کریں اور متعلقہ روایات کو پیش نظر رکھیں تو کوئی اشتباہ پیدا نہیں ہوتا

اگر ——

فطرت اور ظاہری صورت کی رو سے، جو عام فہم سے مطابقت رکھتی ہے، ہم غور کریں تو بھی کوئی اشتباہ پیدا نہیں ہوتا۔ اسی دلیل کی بنا پر ہم نے اس واقعہ کا سادہ، فطری، عمومی اور عادی طریقے سے مطالعہ کیا ہے تاکہ اس نقطہ نظر سے اس واقعہ کے نتیجہ پر نگاہ ڈال کر اپنی روزمرہ کی زندگی میں اسے نمونہ بنائیں۔

ہمیں امید ہے کہ آپ خود اور مسلمان بھائی اس دلنشین انسانی داستان سے بہرہ مند ہوں گے ——

اور ——

امام حسینؑ ——

اور ان کے محترم اصحاب کے اخلاق اور ان کی روح سے اپنی زندگی کے راہ و رسم میں ہدایت حاصل کریں گے ——

چند اشعار

اس بحث میں اشعار کا بڑا حصہ ہے اس لیے ہم چند شعر نقل کرتے ہیں جو چند ممتاز شعراء کے کلام سے منتخب کیے گئے ہیں اور بعض بزرگ شخصیتوں کے چند اقوال بھی نقل کرتے ہیں:

شعر: ـــــ بزرگ فلسفہ قتل شاہ دین این است
که مرگ سرخ به از زندگی ننگین است
علوی

مطلب: ـــــ شاہ دین کے قتل کا بڑا فلسفہ یہ ہے شہادت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔

شعر: ـــــ از پی آزادی نوع بشر تا روز حشر
پرچم آزاد مردی را بپا خواهیم کرد

شعر: ـــــ کاخ استبداد را با خاک یکسان می کنیم
پس بنای عدل را از نو بنا خواهیم کرد

شعر: ـــــ انقلاب مذهبی تا در جهان آید پدید
از ندای حق جهان را پر صدا خواهیم کرد
سروری

مطلب: ـــــ نوع بشر کی آزادی کے لیے ہم حشر تک آزادی کا پرچم بلند کرتے رہیں گے۔

مطلب: ـــــ قصر استبداد کو ہم خاک میں ملا دیں گے پھر عدل کا ایوان از سر نو تعمیر کریں گے۔

مطلب: ـــــ جب تک دنیا میں مذہبی انقلاب برپا نہیں ہوتا ندائے حق سے ہم ساری دنیا کو گونجتا رکھیں گے۔

شعر: ـــــ در دفتر آزادی نام تو بخون ثبت است
شد ثبت بهر دفتر با خون تو عنوان ها
ڈاکٹر ناظر زادہ کرمانی

مطلب: ـــــ آزادی کی بیاض میں تیرا نام خون سے ثبت کیا گیا ہے ہر بیاض میں تیرے خون سے عنوان لکھے گئے ہیں۔

شعر : ——— برا مردی و مردانگی و جانبازی
حسینؑ رہبر آزادگان دنیا شد
دکتر رسا

مطلب : ——— جذبۂ آزادی، مردانگی اور جانبازی کی بنا پر
حسینؑ دنیا میں آزادی کے علمبرداروں کے رہبر بن گئے۔

شعر : ——— درس آزادی از آن رو ساخت توام با عمل
تا خیانت پیشگان را در جہاں رسوا کنند
شاہد

مطلب : ——— آزادی کے درس کو اس لیے عمل کے ساتھ لازم و ملزوم بنایا گیا
تاکہ خیانت پیشہ لوگوں کو دنیا میں رسوا کیا جا سکے

شعر : ——— آنکہ از مکتب آزادگیش درس آموخت
پیش آمال ستمگر زچہ تسلیم شود
سرشک

مطلب : ——— جس نے اس مکتب آزادی سے درس حاصل کر لیا
وہ ظالم کی آرزوؤں کے سامنے کیوں سر تسلیم خم کرے

شعر : ——— نہ بقا کرد ستمگر نہ بجا ماند ستم
ظالم از دست شد و پایہ مظلوم بجاست
فواد کرمانی

مطلب : ——— نہ ظالم باقی رہا اور نہ ظلم
ظالم نابود ہو گیا اور مظلوم اپنی جگہ ڈٹا ہوا ہے۔

شعر : ——— مظہر ناموس و غیرت آیۂ مردانگی
کی شود تسلیم حکم غاصب بیدادگر
دکتر قاسم رسا

مطلب : ——— ناموس و غیرت کا مظہر مردانگی کی آیت
ظالم غاصب کے آگے کس طرح سر جھکا سکتا ہے۔

شعر : ——— تا قیامت قطع استبداد کرد
موج خون او چمن ایجاد کرد
اقبال

مطلب : ——— اس نے قیامت تک کے لیے استبداد کی جڑ کاٹ دی
اس کے خون کی موج نے ایک چمن کھلا دیا۔

شعر : ——— اہلبیت از قتلگہ کرب و بلا داد
با زینبؑ و سجادؑ سوی شام فرستاد

این جملہ ز خون بود در آن لشکر مسطور
باید بشر از قید اسارت بود آزاد
استاد تعبیر

مطلب : ——— کرب و بلا کی قتل گاہ سے ایک اعلامیہ
زینبؑ و سجادؑ کے ہاتھ شام کی طرف روانہ کیا
اس نشریہ میں خون سے یہ فقرہ لکھا ہوا تھا
بشر کو اسیری کی قید سے آزاد ہونا چاہیے۔

شعر : ——— گذشت از سر فرزند و مال و جان برادر
چہ دید می تواند گذشت از سر دینش
صائب بروجردی

مطلب : ——— اس نے فرزند ، مال ، جان اور برادر کو قربان کر دیا
کیونکہ وہ اپنے دین کو قربان ہوتے نہیں دیکھ سکتا تھا

شعر : ——— آن بساطی را کہ گستردند عمری شامیان
نیم روزہ آن شہ بدشت کربلا برچید و رفت
فائض اصفہانی

مطلب : ——— شامیوں نے جس بساط کو اپنی ساری عمر لگا کر بچھایا تھا
اس شاہ نے اسے آدھے دن کے اندر الٹ دیا اور
پھر وہ وہاں سے چلا گیا۔

شعر : ——— کرد رائج در جہان آئین عدل و داد را
ساخت ویران از شجاعت کاخ استبداد را
سروی

مطلب : ——— اس نے دنیا میں عدل و انصاف کا آئین رائج کیا
اور شجاعت سے کاخ استبداد کو ویران کر دیا۔

یہ ایک دوسرا شعر ہے جو حسینؑ کی روح سے متعارف کراتا ہے :

شعر : ——— چون بساط ظلم را برچیدن آئین من است
جان فدا کردن براہ دین حق ، دین من است
سروی

مطلب : ——— چونکہ ظلم کی بساط کو الٹ دینا میرا آئین ہے
اس لیے دینِ حق کی راہ میں جان فدا کرنا میرا دین ہے۔

یہ دو شعر زینبؑ کے بارے میں ہیں :

شعر : ——— خطبہ ای غرا بیان فرمود در کاخ یزید
کاخ استبداد را از ریشہ ویران کرد و رفت
سروی

مطلب : ——— اس نے کاخ یزید میں ایک روشن خطبہ دیا
اور کاخ استبداد کو بنیاد سے اکھاڑ کر ویران کر دیا
اور چلی گئیں۔

شعر : ——— زان خطابش عہدھای کہنہ را تجدید کرد
پور سفیان را ز قہر ذات حق تہدید کرد
ان بدان این سلطنت از بہر تو پایندہ نیست
ہم ترا این قدرت امروز در آیندہ نیست
سروی

مطلب : ـــــ اپنے اس خطاب سے پرانے زمانوں کو زندہ کر دیا۔
سفیان کے بیٹے کو ذاتِ حق کے قہر سے ڈرایا ۔
خبردار! تجھے یہ سلطنت تیرے لیے ہمیشہ باقی نہیں
رہے گی۔ آج تجھے جو قدرت حاصل ہے وہ آئندہ
باقی نہیں رہے گی۔

مگر میں اپنے قارئین سے میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ انسان جو بھی کام انجام دیتا ہے اس میں غلطیوں کے امکانات موجود رہتے ہیں۔ خصوصاً جو بڑی عجلت اور سرعت کے ساتھ انجام دیے گئے ہوں۔ اس کلیہ سے میں بھی مستثنیٰ نہیں ہوں۔ عین ممکن ہے کہ اس کتابچہ میں بھی کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں ۔ کیونکہ محرم ، صفر اور رمضان کی تعطیلات میں اپنی دوسری معروفیات کے ساتھ میں نے یہ کام انجام دیا ہے۔

اس کام کے سلسلے میں دانشوران گرامی کی راہ نمائی اور یاد دہانی اور ان قارئین عزیز کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس کتابچے کے مطالعے میں اپنا قیمتی وقت صرف کیا اور میری اس خدمت کی قدر افزائی فرمائی۔

اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے مجھے اس کتابچے کے لکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔ امید ہے کہ حسینؑ کی مقدس بارگاہ میں مقبولیت حاصل کرے گی۔

بہمن ۱۳۴۳

قم ۔ محمد یزدی